قال اللہ تعالیٰ: یُسقَونَ مِن رَّحِیقٍ مَّختُومٍ (القرآن)

الرحیق المختوم ﷺ

رابطہ عالمِ اسلامی مکہ مکرمہ کے زیرِ اہتمام منعقدہ
سیرت نگاری کے عالمی مقابلہ میں اوّل آنے والی عربی کتاب کا

اُردُو ترجمہ

ترجمہ و تصنیف

مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری

المکتبة السلفیة
شیش محل روڈ ، لاہور ، پاکستان

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ
عرض ناشر	۱۲
مقدمہ طبع سوم (عربی)	۱۶
پیش لفظ	۱۹
عرض مؤلف	۲۲
اپنی سرگزشت	۲۷
زیر نظر کتاب کے بارے میں (از مؤلف)	۳۱
عرب ۔ محلِ وقوع اور قومیں	۳۳
عرب قومیں	۳۴
عرب مستعربہ	۳۶
عرب ۔ حکومتیں اور سرداریاں	۴۳
یمن کی بادشاہی	۴۳
حیرہ کی بادشاہی	۴۵
شام کی بادشاہی	۴۷
حجاز کی امارت	۴۸
بقیہ عرب سرداریاں	۵۴
سیاسی حالت	۵۵
عرب ۔ ادیان و مذاہب	۵۷
دین ابراہیمی میں قریش کی بدعات	۶۳
دینی حالت	۶۷
جاہلی معاشرے کی چند جھلکیاں	۶۸
اجتماعی حالات	۶۸
اقتصادی حالت	۷۱
اخلاق	۷۲
خاندانِ نبوت	۷۵
نسب	۷۵
خانوادہ	۷۶
چاہِ زمزم کی کھدائی	۷۸
واقعۂ فیل	۷۹
عبداللہ ـــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد محترم	۸۰

مضمون	صفحہ
ولادت باسعادت اور حیاتِ طیبہ کے چالیس سال	۸۳
ولادتِ باسعادت	۸۳
بنی سعد میں	۸۴
واقعۂ شق صدر	۸۶
ماں کی آغوشِ محبت میں	۸۷
دادا کے سایۂ شفقت میں	۸۷
شفیق چچا کی کفالت میں	۸۸
روئے مبارک سے فیضانِ باراں کی طلب	۸۸
بحیرا راہب	۸۸
جنگِ فجار	۸۹
حلف الفضول	۸۹
جفاکشی کی زندگی	۹۰
حضرت خدیجہؓ سے شادی	۹۱
کعبہ کی تعمیر اور حجر اسود کے تنازعہ کا فیصلہ	۹۲
نبوت سے پہلے کی اجمالی سیرت	۹۳
نبوت و رسالت کی چھاؤں میں	۹۶
غارِ حرا کے اندر	۹۶
جبریلؑ وحی لاتے ہیں	۹۷
آغازِ وحی کا مہینہ، دن اور تاریخ (حاشیہ)	۹۷
وحی کی بندش	۱۰۱
جبریلؑ دوبارہ وحی لاتے ہیں	۱۰۱
وحی کی اقسام	۱۰۲
تبلیغ کا حکم اور اس کے مضمرات	۱۰۴
دعوت کے ادوار و مراحل	۱۰۷
پہلا مرحلہ:	
کاوشِ تبلیغ	۱۰۸
خفیہ دعوت کے تین سال	۱۰۸
اولین رہروانِ اسلام	۱۰۸
نماز	۱۱۰

مضمون	صفحہ
قریش کو اجمالی خبر	۱۱۱
دوسرا مرحلہ:	
کھلی تبلیغ	۱۱۲
اظہارِ دعوت کا پہلا حکم	۱۱۲
قرابت داروں میں تبلیغ	۱۱۲
کوہِ صفا پر	۱۱۳
حق کا دانشگاف اعلان اور مشرکین کا ردِ عمل	۱۱۴
قریش، ابوطالب کی خدمت میں	۱۱۶
حجاج کو روکنے کے لیے مجلسِ شوریٰ	۱۱۶
محاذ آرائی کے مختلف انداز	۱۱۸
محاذ آرائی کی دوسری صورت	۱۱۹
محاذ آرائی کی تیسری صورت	۱۲۰
محاذ آرائی کی چوتھی صورت	۱۲۱
ظلم وجور	۱۲۲
دارِ ارقم	۱۳۰
پہلی ہجرت حبشہ	۱۳۱
دوسری ہجرت حبشہ	۱۳۴
مہاجرینِ حبشہ کے خلاف قریش کی سازش	۱۳۵
ابوطالب کو قریش کی دھمکی	۱۳۹
قریش ایک بار پھر ابوطالب کے سامنے	۱۴۰
نبی ﷺ کے قتل کی تجویز	۱۴۱
حضرت حمزہؓ کا قبولِ اسلام	۱۴۴
حضرت عمرؓ کا قبولِ اسلام	۱۴۵
قریش کا نمائندہ رسول اللہ ﷺ کے حضور میں	۱۵۲
ابوطالب، بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو جمع کرتے ہیں	۱۵۵
مکمل بائیکاٹ	۱۵۷
ظلم وستم کا پیمان	۱۵۷
تین سال شعب ابی طالب میں	۱۵۸
صحیفہ چاک کیا جاتا ہے۔	۱۵۹
ابوطالب کی خدمت میں قریش کا آخری وفد	۱۶۲
غم کا سال	۱۶۵
ابوطالب کی وفات	۱۶۵
حضرت خدیجہؓ جوارِ رحمت میں	۱۶۶
غم ہی غم	۱۶۷
حضرت سودہؓ سے شادی	۱۶۸
ابتدائی مسلمانوں کا صبر وثبات اور اس کے اسباب وعوامل	۱۶۹
تیسرا مرحلہ:	
بیرونِ مکہ دعوتِ اسلام	۱۸۰
رسول اللہ ﷺ طائف میں	۱۸۰
قبائل اور افراد کو اسلام کی دعوت	۱۸۷
وہ قبائل جنہیں اسلام کی دعوت دی گئی	۱۸۷
ایمان کی شعائیں مکے سے باہر	۱۸۹
یثرب کی چھ سعادت مند روحیں	۱۹۴
حضرت عائشہؓ سے نکاح	۱۹۶
اسراء اور معراج	۱۹۷
پہلی بیعتِ عقبہ	۲۰۵
یثرب میں اسلام کا سفیر	۲۰۶
قابلِ رشک کامیابی	۲۰۷
دوسری بیعتِ عقبہ	۲۱۰
گفتگو کا آغاز اور حضرت عباسؓ کی طرف سے معاملے کی نزاکت کی تشریح	۲۱۱
بیعت کی دفعات	۲۱۲
خطرناکیٔ بیعت کی مکرر یاد دہانی	۲۱۳
بیعت کی تکمیل	۲۱۴
بارہ نقیب	۲۱۵
شیطان معاہدے کا انکشاف کرتا ہے۔	۲۱۶
قریش پر ضرب لگانے کیلئے انصار کی مستعدی	۲۱۶
رؤسائے یثرب سے قریش کا احتجاج	۲۱۷
خبر کا یقین اور بیعت کرنے والوں کا تعاقب	۲۱۷
ہجرت کے ہراول دستے	۲۱۹
قریش کی پارلیمنٹ دار الندوہ میں	۲۲۳
پارلیمانی بحث اور نبی ﷺ کے قتل کی ظالمانہ قرارداد پر اتفاق	۲۲۴
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت	۲۲۶
رسول اللہ ﷺ کے مکان کا گھیراؤ	۲۲۷

مضمون	صفحہ
رسول اللہ ﷺ اپنا گھر چھوڑتے ہیں	۲۲۸
گھر سے غار تک	۲۲۹
غار میں	۲۳۰
قریش کی تگ و دو	۲۳۱
مدینے کی راہ میں	۲۳۲
قباء میں تشریف آوری	۲۳۸
مدینے میں داخلہ	۲۴۰
مدنی زندگی	۲۴۳
پہلا مرحلہ:	
ہجرت کے وقت مدینے کے حالات	۲۴۴
نئے معاشرے کی تشکیل	۲۵۴
مسجد نبوی کی تعمیر	۲۵۴
مسلمانوں کی بھائی چارگی	۲۵۵
اسلامی تعاون کا پیمان	۲۵۷
معاشرے پر معنویات کا اثر	۲۵۹
یہود کے ساتھ معاہدہ	۲۶۳
معاہدے کی دفعات	۲۶۳
مسلح کشاکش	۲۶۵
ہجرت کے بعد مسلمانوں کے خلاف قریش کی فتنہ خیزیاں اور عبداللہ بن اُبی سے نامہ و پیام	۲۶۵
مسلمانوں پر مسجد حرام کا دروازہ بند کیے جانے کا اعلان	۲۶۶
مہاجرین کو قریش کی دھمکی	۲۶۷
جنگ کی اجازت	۲۶۷
سرایا اور غزوات	۲۶۹
سریۂ سیف البحر	۲۶۹
سریۂ رابغ	۲۷۰
سریۂ خرار	۲۷۰
غزوۂ ابواء یا ودان	۲۷۱
غزوۂ بواط	۲۷۱
غزوۂ سفوان	۲۷۲
غزوۂ ذی العشیرہ	۲۷۲
سریۂ نخلہ	۲۷۳
غزوۂ بدر کبریٰ اسلام کا پہلا فیصلہ کن معرکہ	۲۷۹

مضمون	صفحہ
غزوے کا سبب	۲۷۹
اسلامی لشکر کی تعداد اور کمان کی تقسیم	۲۷۹
بدر کی جانب اسلامی لشکر کی روانگی	۲۸۰
مکے میں خطرے کا اعلان	۲۸۱
جنگ کے لیے اہل مکہ کی تیاری	۲۸۱
مکی لشکر کی تعداد	۲۸۱
قبائل بنو بکر کا مسئلہ	۲۸۲
جیش مکہ کی روانگی	۲۸۲
قافلہ بچ نکلا	۲۸۲
مکی لشکر کا ارادۂ واپسی اور باہمی پھوٹ	۲۸۳
اسلامی لشکر کے لیے حالات کی نزاکت	۲۸۳
مجلس شوریٰ کا اجتماع	۲۸۴
اسلامی لشکر کا بقیہ سفر	۲۸۶
جاسوسی کا اقدام	۲۸۶
لشکر مکہ کے بارے میں اہم معلومات کا حصول	۲۸۷
باران رحمت کا نزول	۲۸۸
اہم فوجی مراکز کی طرف اسلامی لشکر کی سبقت	۲۸۸
مرکز قیادت	۲۸۹
لشکر کی ترتیب اور شب گزاری	۲۸۹
میدان جنگ میں مکی لشکر کا باہمی اختلاف	۲۹۰
دونوں لشکر آمنے سامنے	۲۹۲
نقطۂ صفر اور معرکے کا پہلا ایندھن	۲۹۳
مبارزت	۲۹۳
عام ہجوم	۲۹۵
رسول اللہ ﷺ کی دعا	۲۹۵
فرشتوں کا نزول	۲۹۶
جوابی حملہ	۲۹۷
میدان سے ابلیس کا فرار	۲۹۹
شکست فاش	۲۹۹
ابوجہل کی اکڑ	۲۹۹
ابوجہل کا قتل	۳۰۰
ایمان کے تابناک نقوش	۳۰۲
فریقین کے مقتولین	۳۰۶

مضمون	صفحہ
مکے میں شکست کی خبر	۳۰۷
مدینے میں فتح کی خوش خبری	۳۰۹
مالِ غنیمت کا مسئلہ	۳۱۰
اسلامی لشکر مدینے کی راہ میں	۳۱۱
تہنیت کے وفود	۳۱۲
قیدیوں کا قضیہ	۳۱۳
قرآن کا تبصرہ	۳۱۵
متفرق واقعات	۳۱۷
بدر کے بعد جنگی سرگرمیاں	۳۱۹
غزوۂ بنی سُلیم بہ مقام کدر	۳۲۰
نبی ﷺ کے قتل کی سازش	۳۲۱
غزوۂ بنی قینقاع	۳۲۳
یہود کی عیاری کا ایک نمونہ	۳۲۳
بنی قینقاع کی عہد شکنی	۳۲۵
محاصرہ، سپردگی اور جلاوطنی	۳۲۷
غزوۂ سَویق	۳۲۹
غزوۂ ذی امر	۳۳۰
کعب بن اشرف کا قتل	۳۳۱
غزوۂ بحران	۳۳۵
سریۂ زید بن حارثہ	۳۳۶
غزوۂ اُحد	۳۳۸
انتقامی جنگ کے لیے قریش کی تیاری	۳۳۸
قریش کا لشکر، سامانِ جنگ اور کمان	۳۳۹
مکی لشکر کی روانگی	۳۴۰
مدینے میں اطلاع	۳۴۰
ہنگامی صورتحال کے مقابلے کی تیاری	۳۴۰
مکی لشکر مدینے کے دامن میں	۳۴۱
مدینے کی دفاعی حکمتِ عملی کے لیے مجلسِ شوریٰ کا اجلاس ----------	۳۴۱
اسلامی لشکر کی ترتیب اور جنگ کے لیے روانگی	۳۴۲
لشکر کا معاینہ	۳۴۴
اُحد اور مدینے کے درمیان شب گزاری	۳۴۵
عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھیوں کی سرکشی	۳۴۵
بقیہ اسلامی لشکر دامنِ اُحد میں	۳۴۶
دفاعی منصوبہ	۳۴۷
نبی ﷺ شجاعت کی رُوح پھونکتے ہیں	۳۴۹
مکی لشکر کی تنظیم	۳۴۹
قریش کی سیاسی چال بازی	۳۵۰
جوش وہمت دلانے کیلیے قریشی عورتوں کی تگ وتاز	۳۵۱
جنگ کا پہلا ایندھن	۳۵۲
معرکہ کا مرکزِ ثقل اور علم داروں کا صفایا	۳۵۲
بقیہ حصوں میں جنگ کی کیفیت	۳۵۴
شیرِ خدا حضرت حمزہؓ کی شہادت	۳۵۶
مُسلمانوں کی بالادستی	۳۵۷
عورت کی آغوش سے تلوار کی دھار پر	۳۵۷
تیر اندازوں کا کارنامہ	۳۵۷
مشرکین کی شکست	۳۵۸
تیر اندازوں کی خوفناک غلطی	۳۵۸
اِسلامی لشکر مشرکین کے نرغے میں	۳۵۹
رسول اللہ ﷺ کا پُرخطر فیصلہ اور دلیرانہ اقدام	۳۶۰
مسلمانوں میں اِنتشار	۳۶۱
رسول اللہ ﷺ کے گرد خُوں ریز معرکہ	۳۶۳
رسول اللہ ﷺ کے پاس صحابہؓ کے اِکٹھا ہونے کی ابتداء ----------	۳۶۷
مشرکین کے دباؤ میں اضافہ	۳۶۹
نادرۂ روزگار جاں بازی	۳۷۰
نبی ﷺ کی شہادت کی خبر اور معرکے پر اسکا اثر	۳۷۲
رسول اللہ ﷺ کی پیہم معرکہ آرائی اور حالات پر قابو	۳۷۲
اُبی بن خلف کا قتل	۳۷۴
حضرت طلحہؓ، نبی ﷺ کو اُٹھاتے ہیں	۳۷۴
مشرکین کا آخری حملہ	۳۷۵
شہداء کا مُثلہ	۳۷۵
آخر تک جنگ لڑنے کیلیے مُسلمانوں کی مستعدی	۳۷۶
گھاٹی میں قـــراریابی کے بعد	۳۷۷
ابوسفیان کی شماتت اور حضرت عمرؓ سے دو دو باتیں	۳۷۸
بدر میں ایک اور جنگ لڑنے کا عہد و پیمان	۳۷۹

مضمون	صفحہ
مشرکین کے موقف کی تحقیق	۳۷۹
شہیدوں اور زخمیوں کی خبرگیری	۳۸۰
رسول اللہ ﷺ اللہ عزوجل کی ثنا کرتے اور اس سے دُعا فرماتے ہیں	۳۸۳
مدینے کو واپسی اور محبت وجاں سپاری کے نادر واقعات	۳۸۴
رسول اللہ ﷺ مدینے میں	۳۸۵
مدینے میں ہنگامی حالت	۳۸۵
غزوۂ حمراء الاسد	۳۸۶
جنگِ اُحد میں فتح و شکست کا ایک تجزیہ	۳۸۹
اس غزوے پر قرآن کا تبصرہ	۳۹۱
غزوے میں کارفرما خدائی مقاصد اور حکمتیں	۳۹۱
اُحد کے بعد کی فوجی مہمات	۳۹۴
سریۂ ابو سلمہ	۳۹۴
عبداللہ بن انیس کی مہم	۳۹۵
رجیع کا حادثہ	۳۹۵
بئر معونہ کا المیہ	۳۹۸
غزوۂ بنی نضیر	۴۰۰
غزوۂ نجد	۴۰۴
غزوۂ بدر دوم	۴۰۶
غزوۂ دُومۃ الجندل	۴۰۷
غزوۂ احزاب (جنگِ خندق)	۴۰۹
غزوۂ بنو قریظہ	۴۲۶
غزوۂ احزاب و قریظہ کے بعد کی جنگی مہمات	۴۳۴
سلام بن ابی الحقیق کا قتل	۴۳۴
سریۂ محمد بن مسلمہؓ	۴۳۶
غزوۂ بنو لحیان	۴۳۷
سریۂ غمر	۴۳۸
سریۂ ذو القصہ (۱)	۴۳۸
سریۂ ذو القصہ (۲)	۴۳۹
سریۂ جموم	۴۳۹
سریۂ عیص	۴۳۹
سریۂ طرف یا طرق	۴۴۰
سریۂ وادی القریٰ	۴۴۰
سریۂ خبط	۴۴۰
غزوۂ بنی المصطلق یا غزوۂ مریسیع (۵ یا ۶ھ)	۴۴۲
غزوۂ بنی المصطلق سے پہلے منافقین کا رویہ	۴۴۴
غزوۂ بنی المصطلق میں منافقین کا کردار	۴۴۹
مدینے سے ذلیل ترین آدمی کو نکالنے کی بات	۴۴۹
واقعۂ افک	۴۵۲
غزوۂ مریسیع کے بعد کی فوجی مہمات	۴۵۶
سریۂ دار بنی کلب۔ علاقۂ دومۃ الجندل	۴۵۶
سریۂ دیار بنی سعد۔ علاقۂ فدک	۴۵۶
سریۂ وادی القریٰ	۴۵۶
سریۂ عرنیین	۴۵۷
صلح حدیبیہ (ذی قعدہ ۶ھ)	۴۵۹
عمرۂ حدیبیہ کا سبب	۴۵۹
مسلمانوں میں روانگی کا اعلان	۴۵۹
مکے کی جانب مسلمانوں کی حرکت	۴۵۹
بیت اللہ سے مسلمانوں کو روکنے کی کوشش	۴۶۰
خوں ریز ٹکراؤ سے بچنے کی کوشش اور راستے کی تبدیلی	۴۶۰
بدیل بن ورقاء کا توسط	۴۶۱
قریش کے ایلچی	۴۶۲
وہی ہے جس نے اُن کے ہاتھ تم سے روکے	۴۶۳
حضرت عثمانؓ کی سفارت	۴۶۴
شہادتِ عثمانؓ کی افواہ اور بیعتِ رضوان	۴۶۵
صلح اور دفعاتِ صلح	۴۶۵
ابو جندل کی واپسی	۴۶۵
حلال ہونے کے لیے قربانی اور بالوں کی کٹائی	۴۶۷
مہاجرہ عورتوں کی واپسی سے اِنکار	۴۶۸
اس معاہدے کی دفعات کا حاصل	۴۶۹
مسلمانوں کا غم اور حضرت عمرؓ کا مناقشہ	۴۷۲
کمزور مسلمانوں کا مسئلہ حل ہوگیا	۴۷۳
برادرانِ قریش کا قبولِ اسلام	۴۷۴
دوسرا مرحلہ:	
نئی تبدیلی	۴۷۵

مضمون	صفحہ
بادشاہوں اور اُمراء کے نام خطوط	۴۷۶
نجاشی شاہِ حبش کے نام خط	۴۷۶
مقوقس شاہ مصر کے نام خط	۴۷۹
شاہِ فارس خسرو پرویز کے نام خط	۴۸۱
قیصر شاہِ روم کے نام خط	۴۸۳
مُنذر بن ساوی کے نام خط	۴۸۷
ہوذہ بن علی صاحب یمامہ کے نام خط	۴۸۸
حارث بن ابی شمر غسانی حاکم دمشق کے نام خط	۴۸۹
شاہِ عمان کے نام خط	۴۸۹
صُلح حُدیبیہ کے بعد کی فوجی سرگرمیاں	۴۹۴
غزوۂ غابہ یا غزوۂ ذی قرد	۴۹۴
غزوۂ خیبر اور غزوۂ وادی القریٰ	۴۹۷
خیبر کو روانگی	۴۹۸
اسلامی لشکر کی تعداد	۴۹۸
یہود کے لیے منافقین کی سرگرمیاں	۴۹۹
خیبر کا راستہ	۴۹۹
راستے کے بعض واقعات	۵۰۰
اسلامی لشکر، خیبر کے دامن میں	۵۰۱
جنگ کی تیاری اور خیبر کے قلعے	۵۰۲
معرکے کا آغاز اور قلعہ ناعم کی فتح	۵۰۳
قلعہ صعب بن معاذ کی فتح	۵۰۵
قلعہ زبیر کی فتح	۵۰۵
قلعہ ابی کی فتح	۵۰۶
قلعہ نزار کی فتح	۵۰۶
خیبر کے نصف ثانی کی فتح	۵۰۷
صُلح کی بات چیت	۵۰۷
ابوالحقیق کے دونوں بیٹوں کی بدعہدی اور انکا قتل	۵۰۸
اموالِ غنیمت کی تقسیم	۵۰۹
جعفر بن ابی طالب اور اشعری صحابہؓ کی آمد	۵۱۰
حضرت صفیہؓ سے شادی	۵۱۱
زہر آلود بکری کا واقعہ	۵۱۱
جنگِ خیبر میں فریقین کے مقتولین	۵۱۲
فدک	۵۱۲
وادی القریٰ	۵۱۳
تیماء	۵۱۴
مدینہ کو واپسی	۵۱۴
سَریّہ ابان بن سعید	۵۱۵
غزوۂ ذات الرقاع (۷ھ)	۵۱۶
۷ھ کے چند سَرایا	۵۱۹
سَریّہ قدید (صفر یا ربیع الاول ۷ھ)	۵۱۹
سَریّہ حِسمی (جمادی الآخرہ ۷ھ)	۵۱۹
سَریّہ تربہ (شعبان ۷ھ)	۵۲۰
سَریّہ اطراف فدک (شعبان ۷ھ)	۵۲۰
سَریّہ میفعہ (رمضان ۷ھ)	۵۲۰
سَریّہ خیبر (شوال ۷ھ)	۵۲۰
سَریّہ یمن وجبار (شوال ۷ھ)	۵۲۰
سَریّہ غابہ	۵۲۱
عمرۂ قضا	۵۲۲
چند اور سرایا	۵۲۵
سَریّہ ابوالعوجا (ذی الحجہ ۷ھ)	۵۲۵
سَریّہ غالب بن عبداللہ (صفر ۸ھ)	۵۲۵
سَریّہ ذات اطلح (ربیع الاول ۸ھ)	۵۲۵
سَریّہ ذات عرق (ربیع الاول ۸ھ)	۵۲۵
معرکۂ مُوتہ	۵۲۶
معرکے کا سبب	۵۲۶
لشکر کے اُمراء اور نبی ﷺ کی وصیت	۵۲۶
اِسلامی لشکر کی روانگی اور عبداللہ بن رواحہ کا گریہ	۵۲۷
اِسلامی لشکر کی پیش رفت اور خوفناک ناگہانی حالت سے سابقہ	۵۲۸
معان میں مجلس شوریٰ	۵۲۸
دشمن کی طرف اسلامی لشکر کی پیش قدمی	۵۲۸
جنگ کا آغاز اور سپہ سالاروں کی یکے بعد دیگرے شہادت	۵۲۹
جھنڈا، اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار کے ہاتھ میں	۵۳۰
خاتمۂ جنگ	۵۳۱
فریقین کے مقتولین	۵۳۲

مضمون	صفحہ
اس معرکے کا اثر	۵۳۲
سریۂ ذات السلاسل	۵۳۲
سریۂ خضرہ (شعبان ۸ھ)	۵۳۴
غزوۂ فتح مکہ	۵۳۵
اس غزوے کا سبب	۵۳۵
تجدید صلح کے لیے ابوسفیان مدینہ میں	۵۳۸
غزوے کی تیاری اور اخفا کی کوشش	۵۴۰
اسلامی لشکر مکہ کی راہ میں	۵۴۲
مرالظہران میں اسلامی لشکر کا پڑاؤ	۵۴۳
ابوسفیان دربارِ نبوت میں	۵۴۴
اسلامی لشکر مرالظہران سے مکے کی جانب	۵۴۶
اسلامی لشکر اچانک قریش کے سر پر	۵۴۷
اسلامی لشکر ذی طوی میں	۵۴۸
مکے میں اسلامی لشکر کا داخلہ	۵۴۸
مسجد حرام میں رسول اللہ ﷺ کا داخلہ اور بتوں سے تطہیر	۵۴۹
خانہ کعبہ میں رسول اللہ ﷺ کی نماز اور قریش سے خطاب	۵۵۰
آج کوئی سرزنش نہیں	۵۵۱
کعبے کی کنجی (حق بحقدار رسید)	۵۵۱
کعبہ کی چھت پر اذانِ بلالی	۵۵۲
فتح یا شکرانے کی نماز	۵۵۲
اکابر مجرمین کا خون رائیگاں قرار دے دیا گیا	۵۵۲
صفوان بن امیہ اور فضالہ بن عمیر کا قبولِ اسلام	۵۵۴
فتح کے دوسرے دن رسول اللہ ﷺ کا خطبہ	۵۵۴
انصار کے اندیشے	۵۵۵
بیعت	۵۵۵
مکہ میں نبی ﷺ کا قیام اور کام	۵۵۷
سرایا اور وفود	۵۵۷
تیسرا مرحلہ	۵۶۰
غزوۂ حنین	۵۶۱
دشمن کی روانگی اور اوطاس میں پڑاؤ	۵۶۱
ماہر جنگ کی زبانی سپہ سالار کی تغلیط	۵۶۱
دشمن کے جاسوس	۵۶۲
رسول اللہ ﷺ کے جاسوس	۵۶۲
رسول اللہ ﷺ مکہ سے حنین کی طرف	۵۶۳
اسلامی لشکر پر تیراندازوں کا اچانک حملہ	۵۶۳
دشمن کی شکستِ فاش	۵۶۶
تعاقب	۵۶۶
غنیمت	۵۶۶
غزوۂ طائف	۵۶۷
جعرانہ میں اموالِ غنیمت کی تقسیم	۵۶۹
انصار کا حزن و اضطراب	۵۷۰
وفدِ ہوازن کی آمد	۵۷۲
عمرہ اور مدینہ کو واپسی	۵۷۳
فتح مکہ کے بعد کے سرایا اور عمال کی روانگی	۵۷۴
تحصیلدارانِ زکوٰۃ	۵۷۴
سرایا	۵۷۵
سریۂ عیینہ بن حصن فزاری	۵۷۵
سریۂ قطبہ بن عامر	۵۷۶
سریۂ ضحاک بن سفیان کلابی	۵۷۶
سریۂ علقمہ بن مجزز مدلجی	۵۷۶
سریۂ علی بن ابی طالب	۵۷۶
غزوۂ تبوک	۵۷۹
غزوہ کا سبب	۵۷۹
روم و غسان کی تیاریوں کی عام خبریں	۵۸۰
روم و غسان کی تیاریوں کی خاص خبریں	۵۸۱
حالات کی نزاکت میں اضافہ	۵۸۲
رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایک قطعی اقدام کا فیصلہ	۵۸۲
رومیوں سے جنگ کی تیاری کا اعلان	۵۸۲
غزوہ کی تیاری کے لیے مسلمانوں کی دوڑ دھوپ	۵۸۳
اسلامی لشکر تبوک کی راہ میں	۵۸۴
اسلامی لشکر تبوک میں	۵۸۶
مدینہ کو واپسی	۵۸۷
مخلفین	۵۸۸

مضمون	صفحہ
اس غزوے کا اثر	۵۹۰
اس غزوہ سے متعلق قرآن کا نزول	۵۹۱
اس سن کے بعض اہم واقعات	۵۹۱
حج ۹ھ (زیر امارت حضرت ابوبکر صدیقؓ)	۵۹۲
غزوات پر ایک نظر	۵۹۳
اللہ کے دین میں فوج در فوج داخلہ	۵۹۶
وفود	۵۹۷
دعوت کی کامیابی اور اثرات	۶۱۲
حجۃ الوداع	۶۱۴
آخری فوجی مہم	۶۲۲
رفیقِ اعلیٰ کی جانب	۶۲۳
الوداعی آثار	۶۲۳
مرض کا آغاز	۶۲۴
آخری ہفتہ	۶۲۴
وفات سے پانچ دن پہلے	۶۲۴
چار دن پہلے	۶۲۶
ایک یا دو دن پہلے	۶۲۷
ایک دن پہلے	۶۲۸
حیاتِ مبارکہ کا آخری دن	۶۲۸
نزعِ رواں	۶۲۹
غم ہائے بیکراں	۶۳۰
حضرت عمرؓ کا موقف	۶۳۱
حضرت ابوبکرؓ کا موقف	۶۳۱
تجہیز وتکفین اور تدفین	۶۳۲
خانۂ نبوت	۶۳۳
اخلاق واوصاف	۶۴۴
حلیہ مبارک	۶۴۴
کمالِ نفس اور مکارمِ اخلاق	۶۴۸
کتب حوالہ	۶۵۴
...	...

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر (طبع اوّل)

الحمد لله الذی هدٰنا لهذا وما كنا لنهتدی لولا ان هدٰنا الله
اللّٰهم صلّ علیٰ محمدٍ النبیّ الامیّ وازواجه امهات المؤمنین
وذریته واهل بیته کما صلیت علیٰ ابرٰهیم انك حمید مجید۔

المکتبۃ السلفیہ کی پہلی کتاب "پیارے رسُول کی پیاری دعائیں" ۱۹۵۳ء میں طبع ہوئی تھی۔ اس کتاب کے مُرتّب والدِ گرامی حضرت مولانا محمد عطاءاللہ حنیفؔ حفظہ اللہ تعالیٰ کو اس کتاب کی ترتیب و طباعت میں حُسنِ نیّت کا صلہ اللہ عزّوجل نے یہ دیا کہ اس کے بعد المکتبۃ السلفیہ نے ایسی ایسی گرانقدر کتُب اتنے عمدہ معیار پر شائع کیں کہ پاکستان کے اکثر مذہبی و دینی کتب کے ناشرین نے اس کو مشعلِ راہ بنایا۔

المکتبۃ السلفیہ کا آغاز حضرت والدِ گرامی مدظلہ العالی نے "پیارے رسُول کی پیاری دعائیں" کی ترتیب واشاعت سے کر تو دیا تھا لیکن المکتبۃ السلفیہ کو ایک بامقصد اور باضابطہ ادارہ تشکیل دیتے وقت انہوں نے اپنے تلمیذِ رشید (اور میرے استاذِ محترم) مولانا حافظ عبدالرحمٰن گوہڑوی کو رفاقت وشراکت کے لیے منتخب کرلیا۔

استاذ وشاگرد کی اسی رفاقت وشراکت ہی میں دراصل المکتبۃ السلفیہ کا نام متعارف، بلکہ روشن ہُوا۔ بارك الله سعيهم۔

"پیارے رسُول کی پیاری دعائیں" کے بعد المکتبۃ السلفیہ نے اُس دور کے حُسنِ کتابت و طباعت اور تصحیحِ اغلاط کا اعلیٰ معیار قائم کرتے ہُوئے الفوز الکبیر عربی (ٹائپ) اور حیاتِ ولی (اُردو) جیسی کتابوں کی اشاعت سے کام کا آغاز کیا۔

اس کے بعد المکتبۃ السلفیہ کو عالمِ اسلام میں متعارف کرانے والی کتاب التعلیقات السلفیہ علیٰ سنن النسائی کو عمدہ ترین معیار پر شائع کرکے پاکستان میں جدید حواشی کے ساتھ متونِ حدیث کی اشاعت کا آغاز اور مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کی جلد اوّل شائع کرکے شروحِ حدیث کی طباعت میں

اولیت کا شرف حاصل کیا۔ والحمد للہ علی ذلک۔

بعد ازاں قرآن فہمی کے لیے مختصر اور احکام القرآن کی جامع تفسیر تفسیر احسن التفاسیر (اردو) کو جدید اسلوب تحقیق سے شائع کرنا شروع کیا۔ نیز اردو زبان میں ائمہ کی تفصیلی اور تحقیقی سوانح تعلیق و حواشی کے ساتھ (حیات امام احمد بن حنبل، حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ، حیات امام ابو حنیفہ) شائع کرنے کی طرح ڈالی۔

علاوہ ازیں اکمل البیان فی تائید تقویۃ الایمان اور شاہ ولی اللہ کی قلمی کتاب اتحاف النبیہ فی مایحتاج الیہ المحدث والفقیہ کو تعلیقات و حواشی سے مزین کر کے پہلی مرتبہ زیور طباعت سے آراستہ کیا۔

مدارس عربیہ میں مشہور داخل نصاب کتاب دیوان الحماسہ مترجم مع عربی حواشی ہندوستان میں طبع تو ہوا تھا لیکن حل لغات کے ساتھ اس کی اشاعت بھی المکتبۃ السلفیہ کا ایک اہم کارنامہ ہے۔

محمدیہ پاکٹ بک بجواب احمدیہ پاکٹ بک، سبعہ معلقہ مترجم مع عربی شرح، البلاغ المبین فارسی تحفۃ الموحدین مترجم واردو، الاتباع عربی، الایقاف مترجم رسالہ عمل بالحدیث مترجم، تقویۃ الایمان، نصیحۃ المسلمین، جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث اور حدیث کی تشریعی اہمیت جیسی کتب متذکرہ بالا ضخیم کتب کے علاوہ ہیں۔

غرضیکہ استاذ و شاگرد کی بہترین رفاقت و شراکت کا یہ دور بے مثال تھا۔

۱۹۷۰ء کے بعد راقم الحروف نے حضرت والد صاحب مدظلہ العالی کے سایۂ شفقت میں جب کام کا آغاز کیا تو اس وقت ملک میں قدیم کتب کو فلم پازیٹو پر شائع کرنے کا رجحان تھا۔

چنانچہ حجۃ اللہ البالغہ (عربی)، قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین (فارسی) (شاہ ولی اللہ) کتاب الصلوٰۃ (عربی) (ابن قیم) منہاج السنۃ النبویہ، اقتضاء الصراط المستقیم (عربی) الفرقان بین اولیاء الرحمٰن و اولیاء الشیطان (عربی) (اردو) ابن تیمیہ اور صراط مستقیم (فارسی) کو فلم پازیٹو پر شائع کرنے کے علاوہ احسن التفاسیر کی بقایا ۳ جلدیں اسلامی خطبات کامل ۲ جلد، جزء القراءۃ عربی (ٹائپ) (مترجم) رد الاشراک (عربی ٹائپ) مجموعہ ثلاث رسائل السلفیہ (عربی ٹائپ) کے علاوہ بعض چھوٹے چھوٹے رسائل (جو بقامت کہتر بہ قیمت بہتر کا مصداق تھے) بھی شائع کیے اور امکانی حد تک المکتبۃ السلفیہ کے ماضی کو باقی رکھنے کی کوشش کی۔ والحمد للہ علی ذالک۔

۱۹۷۹ء میں جب علم ہوا کہ رابطہ عالم اسلامی، مکہ مکرمہ نے جس عربی کتاب کو ___ دنیا بھر میں ___ اول انعام سے نوازا وہ ہمارے ہندوستانی مصنف کی ہے تو اس کا اردو ترجمہ شائع کرنے کی لہر دل و دماغ

سے ہوکر گزر گئی۔

۱۹۸۰ء میں جب مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری سے بیت اللہ شریف میں بحیثیت مصنف "الرحیق المختوم" تعارف ہُوا تو وہ گزری ہُوئی لہر الفاظ کا لبادہ اوڑھ کر فوراً مولانا موصوف کی خدمت میں حاضر ہو گئی۔

مولانائے محترم نے خود ہی ترجمہ کر کے "مسودہ" المکتبۃ السلفیہ کو عطا کرنے کا وعدہ فرما لیا اور جب مولانا موصوف دسمبر ۱۹۸۵ء میں لاہور تشریف لائے تو اپنا وعدہ وفا کر دیا جزاھم اللہ تعالیٰ۔

مسودہ ملنے کے ۲۰-۲۱ ماہ بعد "الرحیق المختوم" کا اردو ایڈیشن پیش خدمت ہے۔ اس کی طباعت میں جو حسن و کمال آپ کو نظر آئے گا وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور ساتھ ساتھ والدِ گرامی حفظہ اللہ کی سرپرستی، اُستاذِ محترم مولانا حافظ عبدالرحمٰن گوہڑوی کی راہ نمائی، برادرِ عزیز خالد جاوید یُوسفی کی مخلصانہ توجہ اور فاضل دوست مولانا حافظ صلاح الدین یوسف کے علمی مشورں کا نتیجہ ہے اور جو کوتاہی ہے اس کا یہ راقم آثم ہی ذمہ دار ہے۔

برادر گرامی پروفیسر عبدالجبار شاکر کا بھی بہت ممنون ہوں جنہوں نے بے پناہ مصروفیتوں کے باوجود کتاب پڑھ کر مختصر لیکن جامع تبصرہ سے ——— فلیپ کی صورت میں ——— نوازا۔ جزاھم اللہ تعالیٰ۔

ناسپاسی ہو گی اگر میں اس کے خطاط صاحبان مُشتاق احمد بھٹہ، محمد صدیق گلزار، محمد ریاض، محمد الیاس صاحبان اور خصوصاً مُشتاق احمد بھٹہ صاحب کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے بار بار تصحیح کتابت نہ صرف بڑی خندہ پیشانی بلکہ سعادت سمجھ کر کی۔ ایسے ہی عزیز برخوردار ابن یوسف (آرٹسٹ) کا بھی شکرگزار ہوں جنہوں نے کتاب کے حسن میں عملاً حصہ لیکر زادِ آخرت بنایا۔

آخر میں اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو زوال پذیر امتِ مسلمہ کی اصلاح کا باعث بنائے اور فاضل مصنف حفظہ اللہ، ناشر، ان کے والدین، اساتذہ اور ہر اس شخص کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائے جس نے کسی بھی مرحلہ پر تعاون فرمایا ہو۔ آمین ثم آمین!

اللھم صل علی محمد و بارک وسلم علیہ

الراجی الی رحمۃ ربہ الغافر

بندۂ آثم احمد شاکر غفر لہ ولوالدیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ طبع سوم (عربی)

(از عزت مآب ڈاکٹر **عبداللہ عمر نصیف** سیکرٹری جنرل رابطہ عالم اسلامی، مکہ المکرمہ)

الحمد لله الذی بنعمته تتم الصالحات، وأشهد ان لا اله الا الله وحده لاشریك له. واشهد أن محمدا عبده ورسوله وصفیه وخلیله، أدى الرسالة وبلغ الأمانة، ونصح الأمة، وترکها علی المحجة البیضاء لیلها کنهارها. صلى الله علیه وعلی آله وصحبه اجمعین، ورضی عن کل من تبع سنته وعمل بها إلی یوم الدین، وعنا معهم بعفوك ورضاك یا ارحم الراحمین. أما بعد

سُنّت نبویہ مطہرہ، جو ایک تجدد پذیر عطیہ اور تا قیامت باقی رہنے والا توشہ ہے۔ اور جس کو بیان کرنے اور جس کے مختلف عنوانات پر کتابیں اور صحیفے لکھنے کے لیے لوگوں میں نبی ﷺ کی بعثت کے وقت سے مقابلہ اور تنافس جاری ہے، اور قیامت تک جاری رہے گا۔ یہ سنت مطہرہ مسلمانوں کے سامنے وہ عملی نمونہ اور واقعاتی پروگرام رکھتی ہے جس کے سانچے میں ڈھل کر مسلمانوں کی رفتار و گفتار اور کردار و اطوار کو نکلنا چاہیے۔ اور اپنے پروردگار سے ان کا تعلق اور اپنے کنبہ و قبیلہ، برادران و اخوان اور افرادِ اُمت سے ان کا ربط اس کے عین مطابق ہونا چاہیے۔ اللہ عزّ وجل کا ارشاد ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيرًا ○

" یقیناً تمہارے ہر اس شخص کے لیے اللہ کے رسول ﷺ میں بہترین اسوہ ہے جو اللہ اور روزِ آخرت کی اُمید رکھتا ہو اور اللہ کو بکثرت یاد کرتا ہو۔"

اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کیسے تھے انہوں نے فرمایا کان خلقه القرآن۔ بس قرآن ہی آپ کا اخلاق تھا۔

لهٰذا جو شخص اپنی دنیا اور آخرت کے جملہ معاملات میں ربانی شاہراہ پر چل کر اس دنیا سے نجات چاہتا ہو اس کے لیے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں کہ وہ رسول اعظم ﷺ کے اسوہ کی پیروی کرے۔

اور خوب اچھی طرح سمجھ بوجھ کر اس یقین کے ساتھ نبی ﷺ کی سیرت کو اپنائے کہ یہی پروردگار کا سید ھا راستہ ہے جس پر ہمارے آقا اور پیشوا رسول اللہ ﷺ عملاً اور واقعۃً تمام شعبہائے زندگی میں گامزن تھے۔ لہٰذا اسی میں قائدین و متبعین، حکّام و محکومین، رہبران و مرشدین اور مجاہدین کی رُشد و ہدایت ہے۔ اور اسی میں سیاست و حکومت، دولت و اقتصاد، معاشرتی معاملات، انسانی تعلقات، اخلاق فاضلہ اور بین الاقوامی روابط کے جملہ میدانوں کے لیے اسوہ و نمونہ ہے۔

آج جبکہ مسلمان اس ربّانی منہج سے دور ہٹ کر جہل و پسماندگی کے کھڈ میں جا گرے ہیں، ان کے لیے کیا ہی بہتر ہو گا کہ وہ ہوش کے ناخن لیں۔ اور اپنے تعلیمی نصابوں اور مختلف اجتماعات و مجالس میں اس بنا پر سیرت نبوی کو سرِفہرست رکھیں کہ یہ محض ایک فکری متاع ہی نہیں ہے۔ بلکہ یہی اللہ کی طرف واپسی کی راہ ہے۔ اور اسی میں لوگوں کی اصلاح و فلاح ہے۔ کیونکہ یہی اخلاق و عمل کے میدان میں اللہ عزّ وجل کی کتاب قرآن مجید کی ترجمانی کا عملی اسلوب ہے، جس کے نتیجہ میں مومن اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی شریعت کا تابع فرمان بن جاتا ہے۔ اور اسے انسانی زندگی کے جملہ معاملات میں حکم بنا لیتا ہے۔

یہ کتاب "الرحیق المختوم" اپنے فاضل مؤلف شیخ صفی الرحمٰن مبارک پوری کی ایک خوشگوار کوشش اور قابلِ قدر کارنامہ ہے جسے موصوف نے رابطہ عالم اسلامی کے منعقد کردہ مقابلہ سیرت نویسی ۱۳۹۶ھ کی دعوتِ عام پر لبیک کہتے ہوئے انجام دیا۔ اور پہلے انعام سے سرفراز ہوئے۔ جس کی تفصیل رابطہ عالم اسلامی کے سابق سیکرٹری جنرل مرحوم فضیلۃ الشیخ محمد علی الحرکان تغمدہ اللہ برحمتہ وجزاہ عنا خیر الجزاء، کے مقدمہ طبع اول میں مذکور ہے۔

اس کتاب کو لوگوں میں زبردست پذیرائی حاصل ہوئی۔ اور یہ ان کی مدح و ستائش کا مرکز بن گئی۔ چنانچہ پہلے ایڈیشن کے کل کے کل (دس ہزار) نسخے ہاتھوں ہاتھ نکل گئے۔ اور اس کے بعد جناب محترم ح ــــ ح (حسان حموی حفظہ اللہ) نے ازراہ کرم مزید پانچ ہزار نئے نسخوں کی طباعت کا بیڑہ اٹھایا فجزاہ اللہ خیر الجزاء۔

اس موقع پر محترم موصوف ح ــــ ح نے مجھ سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں اس تیسرے ایڈیشن کا دیباچہ لکھ دوں۔ چنانچہ ان کی خواہش کے احترام میں مَیں نے یہ مختصر سا دیباچہ قلم بند کر دیا۔ مولیٰ عزّ وجل سے دعا ہے کہ وہ اس عمل کو اپنے رُخ کریم کے لیے خالص بنائے۔ اور اس سے مسلمانوں کو ایسا نفع پہنچائے کہ ان کی موجودہ خستہ حالی بہتری میں تبدیل ہو جائے۔ اُمتِ محمدیہ کو اس کا گم گشتہ مجد و شرف

اور اقوامِ عالم کی قیادت کا مقامِ بلند واپس مل جائے۔ اور وہ اللہ عزّوجل کے اس ارشاد کی عملی تصویر بن جائے

کہ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللهِ ○

تم خیرِ امت ہو جسے لوگوں کے لیے برپا کیا گیا ہے۔ تم بھلائی کا حکم دیتے ہو۔ بُرائی سے روکتے ہو۔ اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

وصلی اللہ علی المبعوث رحمة للعالمین، رسولِ الهدی ومرشد الانسانیة الی طریق النجاة والفلاح، وعلیٰ آله وصحبه وسلم والحمد لله رب العالمین۔

ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف

سیکرٹری جنرل رابطہ عالمِ اسلامی مکہ مکرمہ

اورینٹ پریس، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معالی الشیخ محمد علی الحرکان سیکرٹری جنرل رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ

الحمد لله رب العلمين ، خالق السموٰت والارض وجاعل الظلمات والنور، وصلى الله على سيدنا محمد خاتم الأنبياء والرسل أجمعين ، بشر وانذر، ووعد واوعد ، انقذ الله به البشر من الضلالة ، وهدى الناس إلى الصراط المستقيم، صراط الله الذي له ما في السموٰت وما في الارض، الا الى الله تصير الامور- وبعد :

چونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو مقام شفاعت اور درجہ بلند عطا فرمایا ہے۔ اور آپ سے ہم مسلمانوں کو محبت کرنے کی ہدایت دی ہے۔ اور آپ کی پیروی کو اپنی محبت کی نشانی قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ

یعنی اے پیغمبر کہہ دو ! اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو میری پیروی کرو۔ اللہ تمہیں محبوب رکھے گا۔ اور تمہارے گناہوں کو تمہارے لیے بخش دے گا۔

اس لیے یہ بھی ایک سبب ہے جو دلوں کو آپ کا گرویدہ و وارفتہ بنا کر ان اسباب و ذرائع کی جستجو میں ڈال دیتا ہے جو آپ کے ساتھ تعلقِ خاطر کو پختہ تر کر دیں۔ چنانچہ طلوع اسلام ہی سے مسلمان آپ کے محاسن کے اظہار اور آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کی نشر و اشاعت میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ نام ہے آپ ﷺ کے اقوال و افعال اور اخلاق کریمانہ کا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنُ یعنی قرآن کریم ہی آپ ﷺ کا اخلاق تھا" اور معلوم ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے کلماتِ تامّہ کا نام ہے۔ لہٰذا جس ذاتِ گرامی کا یہ وصف ہے وہ یقیناً سارے انسانوں سے بہتر اور کامل ہے۔ اور ساری خلق خدا کی محبت کی سب سے زیادہ حقدار ہے۔

یہ گراں مایہ محبت ہمیشہ مسلمانوں کا سرمایۂ دل وجان رہی۔ اور اسی کے افق سے سیرت نبویہ شریفہ کی پہلی کانفرنس کا نُور پھُوٹا۔ یہ کانفرنس ۱۳۹۶ھ میں پاکستان کی سرزمین پر منعقد ہُوئی۔ اور رابطہ نے اس کانفرنس میں اعلان کیا کہ ذیل کی شرائط پر پورے اترنے والے سیرت کے پانچ سب سے عمدہ مقالات پر ڈیڑھ لاکھ سعودی ریال کے مالی انعامات دیئے جائیں گے۔ شرائط یہ ہیں۔

(۱) مقالہ مکمل ہو۔ اور اس میں تاریخی واقعات زمانۂ وقوع کے لحاظ سے ترتیب وار بیان کیے گئے ہوں۔

(۲) مقالہ عمدہ ہو۔ اور اس سے پہلے شائع نہ کیا گیا ہو۔

(۳) مقالے کی تیاری میں جن مخطوطات اور علمی مآخذ پہ اعتماد کیا گیا ہو ان سب کے حوالے مکمل دیئے گئے ہوں۔

(۴) مقالہ نگار اپنی زندگی کے مکمل اور مفصل حالات قلم بند کرے۔ اور اپنی علمی اسناد اور اپنی تالیفات کا ـــ اگر ہوں تو ـــ ذکر کرے۔

(۵) مقالے کا خط صاف اور واضح ہو۔ بلکہ بہتر ہو گا کہ ٹائپ کیا ہوا ہو۔

(۶) مقالے عربی اور دوسری زندہ زبانوں میں قبول کئے جائیں گے۔

(۷) یکم ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ سے مقالات کی وصولی شروع کی جائے گی۔ اور یکم محرم ۱۳۹۷ھ کو ختم کر دی جائے گی۔

(۸) مقالات رابطۂ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے سیکرٹریٹ کو مہر بند لفافے کے اندر پیش کئے جائیں۔ رابطہ ان پر اپنا ایک خاص نمبر شمار ڈالے گا۔

(۹) اکابر علماء کی ایک اعلیٰ کمیٹی تمام مقالات کی چھان بین اور جانچ پڑتال کرے گی۔

رابطہ کا یہ اعلان محبتِ نبویؐ سے سرشار اہل علم کے لیے مہمیز ثابت ہُوا۔ اور انہوں نے اس مقابلے میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ ادھر رابطہ عالمِ اسلامی بھی عربی، انگریزی، اُردو اور دیگر زبانوں میں مقالات کی وصولی اور استقبال کے لیے تیار تھا۔

پھر ہمارے محترم بھائیوں نے مختلف زبانوں میں مقالات بھیجنے شروع کیے۔ جن کی تعداد ۱۷۱ تک جا پہنچی۔ ان میں ۸۴ مقالے عربی زبان میں تھے، ۶۴ اُردو میں، ۲۱ انگریزی میں، ایک فرانسیسی میں اور ایک ہوسا زبان میں۔

رابطہ نے ان مقالات کو جانچنے اور استحقاقِ انعام کے لحاظ سے ان کی ترتیب قائم کرنے کیلئے کبار علماء کی ایک کمیٹی تشکیل دی۔ اور انعام پانے والوں کی ترتیب یہ رہی۔

۱۔ پہلا انعام۔ شیخ صفی الرحمٰن مبارکپوری، جامعہ سلفیہ، ہند۔ پچاس ہزار سعودی ریال۔

۲۔ دوسرا انعام۔ ڈاکٹر ماجد علی خاں، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی ہند۔ چالیس ہزار سعودی ریال۔

۳۔ تیسرا انعام۔ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، صدر جامعہ اسلامیہ، بہاولپور پاکستان۔ تیس ہزار سعودی ریال

۴۔ چوتھا انعام۔ استاد حامد محمود، محمد منصور لیمود مصر۔ . . . . بیس ہزار سعودی ریال

۵۔ پانچواں انعام۔ استاد عبدالسلام ہاشم حافظ، مدینہ منورہ، مملکت سعودیہ عربیہ: دس ہزار سعودی ریال

رابطہ نے ان کامیاب افراد کے ناموں کا اعلان، ماہ شعبان ۱۳۹۶ھ میں کراچی (پاکستان) کے اندر منعقد پہلی ایشائی اسلامی کانفرنس میں کیا۔ اور اشاعت کے لیے تمام اخبارات کو اس کی اطلاع بھیج دی۔

پھر تقسیم انعامات کے لیے رابطہ نے مکہ مکرمہ میں اپنے مستقر پر امیر سعود بن عبدالمحسن بن عبدالعزیز کی سرپرستی میں سنیچر ۱۲ ربیع الآخر ۱۳۹۹ھ کی صبح ایک بڑی تقریب منعقد کی۔ امیر سعود مکہ مکرمہ کے گورنر امیر فواز بن عبدالعزیز کے سیکرٹری ہیں۔ اور اس تقریب میں ان کے نائب کی حیثیت سے موصوف نے انعامات تقسیم کیے۔

اس موقع پر رابطہ کے سیکرٹریٹ کی طرف سے یہ اعلان بھی کیا گیا کہ ان کامیاب مقالات کو مختلف زبانوں میں طبع کرا کر تقسیم کیا جائے گا۔ چنانچہ اس کو روبہ عمل لاتے ہوئے شیخ صفی الرحمان مبارکپوری جامعہ سلفیہ ہند کا (عربی) مقالہ سب سے پہلے طبع کرا کر قارئین کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ کیونکہ موصوف ہی نے پہلا انعام حاصل کیا ہے۔ اس کے بعد بقیہ مقالے بھی ترتیب وار طبع کیے جائیں گے۔

اللہ سبحانہٗ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارے اعمال اپنے لیے خالص بنائے۔ اور انہیں شرف قبولیت سے نوازے۔ یقیناً وہ بہترین مولیٰ اور بہترین مددگار ہے وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلہٖ وصحبہ وسلم۔

محمد علی الحرکان

سیکرٹری جنرل رابطہ عالم اسلامی

مکہ مکرمہ

عرض مؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ وعلیٰ آلہ وصحبہ ومن والاہ ۔ اما بعد

یہ ربیع الاوّل ۱۳۹۶ھ (مارچ ۱۹۷۶ء) کی بات ہے کہ کراچی میں عالم اسلام کی پہلی سیرت کانفرنس ہوئی جس میں رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اس کانفرنس کے اختتام پر ساری دنیا کے اہلِ قلم کو دعوت دی کہ وہ سیرتِ نبویؐ کے موضوع پر دنیا کی کسی بھی زندہ زبان میں مقالے لکھیں پہلی، دوسری، تیسری، چوتھی اور پانچویں پوزیشن حاصل کرنے والوں کو علی الترتیب پچاس، چالیس، تیس بیس اور دس ہزار ریال کے انعامات دیئے جائیں گے۔ یہ اعلان رابطہ کے سرکاری ترجمان اخبار العالم الاسلامی کی کئی اشاعتوں میں شائع ہوا۔ لیکن مجھے اس تجویز اور اعلان کا بروقت علم نہ ہو سکا۔

کچھ دنوں بعد جب میں بنارس سے اپنے وطن مُبارکپور گیا تو میرے پھوپھازاد بھائی اور محترم اُستاد مولانا عبدالرحمان صاحب مُبارکپوری حفظہ اللہ (ابن شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ صاحب رحمانی حفظہ اللہ) نے مجھ سے اس کا ذکر کیا۔ اور زور دیا کہ میں بھی اس مقابلے میں حصہ لوں۔ میں نے اپنی علمی کم مایئگی اور ناتجربہ کاری کا عذر کیا۔ مگر مولانا مصر رہے۔ اور بار بار کی معذرت پر فرمایا کہ میرا مقصود یہ نہیں ہے کہ انعام حاصل ہو۔ بلکہ میں چاہتا ہوں کہ اسی بہانے "ایک کام" ہو جائے۔ میں نے ان کے اصرارِ مسلسل پر خاموشی تو اختیار کر لی۔ لیکن نیت یہی تھی کہ اس مقابلے میں حصّہ نہیں لوں گا۔

چند دن بعد جمعیت اہل حدیث ہند کے آرگن اور نقیب پندرہ روزہ ترجمان دہلی میں رابطہ کی اس تجویز اور اعلان کا اردو ترجمہ شائع ہوا تو میرے لیے ایک عجیب صورتِ حال پیدا ہو گئی۔ جامعہ سلفیہ کے متوسط اور منتہی طلبہ میں سے عموماً جس کسی سے سامنا ہوتا وہ مجھے اس مقابلے میں شرکت کا مشورہ دیتا۔ خیال ہُوا کہ شاید "خلق کی یہ زبان" "خدا کا نقارہ" ہے۔ تاہم مقابلے میں حصہ نہ لینے کے اپنے قلبی فیصلے پر میں قریب قریب اٹل رہا۔ کچھ دنوں بعد طلبہ کے "مشورے" اور "تقاضے" بھی تقریباً ختم ہی ہو گئے۔ مگر چند ایک طالب علم اپنے تقاضے پر قائم رہے۔ بعض نے مقالے کے تصنیفی خاکے کو موضوعِ گفتگو بنا رکھا تھا۔ اور بعض بعض کی ترغیب اصرار کی آخری حدوں کو چھُو رہی تھی۔ بالآخر میں خاصی ہچکچاہٹ کے ساتھ آمادہ ہو گیا۔ کام شروع کیا۔ لیکن تھوڑا تھوڑا۔ کبھی کبھی اور آہستہ خرامی کے ساتھ۔ چنانچہ ابھی بالکل ابتدائی مرحلے

ہی میں تھا کہ رمضان کی تعطیل کلاں کا وقت آگیا۔ ادھر رابطہ نے آنے والے محرم الحرام کی پہلی تاریخ کو مقالات کی وصولی کی آخری تاریخ قرار دیا تھا۔ اس طرح مہلتِ کار کے کوئی ساڑھے پانچ ماہ گذر چکے تھے۔ اور اب زیادہ سے زیادہ ساڑھے تین ماہ میں مقالہ مکمل کر کے حوالۂ ڈاک کر دینا ضروری تھا تاکہ وقت پر پہنچ جائے۔ اور ادھر ابھی سارا کام باقی تھا۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ اس مختصر عرصے میں ترتیب و تسوید، نظر ثانی اور نقل و صفائی کا کام ہو سکے گا۔ مگر اصرار کرنے والوں نے چلتے چلتے تاکید کی کہ کسی طرح کی غفلت یا تذبذب کے بغیر کام میں جُت جاؤں۔ رمضان بعد "سہارا" دیا جائے گا۔ میں نے بھی فرصت کے ایام غنیمت سمجھے۔ اشہبِ قلم کو مہمیز لگائی۔ اور کدو کاوش کے بحر بیکراں میں کود پڑا۔ پوری تعطیل سُہانے خواب کے چند لمحوں کی طرح گذر گئی۔ اور جب یہ حضرات واپس پلٹے تو مقالے کا دو تہائی حصّہ مرتب ہو چکا تھا چونکہ نظر ثانی اور تبییض کا موقع نہ تھا اس لیے اصل مسودہ ہی ان حضرات کے حوالے کر دیا کہ نقل و صفائی اور تقابل کا کام کر ڈالیں۔ باقی ماندہ حصے کے کچھ دیگر لوازمات کی فراہمی و تیاری میں بھی ان سے کسی قدر تعاون لیا۔ جامعہ کی ڈیوٹی اور ہماہمی شروع ہو چکی تھی۔ اس لیے زمانۂ تعطیل کی رفتار برقرار رکھنی ممکن نہ تھی۔ تاہم ڈیڑھ ماہ بعد جب عید اضحیٰ کی تعطیل کا وقت آیا تو "شب بیداری" کی "برکت" سے مقالہ تیاری کے آخری مرحلے میں تھا جسے سرگرمی کی ایک جست نے تمام و کمال کو پہنچا دیا۔ اور میں نے آغاز محرم سے بارہ تیرہ دن پہلے یہ مقالہ حوالۂ ڈاک کر دیا۔

مہینوں بعد مجھے رابطہ کے دو رجسٹرڈ مکتوب ہفتہ عشرہ آگے پیچھے موصول ہُوئے۔ خلاصہ یہ تھا کہ میرا مقالہ، رابطہ کے مقررہ شرائط کے مطابق ہے۔ اس لیے شریکِ مقابلہ کر لیا گیا ہے۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس کے بعد دن پہ دن گذرتے گئے۔ حتیٰ کہ ڈیڑھ سال کا عرصہ بیت گیا، مگر رابطہ مُہر بلب۔ میں نے دوبارہ خط لکھ کر معلوم کرنا بھی چاہا کہ اس سلسلے میں کیا ہو رہا ہے تو مُہرِ سکوت نہ ٹوٹی۔ پھر میں خود بھی اپنے مشاغل اور مسائل میں اُلجھ کر یہ بات تقریباً فراموش کر گیا کہ میں نے کسی "مقابلہ" میں حصّہ لیا ہے۔

اوائل شعبان ۱۳۹۵ھ (۶/۷/۸ جولائی ۱۹۷۸ء کو) کراچی (پاکستان) میں پہلی ایشیائی اسلامی کانفرنس منعقد ہو رہی تھی۔ مجھے اس کی کارروائیوں سے دلچسپی تھی۔ اس لیے اس سے متعلق اخبار کے گوشوں میں دبی ہوئی خبریں بھی ڈھونڈھ کر پڑھتا تھا۔ ایک روز بعد وہی اسٹیشن پر ٹرین کے انتظار میں — جو لیٹ تھی — اخبار دیکھنے بیٹھ گیا۔ اچانک ایک چھوٹی سی خبر پر نظر پڑی کہ اس کانفرنس کے کسی اجلاس کے اندر رابطہ نے سیرت نگاری کے مقابلے میں کامیاب ہونے والے پانچ ناموں کا اعلان کر دیا ہے۔ اور ان میں ایک مقالہ نگار ہندوستانی

بھی ہے۔ یہ خبر پڑھ کر اندر ہی اندر طلب و جستجو کا ایک ہنگامہ محشر بپا ہو گیا۔ بنارس واپس آکر تفصیل معلوم کرنے کی کوشش کی، مگر لا حاصل۔

۱۰ر جولائی ۱۹۷۸ء کو چاشت کے وقت — پوری رات مناظرہ بجرڈیہہ کے شرائط طے کرنے کے بعد بے خبر سو رہا تھا کہ اچانک حجرے سے متصل سیڑھیوں پر طلبہ کا شور و ہنگامہ سُنائی پڑا۔ اور آنکھ کھل گئی۔ اتنے میں طلبہ کا ریلا حجرے کے اندر تھا۔ ان کے چہروں پر بے پناہ مسرت کے آثار اور زبانوں پر مبارکبادی کے کلمات تھے۔

"کیا ہُوا؟ کیا مخالف مناظر نے مناظرہ کرنے سے انکار کر دیا؟" میں نے لیٹے ہی لیٹے سوال کیا۔

"نہیں، بلکہ آپ سیرت نگاری کے مقابلے میں اوّل آگئے۔"

"اللہ! تیرا شکر ہے۔" "آپ حضرات کو اس کا علم کیسے ہُوا؟" میں اُٹھ کر بیٹھ چکا تھا۔

"مولوی عُزیر یہ خبر لائے ہیں۔"

"مولوی عزیر یہاں آچکے ہیں؟"

"جی ہاں۔"

اور چند لمحوں بعد مولوی عزیر مجھے تفصیلات سُنا رہے تھے۔

پھر ۲۲ر شعبان ۱۳۹۸ھ (۲۹ر جولائی ۱۹۷۸ء) کو رابطہ کا رجسٹرڈ مکتوب وارد ہوا جس میں کامیابی کی اطلاع کے ساتھ یہ مژدہ بھی رقم تھا کہ ماہ محرم ۱۳۹۹ھ میں مکہ مکرمہ کے اندر رابطہ کے مستقر پر تقسیم انعامات کے لیے ایک تقریب منعقد کی جائے گی۔ اور اس میں مجھے شرکت کرنی ہے۔ یہ تقریب محرم کے بجائے ۱۲ر ربیع الآخر ۱۳۹۹ھ کو منعقد ہوئی۔

اس تقریب کی بدولت مجھے پہلی بار حرمین شریفین کی زیارت کی سعادت نصیب ہوئی۔ ۱۰ر ربیع الآخر یوم جمعرات کو عصر سے کچھ پہلے مکہ مکرمہ کی پُر نور فضاؤں میں داخل ہُوا۔ تیسرے دن ۸½ بجے رابطہ کے مستقر پر حاضری کا حکم تھا۔ یہاں ضروری کارروائیوں کے بعد تقریباً دس بجے تلاوتِ قرآن پاک سے تقریب کا آغاز ہوا۔ سعودی عدلیہ کے چیف جسٹس شیخ عبداللہ بن حُمَید صدر مجلس تھے۔ مکّہ کے نائب گورنر امیر سعود بن عبدالمحسن۔ جو مرحوم ملک عبدالعزیز کے پوتے ہیں — تقسیم انعامات کے لیے تشریف فرما تھے۔ انہوں نے مختصر سی تقریر کی۔ ان کے بعد رابطہ کے نائب سیکرٹری جنرل شیخ علی المختار نے خطاب فرمایا۔ انہوں نے قدرے تفصیل سے بتایا کہ یہ انعامی مقابلہ کیوں منعقد کرایا گیا۔ اور فیصلے کے لیے کیا طریقہ کار اپنایا گیا۔ انہوں نے وضاحت

فرمائی کہ رابطہ کو اعلان مقابلہ کے بعد ایک ہزار سے زائد یعنی (۱۱۸۲) مقالات موصول ہوئے جن کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد ابتدائی کمیٹی نے ایک سو تراسی (۱۸۳) مقالات کو مقابلے کے لیے منتخب کیا۔ اور آخری فیصلے کے لیے انہیں وزیر تعلیم شیخ حسن بن عبداللہ آل الشیخ کی سرکردگی میں قائم ماہرین کی ایک آٹھ رکنی کمیٹی کے حوالے کر دیا۔ کمیٹی کے یہ آٹھوں ارکان ملک عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ کی شاخ کلیۃ الشریعہ (اور اب جامعہ اُم القریٰ) مکہ مکرمہ کے استاد اور سیرتِ نبوی ﷺ اور تاریخ اسلام کے ماہر اور متخصص ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں :

ڈاکٹر ابراہیم علی شعوط	ڈاکٹر احمد سید دراج
ڈاکٹر عبدالرحمٰن فہمی محمد	ڈاکٹر فائق بکر صواف
ڈاکٹر محمد سعید صدیقی	ڈاکٹر شاکر محمود عبدالمنعم
ڈاکٹر فکری احمد عکاز	ڈاکٹر عبدالفتاح منصور

ان اساتذہ نے مسلسل چھان بین کے بعد متفقہ طور پہ پانچ مقالات کو ذیل کی ترتیب کے ساتھ انعام کا مستحق قرار دیا۔

۱۔ الرحیق المختوم (عربی) تالیف صفی الرحمٰن مبارکپوری جامعہ سلفیہ، بنارس، ہند (اوّل)

۲۔ خاتم النبیین ﷺ (انگریزی) تالیف ڈاکٹر ماجد علی خاں جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی، ہند (دوم)

۳۔ پیغمبر اعظم و آخر (اردو) تالیف ڈاکٹر نصیر احمد ناصر وائس چانسلر جامعہ اسلامیہ، بہاولپور، پاکستان (سوم)

۴۔ منتقی النقول فی سیرۃ اعظم رسول (عربی) تالیف شیخ حامد محمود بن محمد منصور لیمود، جیزہ مصر (چہارم)

۵۔ سیرۃ نبی الہدیٰ والرحمۃ (عربی) استاد عبدالسلام ہاشم حافظ، مدینہ منورہ، مملکت سعودیہ عربیہ (پنجم)

نائب سیکرٹری جنرل محترم شیخ علی المختار نے ان توضیحات کے بعد حوصلہ افزائی، مبارکباد، اور دعائیہ کلمات پر اپنی تقریر ختم کر دی۔

اس کے بعد مجھے اظہار خیال کی دعوت دی گئی۔ میں نے اپنی مختصر سی تقریر میں رابطہ کو ہندوستان کے اندر دعوت و تبلیغ کے بعض ضروری اور متروک گوشوں کی طرف توجہ دلائی۔ اور اس کے متوقع اثرات و نتائج پر روشنی ڈالی۔ رابطہ کی طرف سے اس کا حوصلہ افزا جواب دیا گیا۔

اس کے بعد امیر محترم سعود بن عبدالمحسن نے ترتیب وار پانچوں انعامات تقسیم فرمائے۔ اور تلاوتِ قرآن مجید

پر تقریب کا اختتام ہوگیا۔

۷ ربیع الآخر یوم جمعرات کو ہمارے قافلے کا رُخ مدینہ منورہ کی طرف تھا۔ راستے میں بدر کی تاریخی رزمگاہ کا مختصراً مشاہدہ کرکے آگے بڑھے تو عصر سے کچھ پہلے حرم نبوی ؐ کے در و بام کا جلال و جمال نگاہوں کے سامنے تھا۔ چند دن بعد ایک صبح خیبر بھی گئے۔ اور وہاں کا تاریخی قلعہ اندر و باہر سے دیکھا پھر کچھ تفریح کرکے سرِ شام مدینہ منوّرہ کو واپس ہوئے۔ اور پیغمبر آخر الزماں ﷺ کی اس جلوہ گاہ، جبریل امین کے اس مَہبَط، قدوسیوں کی اس فرودگاہ اور اسلام کے اس مرکزِ انقلاب میں دو ہفتے گذار کر طائر شوق نے پھر حرم کعبہ کی راہ لی۔ یہاں طواف و سعی کے "ہنگامے" میں مزید ایک ہفتہ گذارنے کا شرف حاصل ہوا۔ عزیزوں دوستوں، بزرگوں اور علماء و مشائخ نے کیا مکّہ، کیا مدینہ، ہر جگہ ہاتھوں ہاتھ لیا۔ یوں میرے خوابوں اور آرزوؤں کی سرزمین حجاز مقدس کے اندر ایک ماہ کا عرصہ چشم زدن میں گزر گیا۔ اور میں پھر صنم کدۂ ہند میں واپس آگیا ؎

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شُد　　رُوئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شُد

حجاز سے واپس ہوا تو ہندوستان و پاکستان کے اُردو خواں طبقے کی طرف سے کتاب کو اُردو جامہ پہنانے کا تقاضا شروع ہوگیا۔ جو کئی برس گذر جانے کے باوجود برابر قائم رہا۔ ادھر نئی نئی مصروفیات اس قدر دامنگیر ہوتی گئیں کہ ترجمہ کے لیے فرصت کے لمحات میسر ہوتے نظر نہ آئے۔ بالآخر مشاغل کے اسی ہجوم میں ترجمہ شروع کر دیا گیا۔ اور اللہ کا بے پایاں شکر ہے کہ چند ماہ کی جزوی کوشش سے پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا وَلِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ۔

اخیر میں مَیں ان تمام بزرگوں، دوستوں اور عزیزوں کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے اس کام میں کسی بھی طرح مجھ سے تعاون کیا۔ خصوصاً استاذِ محترم مولانا عبدالرحمان صاحب رحمانی، اور عزیزان گرامی شیخ عزیر صاحب اور حافظ محمد الیاس صاحب فاضلان مدینہ یونیورسٹی کا کہ ان کے مشورے اور ہمت افزائی نے مجھے وقتِ مقررہ پر اس مقالے کی تیاری میں بڑی مدد پہنچائی۔ اللہ ان سب کو جزائے خیر دے۔ ہمارا حامی و ناصر ہو۔ کتاب کو شرفِ قبول بخشے اور مولف و معاونین اور مستفیدین کے لیے فلاح و نجاح کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

۱۸؍ رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ

صفی الرحمن المبارکفوری

اپنی سرگزشت

الحمد لله رب العلمين والصلاة والسلام على سيد الأولين والآخرين محمّد خاتم النبيين، وعلى آله وصحبه أجمعين، أمّا بعد:

چونکہ رابطۂ عالم اسلامی نے سیرت نویسی کے مقابلے میں حصہ لینے والوں کو پابند کیا ہے کہ وہ اپنے حالاتِ زندگی بھی قلم بند کریں۔ اس لیے ذیل کی سطور میں اپنی سادہ زندگی کے چند خاکے پیش کر رہا ہوں۔

سلسلۂ نسب صفی الرحمٰن بن عبداللہ بن محمد اکبر بن محمد علی بن عبدالمومن بن فقیر اللہ مبارک پوری اعظمی۔

پیدائش سند میں میری تاریخ پیدائش ۶ رجون ۱۹۴۳ء درج ہے۔ مگر یہ تخمینی اندراج ہے تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ پیدائش ۱۹۴۲ء کے وسط کی ہے۔ مقام پیدائش موضع حسین آباد ہے۔ جو مبارکپور کے شمال میں ایک میل کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ مبارکپور ضلع اعظم گڑھ کا ایک معروف علمی اور صنعتی قصبہ ہے۔

تعلیم و تعلّم میں نے بچپن میں قرآن مجید کا کچھ حصہ اپنے دادا اور چچا سے پڑھا۔ پھر ۱۹۴۸ء میں مدرسہ دار التعلیم مبارکپور میں داخل ہوا۔ وہاں چھ سال رہ کر پرائمری درجات اور مڈل کورس کی تعلیم مکمل کی۔ قدرے فارسی بھی پڑھی۔ اس کے بعد جون ۱۹۵۴ء میں مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور میں داخل ہوا اور وہاں عربی زبان و قواعد، نحو و صرف اور بعض دوسرے فنون کی تعلیم حاصل کرنی شروع کی۔ دو سال بعد مدرسہ فیض عام مئو پہنچا۔ اس مدرسہ کو اس علاقہ میں ایک اہم دینی درسگاہ کی حیثیت حاصل ہے۔ اور مئو ناتھ بھنجن، قصبہ مبارکپور سے ۲۵ کیلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

فیض عام میں میرا داخلہ مئی ۱۹۵۶ء میں ہوا۔ میں نے وہاں پانچ سال گزارے۔ اور عربی زبان و قواعد اور شرعی علوم و فنون یعنی تفسیر، حدیث، اصولِ حدیث، فقہ اور اصولِ فقہ وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ جنوری ۱۹۶۱ء میں میری تعلیم مکمل ہو گئی۔ اور مجھے باقاعدہ شہادۃ التخرج (یعنی سندِ تکمیل) دیدی گئی۔ یہ سندِ فضیلت فی الشریعۃ اور فضیلت فی العلوم کی سند ہے۔ اور تدریس و افتاء کی اجازت پر مشتمل ہے۔ میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے تمام امتحانات میں امتیازی نمبروں سے کامیابی حاصل ہوتی رہی۔

دورانِ تعلیم، مَیں نے الہ آباد بورڈ کے امتحانات میں بھی شرکت کی۔ فروری ۱۹۵۹ء میں مولوی اور فروری ۱۹۶۰ء میں عالم کے امتحانات دیئے۔ اور دونوں میں فرسٹ ڈویژن سے کامیاب ہوا۔

پھر ایک طویل عرصے کے بعد مدرسین سے متعلق جدید حالات کے پیشِ نظر میں نے فروری ۱۹۷۶ء میں فاضلِ ادب؛ اور فروری ۱۹۷۸ء میں فاضلِ دینیات) کا امتحان دیا۔ اور بحمداللہ (دونوں میں) فرسٹ ڈویژن سے کامیاب ہوا۔

کارگاہِ علم وحیات میں

۱۹۶۱ء میں "مدرسہ فیض عام" سے فارغ ہو کر میں نے ضلع الہ آباد پھر شہر ناگپور میں درس وتدریس اور تقریر وخطابت کا شغل اختیار کیا۔ دو سال بعد مارچ ۱۹۶۳ء میں مادر علمی مدرسہ فیض عام کے ناظم اعلیٰ نے مجھے تدریس کے کام پر مدعو کر لیا لیکن میں نے وہاں بمشکل دو سال گذارے تھے کہ حالات نے علیحدگی پر مجبور کر دیا۔ اگلا سال "جامعۃ الرشاد" اعظم گڑھ کی نذر ہوا۔ اور فروری ۱۹۶۶ء سے مدرسہ دار الحدیث مئو کی دعوت پر وہاں مدرس ہو گیا۔ تین سال یہاں گذارے۔ اور تدریس کے علاوہ بحیثیت نائب صدر مدرس تعلیمی امور اور داخلی انتظامات کی نگہداشت میں بھی شریک رہا۔

آخری ایام میں مدرسہ کی انتظامیہ کے درمیان اتنے سخت اختلافات برپا ہوئے کہ معلوم ہوتا تھا مدرسہ بند ہو جائے گا۔ ان اختلافات سے بددل ہو کر میں نے عین عید کے روز استعفاء دیدیا۔ اور چند دن بعد مدرسہ دار الحدیث سے مستعفی ہو کر مدرسہ فیض العلوم سیونی کی خدمت پر جا مامور ہوا۔ جو متوناتھ بھنجن سے کوئی سات سو کیلو میٹر دور مدھیہ پردیش میں واقع ہے۔

سیونی میں میری تقرری جنوری ۱۹۶۹ء میں ہوئی۔ میں نے وہاں درس وتدریس کے فرائض انجام دینے کے علاوہ صدر مدرس کی حیثیت سے مدرسہ کے تمام داخلی وخارجی انتظامات کی ذمہ داری بھی سنبھالی اور جمعہ کا خطبہ دینا اور گردوپیش کے دیہاتوں میں جا جا کر دعوت وتبلیغ کا کام کرنا بھی اپنے معمولات میں شامل کیا

میں نے سیونی میں چار سال درس وتدریس کے فرائض انجام دیئے۔ پھر ۱۹۷۲ء کے اخیر میں سالانہ تعطیل پر وطن واپس آیا تو مدرسہ دار التعلیم مبارکپور کے اراکین نے یہاں کے تعلیمی انتظامات سنبھالنے اور تدریس کے فرائض انجام دینے کے لیے حد درجہ اصرار کیا۔ اور مجھے یہ پیش کش قبول کرنی پڑی۔ اب میں نے اپنی اولین مادر علمی کے اندر نئی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ دو سال بعد جامعہ سلفیہ کے ناظم اعلیٰ نے

مدرسہ دار التعلیم کے سرپرست سے گفتگو کی کہ مجھے جامعہ سلفیہ منتقل کر دیں۔ جامعہ کی خیر خواہی اور دیرینہ روابط کے پیش نظر بات طے ہوگئی۔ اور میں اکتوبر ۱۹۷۴ء میں جامعہ سلفیہ آگیا۔ جب سے یہیں کام کر رہا ہوں۔

تالیفات

تعلیم مکمل کرنے کے بعد میں نے اس طویل عرصے میں درس و تدریس کے پہلو بہ پہلو تالیف و تصنیف کا بھی کچھ نہ کچھ شغل جاری رکھا۔ چنانچہ مختلف مضامین و مقالات کے علاوہ اب تک آٹھ عدد (بلکہ اب کوئی بیس عدد) کتابوں اور رسائل کی تالیف یا ترجمے کا کام بھی ہو چکا ہے، جو یہ ہیں۔

(۱) شرح ازہار العرب (عربی) ازہار العرب علامہ محمد سورتیؒ کا جمع کردہ نفیس عربی اشعار کا ایک منتخب اور ممتاز مجموعہ ہے۔ شرح ۱۹۶۲ء میں لکھی گئی، مگر قدرے ناقص رہی۔ اور طبع نہیں کرائی جا سکی

(۲) المصابیح فی مسالۃ التراویح للسیوطی کا اردو ترجمہ (۱۹۶۳ء) چند بار طبع ہو چکا ہے۔

(۳) ترجمہ الکلم الطیب لابن تیمیہؒ (۱۹۶۶ء) غیر مطبوع۔

(۴) ترجمہ و توضیح کتاب الاربعین للنووی (۱۹۶۹ء) غیر مطبوع۔

(۵) صُحفِ یہود و نصاریٰ میں محمد ﷺ کے متعلق بشارتیں (اردو، ۱۹۷۰ء) غیر مطبوع۔

(۶) تذکرہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہابؒ (۱۹۷۲ء) یہ کتاب تین بار طبع ہو چکی ہے۔ یہ اصلاً محکمہ شرعیہ قطر کے قاضی شیخ احمد بن حجر کی عربی تالیف کا ترجمہ ہے۔ لیکن اس میں کسی قدر ترمیم و اضافہ کیا گیا ہے۔

(۷) تاریخ آلِ سعود (اردو، ۱۹۷۲ء) تذکرہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کے پہلے اور دوسرے ایڈیشن کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔

(۸) اتحاف الکرام تعلیق بلوغ المرام لابن حجر عسقلانی (عربی، ۱۹۷۴ء) مطبوع۔

(۹) قادیانیت اپنے آئینہ میں (اردو ۱۹۷۶ء) مطبوع۔

(۱۰) فتنۂ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری (اردو، ۱۹۷۶ء) مطبوع۔

(۱۱) پیشِ نظر کتاب جو رابطہ عالم اسلامی میں پیش کرنے کے لیے تالیف کی گئی (اور اس کے بعد مزید چند رسالے سپردِ قلم کیے گئے جو یہ ہیں۔

(۱۲) انکارِ حدیث کیوں؟ (اُردو ۱۹۷۶ء) مطبوع

(۱۳) انکارِ حدیث حق یا باطل (اُردو ۱۹۷۷ء) مطبوع

(۱۴) رزمِ حق و باطل (مناظرہ بجر ڈیہہ کی روداد ۱۹۷۸ء) مطبوع

(۱۵) ابراز الحق والصواب فی مسألۃ السفور والحجاب (عربی ۱۹۷۵ء) پردے سے متعلق علامہ ڈاکٹر تقی الدین ہلالی مراکشی حفظہ اللہ کی رائے پر نقد ہے۔ اور مجلہ الجامعۃ السلفیہ میں قسط وار شائع ہوا ہے۔

(۱۶) تطور الشعوب والدیانات فی الہند ومجال الدعوۃ الاسلامیۃ فیہا (عربی ۱۹۷۹ء) چند قسطیں مجلہ الجامعۃ السلفیہ میں شائع ہو چکی ہیں۔

(۱۷) الفرقۃ الناجیۃ والفرق الاسلامیۃ الأخری (عربی ۱۹۸۲ء) غیر مطبوع

(۱۸) اسلام اور عدم تشدد (اردو ۱۹۸۴ء) مطبوع

(۱۹) بہجۃ النظر فی مصطلح اہل الاثر (عربی) مطبوع

(۲۰) اہل تصوف کی کارستانیاں (اردو ۱۹۸۶ء) مطبوع

(۲۱) الاحزاب السیاسیۃ فی الاسلام (عربی ۱۹۸۶ء) زیر طبع

علاوہ ازیں ماہنامہ "محدث" بنارس کی (اسکے پورے زمانہ اشاعت میں یعنی ۴½ برس تک) ایڈیٹری کے فرائض بھی انجام دیئے۔

واللہ الموفق وازمۃ الامور کلہا بیدہ۔ ربنا تقبلہ منا بقبول حسن وانبتہ نباتاً حسناً۔

زیرِ نظر کتاب کے بارے میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله الذی ارسل رسوله بالهدٰی ودین الحق لیظهره علی الدین کله فجعله شاهدًا ومبشرًا ونذیرًا، وداعیًا إلی الله بإذنه وسراجًا منیرا، وجعل فیه أسوة حسنة لمن کان یرجوا الله والیوم الاٰخر وذکر الله کثیرا، اللّٰهم صل وسلم وبارك علیه وعلی اٰله وصحبه ومن تبعهم بإحسان إلی یوم الدین وفجر لهم ینابیع الرحمة والرضوان تفجیرا۔ أمّا بعد:

یہ بڑی مسرت اور شادمانی کی بات ہے کہ ربیع الاول ۱۳۹۶ھ میں پاکستان کے اندر منعقدہ سیرت کانفرنس کے اختتام پر رابطہ عالم اسلامی نے سیرت کے موضوع پر مقالہ نویسی کا ایک عالمی مقابلہ منعقد کرنے کا اعلان کیا ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ اہلِ قلم میں ایک طرح کی امنگ اور ان کی فکری کاوشوں میں ایک طرح کی ہم آہنگی پیدا ہو۔ میرے خیال میں یہ بڑا مُبارک قدم ہے۔ کیونکہ اگر گہرائی سے جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ درحقیقت سیرتِ نبوی اور اسوۂ محمّدی ہی وہ واحد منبع ہے جس سے عالم اسلام کی زندگی اور انسانی معاشرے کی سعادت کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ آپ ﷺ کی ذات بابرکات پر بے شمار درود وسلام ہو۔

پھر یہ میری سعادت وخوش بختی ہوگی کہ میں بھی اس مبارک مقابلے میں شرکت کروں۔ لیکن میری بساط ہی کیا ہے کہ میں سید الاولین والآخرین ﷺ کی حیات مبارکہ پر روشنی ڈال سکوں۔ میں تو اپنی ساری خوش بختی وکامرانی اسی میں سمجھتا ہوں کہ مجھے آپ ﷺ کے انوار کا کچھ حصہ نصیب ہوجائے۔ تاکہ میں تاریکیوں میں بھٹک کر ہلاک ہونے کے بجائے آپ ﷺ کے ایک اُمتی کی حیثیت سے آپ کی روشن شاہراہ پر چلتا ہوا زندگی گذاروں۔ اور اسی راہ میں میری موت بھی آئے۔ اور پھر آپ ﷺ کی شفاعت کی برکت سے اللہ تعالیٰ میرے گناہوں پر قلمِ عفو پھیر دے۔

ایک چھوٹی سی بات اپنی اس کتاب کے اندازِ تحریر کے متعلق بھی عرض کرنے کی ضرورت

محسوس کر رہا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ میں نے کتاب لکھنے سے پہلے ہی یہ بات طے کر لی تھی کہ اسے بارِ خاطر بن جانے والے طول اور ادائیگی مقصود سے قاصر رہ جانے والے اختصار دونوں سے بچتے ہوئے متوسط درجے کی ضخامت میں مرتب کروں گا۔ لیکن جب کتب سیرت پر نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ واقعات کی ترتیب اور جزئیات کی تفصیل میں بڑا اختلاف ہے۔ اس لیے میں نے فیصلہ کیا کہ جہاں جہاں ایسی صورت پیش آئے وہاں بحث کے ہر پہلو پر نظر دوڑا کر اور بھرپور تحقیق کر کے جو نتیجہ اخذ کروں اسے اصل کتاب میں درج کردوں۔ اور دلائل و شواہد کی تفصیلات اور ترجیح کے اسباب کا ذکر نہ کروں۔ ورنہ کتاب غیر مطلوب حد تک طویل ہو جائے گی۔ البتہ جہاں یہ اندیشہ ہو کہ میری تحقیق قارئین کے لیے حیرت و استعجاب کا باعث بنے گی، یا جن واقعات کے سلسلے میں عام اہل قلم نے کوئی ایسی تصویر پیش کی ہو جو میرے نقطۂ نظر سے صحیح نہ ہو وہاں دلائل کی طرف بھی اشارہ کردوں۔

یا اللہ! میرے لیے دنیا اور آخرت کی بھلائی مقدر فرما۔ تو یقیناً غفور و وَدُود ہے۔ عرش کا مالک ہے اور بزرگ و برتر ہے۔

صفی الرحمٰن مُبارکپوری

جامعہ سلفیہ
بنارس ، ھند

جمعۃ المبارک
۲۴ر رجب ۱۳۹۶ھ مطابق ۲۳ جولائی ۱۹۷۶ء

عَرَب — محلِّ وُقوع اور قومیں

سیرت نبوی درحقیقت اس پیغامِ ربانی کے عملی پرتو سے عبارت ہے، جسے رسُول اللہ ﷺ نے انسانی جمعیت کے سامنے پیش کیا تھا۔ اور جس کے ذریعے انسان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں اور بندوں کی بندگی سے نکال کر خدا کی بندگی میں داخل کر دیا تھا۔ چونکہ اس سیرتِ طیّبہ کی مکمل صُورت گری ممکن نہیں جب تک کہ اس پیغامِ ربّانی کے نزول سے پہلے کے حالات اور بعد کے حالات کا تقابل نہ کیا جائے اس لیے اصل بحث سے پہلے پیش نظر باب میں اسلام سے پہلے کی عرب اقوام اور ان کے نشوو نما کی کیفیت بیان کرتے ہُوئے ان حالات کا خاکہ پیش کیا جا رہا ہے جن میں رسُول اللہ ﷺ کی بعثت ہُوئی تھی۔

عرب کا محلِّ وقوع

لفظ عرب کے لغوی معنی ہیں صحرا اور بے آب وگیاہ زمین۔ عہدِ قدیم سے یہ لفظ جزیرہ نمائے عرب اور اس میں بسنے والی قوموں پر بولا گیا ہے۔

عرب کے مغرب میں بحر احمر اور جزیرہ نمائے سینا ہے۔ مشرق میں خلیج عرب اور جنوبی عراق کا ایک بڑا حصّہ ہے۔ جنوب میں بحر عرب ہے جو درحقیقت بحر ہند کا پھیلاؤ ہے۔ شمال میں ملک شام اور کسی قدر شمالی عراق ہے۔ ان میں سے بعض سرحدوں کے متعلق اختلاف بھی ہے۔ کُل رقبے کا اندازہ دس لاکھ سے تیرہ لاکھ مربع میل تک کیا گیا ہے۔

جزیرہ نمائے عرب طبعی اور جغرافیائی حیثیت سے بڑی اہمیّت رکھتا ہے۔ اندرونی طور پر یہ ہر چہار جانب سے صحرا اور ریگستان سے گھرا ہوا ہے جس کی بدولت یہ ایسا محفوظ قلعہ بن گیا ہے کہ بیرونی قوموں کے لیے اس پر قبضہ کرنا اور اپنا اثر و نفوذ پھیلانا سخت مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قلب جزیرۃ العرب کے باشندے عہدِ قدیم سے اپنے جملہ معاملات میں مکمل طور پر آزاد و خود مختار نظر آتے ہیں حالانکہ یہ ایسی دو عظیم طاقتوں کے ہمسایہ تھے کہ اگر یہ ٹھوس قدرتی رکاوٹ نہ ہوتی تو ان کے حملے روک لینا باشندگانِ عرب کے بس کی بات نہ تھی۔

بیرونی طور پر جزیرہ نمائے عرب پُرانی دنیا کے تمام معلوم براعظموں کے بیچوں بیچ واقع ہے اور

خشکی اور سمندر دونوں راستوں سے ان کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ اس کا شمال مغربی گوشہ، برّاعظم افریقہ میں داخلے کا دروازہ ہے۔ شمال مشرقی گوشہ یورپ کی کنجی ہے۔ مشرقی گوشہ ایران، وسطِ ایشیا اور مشرقِ بعید کے دروازے کھولتا ہے اور ہندوستان اور چین تک پہنچاتا ہے۔ اسی طرح ہر براعظم سمندر کے راستے بھی جزیرہ نمائے عرب سے جڑا ہوا ہے اور ان کے جہاز عرب بندرگاہوں پر براہِ راست لنگر انداز ہوتے ہیں۔

اس جغرافیائی محلِ وقوع کی وجہ سے جزیرۃ العرب کے شمالی اور جنوبی گوشے مختلف قوموں کی آماجگاہ اور تجارت وثقافت اور فنون و مذاہب کے لین دین کا مرکز رہ چکے ہیں۔

عرب قومیں

مؤرخین نے نسلی اعتبار سے عرب اقوام کی تین قسمیں قرار دی ہیں۔

(۱) عرب بائدہ ——— یعنی وہ قدیم عرب قبائل اور قومیں جو بالکل ناپید ہوگئیں اور ان کے متعلق ضروری تفصیلات بھی دستیاب نہیں۔ مثلاً عاد، ثمود، طَسم، جَدیس، عمالقہ وغیرہ۔

(۲) عرب عاربہ ——— یعنی وہ عرب قبائل جو یعرُب بن یشجب بن قحطان کی نسل سے ہیں۔ انہیں قحطانی عرب کہا جاتا ہے۔

(۳) عربِ مُستعربہ ——— یعنی وہ عرب قبائل جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ انہیں عدنانی عرب کہا جاتا ہے۔

عرب عاربہ، یعنی قحطانی عرب کا اصل گہوارہ ملک یمن تھا۔ یہیں ان کے خاندان اور قبیلے مختلف شاخوں میں پھُوٹے، پھیلے اور بڑھے۔ ان میں سے دو قبیلوں نے بڑی شہرت حاصل کی۔

(الف) حِمیَر ——— جس کی مشہور شاخیں زید الجمہور، قُضاعہ اور سَکاسِک ہیں۔

(ب) کہلان ——— جس کی مشہور شاخیں ہمدان، اَنمار، طَئی، مَذحِج، کِندہ، لَخم، جُذام، اَزد، اَوس، خزرج اور اولادِ جفنہ ہیں، جنہوں نے آگے چل کر ملک شام کے اطراف میں بادشاہت قائم کی اور آلِ غسان کے نام سے مشہور ہوئے۔

عام کہلانی قبائل نے بعد میں یمن چھوڑ دیا اور جزیرۃ العرب کے مختلف اطراف میں پھیل گئے۔ ان کے عمومی ترکِ وطن کا واقعہ سیلِ عرِم سے کسی قدر پہلے اس وقت پیش آیا جب رومیوں نے مصر و شام پر قبضہ کرکے اہلِ یمن کی تجارت کے بحری راستے پر اپنا تسلط جمالیا، اور بری شاہراہ کی سہولیات غارت کرکے اپنا دباؤ اس قدر بڑھا دیا کہ کہلانیوں کی تجارت تباہ ہو کر رہ گئی۔

کچھ عجب نہیں کہ کہلانی اور حمیری خاندانوں میں چشمک بھی رہی ہو اور یہ بھی کہلانیوں کے ترکِ وطن کا ایک مؤثر سبب بنی ہو۔ اس کا اشارہ اس سے بھی ملتا ہے کہ کہلانی قبائل نے تو ترکِ وطن کیا۔ لیکن حمیری قبائل اپنی جگہ برقرار رہے۔

جن کہلانی قبائل نے ترکِ وطن کیا ان کی چار قسمیں کی جاسکتی ہیں۔

۱۔ **اَزْد** —— انہوں نے اپنے سردار عمران بن عمرو مزیقیاء کے مشورے پر ترکِ وطن کیا۔ پہلے تو یہ یمن ہی میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہے اور حالات کا پتا لگانے کے لیے آگے آگے ہراول دستوں کو بھیجتے رہے لیکن آخر کار شمال کا رُخ کیا اور پھر مختلف شاخیں گھومتے گھماتے مختلف جگہ دائمی طور پر سکونت پذیر ہوگئیں۔ اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

ثَعلبہ بن عَمرو اس نے اَوّلاً حجاز کا رُخ کیا اور ثعلبیہ اور ذی قار کے درمیان اقامت اختیار کی۔ جب اس کی اولاد بڑی ہوگئی اور خاندان مضبوط ہوگیا تو مدینہ کی طرف کوچ کیا، اور اسی کو اپنا وطن بنا لیا۔ اسی ثعلبہ کی نسل سے اَوس اور خَزرَج ہیں جو ثعلبہ کے صاحبزادے حارثہ کے بیٹے ہیں۔

حارثہ بن عَمرو یعنی خُزاعہ اور اس کی اولاد یہ لوگ پہلے سرزمین حجاز میں گردش کرتے ہوئے مَرّ الظَّہران میں خیمہ زن ہوئے۔ پھر حرم پر دھاوا بول دیا اور بنو جُرہُم کو نکال کر خود مکہ میں بود و باش اختیار کر لی۔

عِمران بن عَمرو اس نے اور اس کی اولاد نے عمان میں سکونت اختیار کی اسلیے یہ لوگ ازدِ عمان کہلاتے ہیں۔

نصر بن ازد اس سے تعلق رکھنے والے قبائل نے تہامہ میں قیام کیا۔ یہ لوگ اَزدِ شَنُوءَة کہلاتے ہیں۔

جفنہ بن عَمرو اس نے ملک شام کا رُخ کیا۔ اور اپنی اولاد سمیت وہیں متوطن ہوگیا۔ یہی شخص غسّانی بادشاہوں کا جدّ اعلیٰ ہے۔ انہیں آلِ غسّان اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں نے شام منتقل ہونے سے پہلے حجاز میں غسّان نامی ایک چشمے پر کچھ عرصہ قیام کیا تھا۔

۲۔ **لخم وجذام** —— ان ہی لخمیوں میں نصر بن ربیعہ تھا جو حیرہ کے شاہان آلِ مُنذِر کا جدِ اعلیٰ ہے۔

۳۔ **بنو طَیّ** —— اس قبیلے نے بنو اَزد کے ترکِ وطن کے بعد شمال کا رخ کیا اور اجا اور سلمیٰ نامی دو پہاڑیوں کے اطراف میں مستقل طور پر سکونت پذیر ہوگیا، یہانتک کہ یہ دونوں پہاڑیاں قبیلہ طی کی نسبت سے مشہور ہوگئیں۔

۴۔ **کِندہ** —— یہ لوگ پہلے بحرین —— موجودہ اَلاَحْساء —— میں خیمہ زن ہوئے لیکن مجبوراً وہاں

سے دلشکش ہوکر حضرموت گئے۔ مگر وہاں بھی امان نہ ملی اور آخر کار نجد میں ڈیرے ڈالنے پڑے۔ یہاں ان لوگوں نے ایک عظیم الشان حکومت کی داغ بیل ڈالی۔ مگر یہ حکومت پائیدار نہ ثابت ہوئی اور اس کے آثار جلد ہی ناپید ہوگئے۔

کہلان کے علاوہ حمیر کا بھی صرف ایک قبیلہ قضاعہ ایسا ہے — اور اسکا حمیری ہونا بھی مختلف فیہ ہے — جس نے یمن سے ترکِ وطن کر کے حدودِ عراق میں بادیۃ السماوہ کے اندر بود و باش اختیار کی[1]

عرب مستعربہ

ان کے جدِ اعلیٰ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اصلاً عراق کے ایک شہر اُور کے باشندے تھے۔ یہ شہر دریائے فرات کے مغربی ساحل پر کوفے کے قریب واقع تھا۔ اس کی کھدائی کے دوران جو کتبات برآمد ہوئے ہیں ان سے اس شہر کے متعلق بہت سی تفصیلات منظر عام پہ آئی ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان کی بعض تفصیلات اور باشندگانِ ملک کے دینی اور اجتماعی حالات سے بھی پردہ ہٹا ہے۔

یہ معلوم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہاں سے ہجرت کر کے شہر حرّان تشریف لے گئے تھے اور پھر وہاں سے فلسطین جا کر اسی ملک کو اپنی پیغمبرانہ سرگرمیوں کا مرکز بنا لیا تھا اور دعوت و تبلیغ کے لیے یہیں سے اندرون و بیرون ملک مصروفِ تگ و تاز رہا کرتے تھے۔ ایک بار آپ مصر تشریف لے گئے۔ فرعون نے آپ کی بیوی حضرت سارہؑ کی کیفیت سنی تو ان کے بارے میں بدنیت ہوگیا اور اپنے دربار میں بُرے ارادے سے بلایا لیکن اللہ نے حضرت سارہؑ کی دعا کے نتیجے میں غیبی طور پر فرعون کی ایسی گرفت کی کہ وہ ہاتھ پاؤں مارنے اور پھینکنے لگا۔ اس کی نیت بد اس کے منہ پر مار دی گئی اور وہ حادثے کی نوعیت سے سمجھ گیا کہ حضرت سارہؑ اللہ تعالیٰ کی نہایت خاص اور مقرب بندی ہیں اور وہ حضرت سارہؑ کی اس خصوصیت سے اس قدر متاثر ہوا کہ اپنی بیٹی[2] ہاجرہؑ کو ان کی خدمت میں دے دیا۔ پھر حضرت سارہؑ نے حضرت ہاجرہؑ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجیت میں دے دیا۔[3]

---

[1] ان قبائل کی اور ان کے ترک وطن کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو۔ محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ للخضری ۱/۱۱-۱۳ قلب جزیرۃ العرب ص ۲۳۱-۲۳۵۔ ترک وطن کے ان واقعات کے زمانہ اور اسباب کے تعین میں تاریخی مآخذ کے درمیان بڑا سخت اختلاف ہے۔ ہم نے مختلف پہلوؤں پہ غور کر کے جو بات راجح محسوس کی اسے درج کر دیا ہے۔

[2] مشہور ہے کہ حضرت ہاجرہؑ لونڈی تھیں لیکن علامہ منصور پوری نے مفصل تحقیق کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ لونڈی نہیں بلکہ آزاد تھیں اور فرعون کی بیٹی تھیں۔ دیکھئے رحمۃ للعالمین ۲/۳۶-۳۷۔

[3] ایضاً ۲/۳۴ واقعے کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو صحیح بخاری ۱/۴۸۴ ؛

حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت سارہؑ اور حضرت ہاجرہ کو ہمراہ لے کر فلسطین واپس تشریف لائے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہاجرہ علیہا السلام کے بطن سے ایک فرزند ارجمند — اسماعیلؑ — عطا فرمایا لیکن اس پر حضرت سارہؑ کو جو بے اولاد تھیں بڑی غیرت آئی اور انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مجبور کیا کہ حضرت ہاجرہؑ کو ان کے نوزائیدہ بچے سمیت جلا وطن کر دیں۔ حالات نے ایسا رخ اختیار کیا کہ انہیں حضرت سارہؑ کی بات ماننی پڑی اور وہ حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو ہمراہ لے کر حجاز تشریف لے گئے اور وہاں ایک بے آب وگیاہ وادی میں بیت اللہ شریف کے قریب ٹھہرا دیا۔ اُس وقت بیت اللہ شریف نہ تھا۔ صرف ٹیلے کی طرح اُبھری ہوئی زمین تھی۔ سیلاب آتا تھا تو دائیں بائیں سے کترا کر نکل جاتا تھا۔ وہیں مسجد حرام کے بالائی حصّے میں زَمزَم کے پاس ایک بہت بڑا درخت تھا۔ آپ نے اسی درخت کے پاس حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو چھوڑا تھا۔ اس وقت مکّہ میں نہ پانی تھا نہ آدم اور آدم زاد۔ اس لیے حضرت ابراہیمؑ نے ایک توشہ دان میں کھجور اور ایک مشکیزے میں پانی رکھ دیا۔ اس کے بعد فلسطین واپس چلے گئے۔ لیکن چند ہی دن میں کھجور اور پانی ختم ہوگیا اور سخت مشکل پیش آئی مگر اس مشکل وقت پر اللہ کے فضل سے زَمزَم کا چشمہ پھوٹ پڑا اور ایک عرصہ تک کے لیے سامانِ رزق اور متاعِ حیات بن گیا۔ تفصیلات معلوم ومعروف ہیں[۴]

کچھ عرصے بعد یمن سے ایک قبیلہ آیا جسے تاریخ میں جُرہم ثانی کہا جاتا ہے۔ یہ قبیلہ اسماعیل علیہ السلام کی ماں سے اجازت لے کر مکّہ میں ٹھہر گیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ قبیلہ پہلے مکّہ کے گردوپیش کی وادیوں میں سکونت پذیر تھا۔ صحیح بخاری میں اتنی صراحت موجود ہے کہ (رہائش کی غرض سے) یہ لوگ مکّہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی آمد کے بعد اور ان کے جوان ہونے سے پہلے وارد ہوئے تھے۔ لیکن اس وادی سے ان کا گذر اس سے پہلے بھی ہُوا کرتا تھا[۵]

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے متروکات کی نگہداشت کے لیے وقتاً فوقتاً مکّہ تشریف لایا کرتے تھے۔ لیکن یہ معلوم نہ ہوسکا کہ اس طرح ان کی آمد کتنی بار ہوئی۔ البتہ تاریخی مآخذ میں چار بار ان کی آمد کی تفصیل محفوظ ہے جو یہ ہے۔

۱۔ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دکھلایا

---

[۴] ملاحظہ ہو صحیح بخاری، کتاب الانبیاء ۱/۴۷۴، ۴۷۵ [۵] صحیح بخاری ۱/۴۷۵

کہ وہ اپنے صاحبزادے (حضرت اسماعیل علیہ السلام) کو ذبح کر رہے ہیں۔ یہ خواب ایک طرح کا حکمِ الٰہی تھا اور باپ بیٹے دونوں اس حکمِ الٰہی کی تعمیل کے لیے تیار ہوگئے۔ اور جب دونوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا تو اللہ نے پکارا "اے ابراہیم! تم نے خواب کو سچ کر دکھایا۔ ہم نیکوکاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک کھلی ہوئی آزمائش تھی اور اللہ نے انہیں فدیے میں ایک عظیم ذبیحہ عطا فرمایا[۱]"

مجموعہ بائیبل کی کتاب پیدائش میں مذکور ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام سے تیرہ سال بڑے تھے اور قرآن کا سیاق بتلاتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے پیش آیا تھا۔ کیونکہ پورا واقعہ بیان کر چکنے کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت کا ذکر ہے۔

اس واقعے سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے جوان ہونے سے پہلے کم از کم ایک بار حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کا سفر ضرور کیا تھا۔ بقیہ تین سفروں کی تفصیل صحیح بخاری کی ایک طویل روایت میں ہے جو ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے[۲]۔ اس کا خلاصہ یہ ہے!

۲۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام جب جوان ہوگئے۔ جُرہُم سے عربی سیکھ لی اور ان کی نگاہوں میں جچنے لگے تو ان لوگوں نے اپنے خاندان کی ایک خاتون سے آپؑ کی شادی کر دی۔ اسی دوران حضرت ہاجرہؑ کا انتقال ہوگیا۔ ادھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خیال ہوا کہ اپنا ترکہ دیکھنا چاہیئے۔ چنانچہ وہ مکہ تشریف لے گئے۔ لیکن حضرت اسماعیلؑ سے ملاقات نہ ہوئی۔ بہو سے حالات دریافت کئے۔ اس نے تنگ دستی کی شکایت کی۔ آپؑ نے وصیت کی کہ اسماعیل علیہ السلام آئیں تو کہنا اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل دیں۔ اس وصیت کا مطلب حضرت اسماعیل علیہ السلام سمجھ گئے۔ بیوی کو طلاق دے دی اور ایک دوسری عورت سے شادی کر لی جو جرہم کے سردار مضاض بن عمرو کی صاحبزادی تھی[۳]۔

۳۔ اس دوسری شادی کے بعد ایک بار پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام مکہ تشریف لے گئے مگر اس دفعہ بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ملاقات نہ ہوئی۔ بہو سے احوال دریافت کئے تو اس نے اللہ کی حمد و ثناء کی۔ آپ نے وصیت کی کہ اسماعیل علیہ السلام اپنے دروازے کی چوکھٹ برقرار رکھیں اور فلسطین واپس ہوگئے۔

---

[۱] سورہ صافات: ۱۰۳-۱۰۷ (فلما اسلما... بذبح عظیم) [۲] صحیح بخاری ۱/ ۴۷۵-۴۷۶ [۳] قلب جزیرۃ العرب ص ۲۳۰

۴۔ اس کے بعد پھر تشریف لائے تو اسماعیل علیہ السلام زمزم کے قریب درخت کے نیچے تیر گھڑ رہے تھے۔ دیکھتے ہی لپک پڑے اور وہی کیا جو ایسے موقع پر ایک باپ اپنے بیٹے کے ساتھ اور بیٹا باپ کے ساتھ کرتا ہے۔ یہ ملاقات اتنے طویل عرصے کے بعد ہوئی تھی کہ ایک نرم دل اور شفیق باپ اپنے بیٹے سے اور ایک اطاعت شعار بیٹا اپنے باپ سے بمشکل ہی اتنی لمبی جدائی برداشت کرسکتا ہے۔ اسی دفعہ دونوں نے مل کر خانۂ کعبہ تعمیر کیا۔ بنیاد کھود کر دیواریں اٹھائیں اور ابراہیم علیہ السلام نے ساری دنیا کے لوگوں کو حج کے لیے آواز دی۔

اللہ تعالیٰ نے مضاض کی صاحبزادی سے اسماعیل علیہ السلام کو بارہ بیٹے عطا فرمائے[۹] جن کے نام یہ ہیں۔ نابت یا نبایوط، قیدار، ادبائیل، مبشام، مشماع، دوما، میشا، حدد، تیما، یطور، نفیس، قیدمان

ان بارہ بیٹوں سے بارہ قبیلے وجود میں آئے اور سب نے مکہ ہی میں بود و باش اختیار کی۔ ان کی معیشت کا دار و مدار زیادہ تر یمن اور مصر و شام کی تجارت پر تھا۔ بعد میں یہ قبائل جزیرۃ العرب کے مختلف اطراف میں — بلکہ بیرونِ عرب بھی — پھیل گئے اور ان کے حالات، زمانے کی دبیز تاریکیوں میں دب کر رہ گئے۔ صرف نابت اور قیدار کی اولاد اس گمنامی سے مستثنیٰ ہیں۔

نبطیوں کے تمدّن کو شمالی حجاز میں فروغ اور عروج حاصل ہوا۔ انہوں نے ایک طاقتور حکومت قائم کرکے گرد و پیش کے لوگوں کو اپنا باجگذار بنا لیا۔ بطراء ان کا دارالحکومت تھا۔ کسی کو ان کے مقابلے کی تاب نہ تھی۔ پھر رومیوں کا دور آیا اور انہوں نے نبطیوں کو قصۂ پارینہ بنا دیا۔ مولانا سیّد سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے ایک دلچسپ بحث اور گہری تحقیق کے بعد ثابت کیا ہے کہ آلِ غسان اور انصار یعنی اَوس و خزرج قحطانی عرب نہ تھے۔ بلکہ اس علاقے میں نابت بن اسمٰعیل (علیہ السلام) کی جو نسل بچی کھچی رہ گئی تھی وہی تھے[۱۰]۔

قیدار بن اسماعیل علیہ السلام کی نسل مکہ ہی میں پھلتی پھولتی رہی یہاں تک کہ عدنان اور پھر ان کے بیٹے معدّ کا زمانہ آگیا۔ عدنانی عرب کا سلسلۂ نسب صحیح طور پر یہیں تک محفوظ ہے۔

عدنان، نبی ﷺ کے سلسلۂ نسب میں اکیسویں پشت پر پڑتے ہیں۔ بعض روایتوں میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ جب اپنا سلسلۂ نسب ذکر فرماتے تو عدنان پر پہنچ کر رک جاتے اور آگے نہ بڑھتے۔ فرماتے کہ ماہرینِ انساب غلط کہتے ہیں[۱۱] مگر علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ عدنان سے

---

۹ ایضاً ایضاً۔ ۱۰ دیکھئے تاریخ ارض القرآن ۲/ ۷۸ - ۸۶

۱۱ طبری: تاریخ الامم والملوک ۲/ ۱۹۱ - ۱۹۴، الاعلام ۵/ ۶

آگے بھی نسب بیان کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ان کی تحقیق کے مطابق عدنان اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان چالیس پشتیں ہیں۔

بہرحال مُعَدّ کے بیٹے نزار سے ـــــ جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کے علاوہ مُعَدّ کی کوئی اولاد نہ تھی ـــــ کئی خاندان وجود میں آئے۔ درحقیقت نزار کے چار بیٹے تھے اور ہر بیٹا ایک بڑے قبیلے کی بنیاد ثابت ہوا۔ چاروں کے نام یہ ہیں۔ اِیاد، اَنمار، ربیعہ اور مُضَر۔ ان میں سے مؤخر الذکر دو قبیلوں کی شاخیں اور شاخوں کی شاخیں بہت زیادہ ہوئیں۔ چنانچہ رَبیعہ سے اَسَد بن ربیعہ، عنزہ، عبدالقیس، وائل، بکر، تغلب اور بنو حَنیفہ وغیرہ وجود میں آئے۔

مُضَر کی اولاد دو بڑے قبیلوں میں تقسیم ہوئی۔

۱- قیس عیلان بن مضر۔ ۲- الیاس بن مضر۔

قیس عیلان سے بنو سُلَیم، بنو ہَوازِن، بنو غطفان، غطفان سے عَبس، ذُبیان ـــــ اَشجَع اور غنی بن اَعصُر کے قبائل وجود میں آئے۔

الیاس بن مضر سے تمیم بن مرہ، ہُذَیل بن مدرکہ، بنو اسد بن خُزَیمہ اور کنانہ بن خُزَیمہ کے قبائل وجود میں آئے۔ پھر کنانہ سے قُرَیش کا قبیلہ وجود میں آیا۔ یہ قبیلہ فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ کی اولاد ہے۔

پھر قریش بھی مختلف شاخوں میں تقسیم ہوئے۔ مشہور قُرَیشی شاخوں کے نام یہ ہیں۔ جُمَح، سَہم، عَدِی، مخزوم، تَیم، زُہرہ اور قُصَیّ بن کلاب کے خاندان۔ یعنی عبدالدار، اسد بن عبد العزیٰ اور عبدِ مناف۔ یہ تینوں قُصَیّ کے بیٹے تھے۔ ان میں سے عبدِ مناف کے چار بیٹے ہوئے، جن سے چار ذیلی قبیلے وجود میں آئے۔ یعنی عبدِ شمس، نوفل، مُطّلب اور ہاشم۔ انہیں ہاشم کی نسل سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضور محمد ﷺ کا انتخاب فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے اسماعیل علیہ السلام کا انتخاب فرمایا پھر اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو منتخب کیا اور کنانہ کی نسل سے قریش کو چنا پھر قریش میں سے بنو ہاشم کا انتخاب کیا اور بنو ہاشم میں سے میرا انتخاب کیا۔[۱۳]

ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے خلق کی تخلیق فرمائی تو مجھے سب سے اچھے گروہ میں بنایا' پھر ان کے بھی دو گروہوں میں سے زیادہ اچھے گروہ کے اندر رکھا' پھر قبائل کو چنا تو مجھے سب سے اچھے قبیلے کے اندر بنایا' پھر گھرانوں کو چُنا مجھے سب سے اچھے

---

۱۲ محاضرات خضری ۱/ ۱۴، ۱۵ ۱۳ صحیح مسلم ۲/ ۲۴۵، جامع ترمذی ۲/ ۲۰۱

گھرانے میں بنایا، لہذا میں اپنی ذات کے اعتبار سے بھی سب سے اچھا ہوں، اور اپنے گھرانے کے اعتبار سے بھی سب سے بہتر ہوں" [۱۴]

بہر حال عدنان کی نسل جب زیادہ بڑھ گئی تو وہ چارے پانی کی تلاش میں عرب کے مختلف اطراف میں بکھر گئی چنانچہ قبیلہ عبدالقیس نے، بکر بن وائل کی کئی شاخوں نے اور بنو تمیم کے خاندانوں نے بحرین کا رُخ کیا اور اسی علاقے میں جا بسے۔

بنو حنیفہ بن صعب بن علی بن بکر نے یمامہ کا رُخ کیا اور اس کے مرکز حجر میں سکونت پذیر ہو گئے۔

بکر بن وائل کی بقیہ شاخوں نے، یمامہ سے لے کر بحرین، ساحل کاظمہ، خلیج، سوادِ عراق، اُبُلّہ اور ہیت تک کے علاقوں میں بود و باش اختیار کی۔

بنو تغلب جزیرہ فراتیہ میں اقامت گزیں ہوئے۔ البتہ ان کی بعض شاخوں نے بنو بکر کے ساتھ سکونت اختیار کی۔

بنو تمیم نے بادیہ بصرہ کو اپنا وطن بنایا۔

بنو سُلَیم نے مدینہ کے قریب ڈیرے ڈالے۔ ان کا مسکن وادی القری سے شروع ہو کر خیبر اور مدینہ کے مشرق سے گذرتا ہوا حرہ بنو سُلَیم سے متصل دو پہاڑوں تک منتہی ہوتا تھا۔

بنو ثقیف نے طائف کو وطن بنا لیا اور بنو ہوازن نے مکہ کے مشرق میں وادی اوطاس کے گرد و پیش ڈیرے ڈالے۔ ان کا مسکن مکہ۔ بصرہ شاہراہ پر واقع تھا۔

بنو اسد تیماء کے مشرق اور کوفہ کے مغرب میں خیمہ زن ہوئے۔ ان کے اور تیماء کے درمیان بنو طی کا ایک خاندان بحتر آباد تھا۔ بنو اسد کی آبادی اور کوفے کے درمیان پانچ دن کی مسافت تھی۔

بنو ذُبیان تیماء کے قریب حَوران کے اطراف میں آباد ہوئے۔

تہامہ میں بنو کنانہ کے خاندان رہ گئے تھے۔ ان میں سے قریشی خاندانوں کی بود و باش مکہ اور اس کے اطراف میں تھی۔ یہ لوگ پراگندہ تھے، ان کی کوئی شیرازہ بندی نہ تھی تا آنکہ قُصَیّ بن کلاب ابھر کر منظر عام پر آیا اور قریشیوں کو متحد کر کے شرف و عزت اور بلندی و وقار سے بہرہ ور کیا۔ [۱۵]

○

---

[۱۴] ترمذی ۲/۲۰۱ [۱۵] محاضرات خضری ۱/۱۵، ۱۶

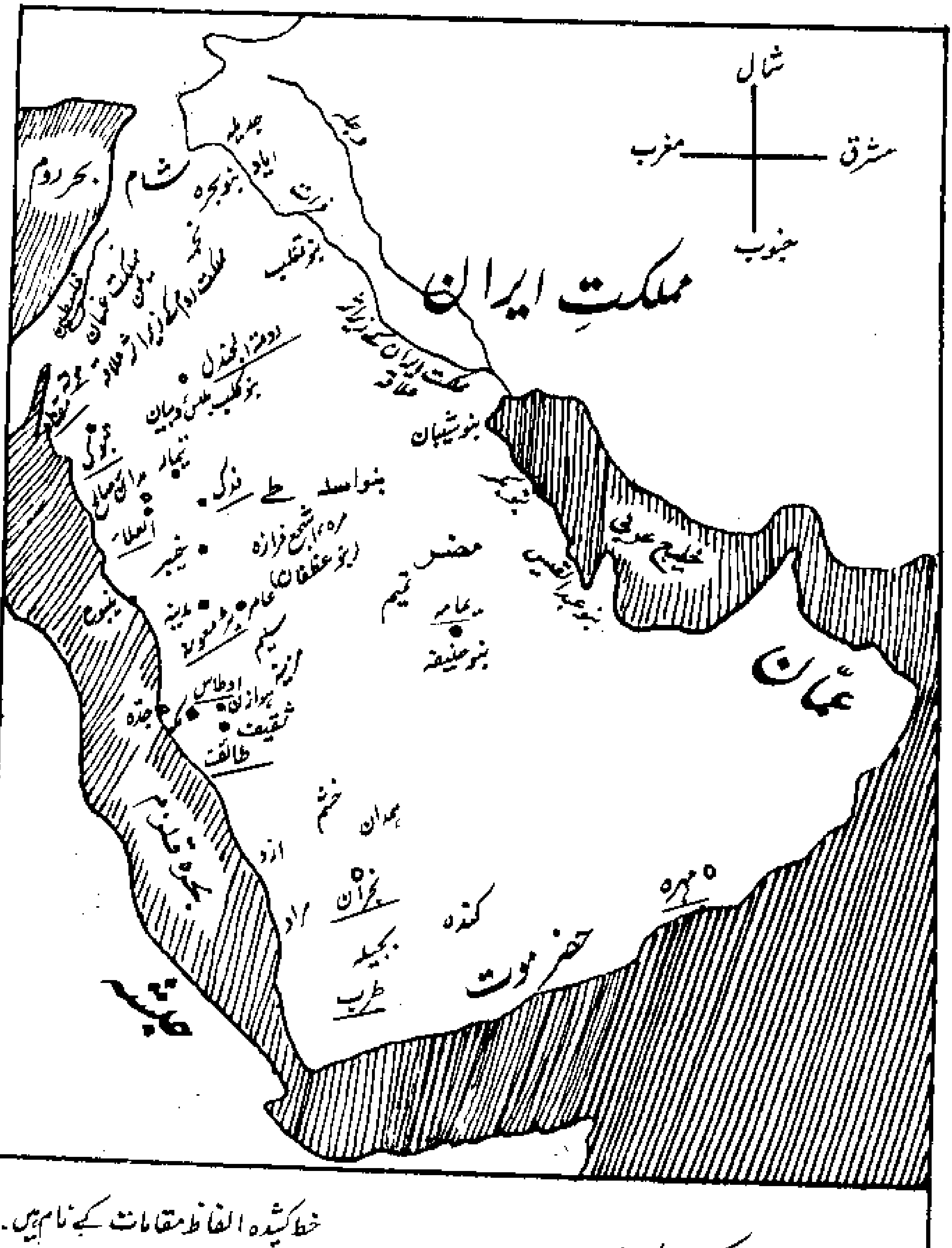

خط کشیدہ الفاظ مقامات کے نام ہیں۔
باقی قبائل کے نام ہیں۔

ابتدائے نبوت کے زمانے کا عرب

عرب — حکومتیں اور سرداریاں

اسلام سے پہلے عرب کے جو حالات تھے ان پر گفتگو کرتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کی حکومتوں سرداریوں اور مذاہب و اَدْیان کا بھی ایک مختصر سا خاکہ پیش کر دیا جائے تاکہ ظہورِ اسلام کے وقت جو پوزیشن تھی وہ بآسانی سمجھ میں آسکے۔

جس وقت جزیرۃ العرب پر خورشیدِ اسلام کی تابناک شعاعیں ضَوْ فگن ہوئیں وہاں دو قسم کے حکمران تھے۔ ایک تاج پوش بادشاہ جو درحقیقت مکمل طور پر آزاد و خود مختار نہ تھے اور دوسرے قبائلی سردار جنہیں اختیارات و امتیازات کے اعتبار سے وہی حیثیت حاصل تھی جو تاج پوش بادشاہوں کی تھی لیکن ان کی اکثریت کو ایک مزید امتیاز یہ بھی حاصل تھا کہ وہ پورے طور پر آزاد و خود مختار تھے۔ تاجپوش حکمران یہ تھے، شاہانِ یمن، شاہانِ آلِ غسّان (شام) اور شاہانِ حیرہ (عراق) بقیہ عرب حکمران تاجپوش نہ تھے۔

یمن کی بادشاہی

عرب عاربہ میں سے جو قدیم ترین یمانی قوم معلوم ہو سکی وہ قوم سَبا ہے۔ اُوْر (عراق) سے جو کتبات برآمد ہوئے ہیں ان میں ڈھائی ہزار سال قبلِ مسیح اس قوم کا ذکر ملتا ہے لیکن اس کے عروج کا زمانہ گیارہ صدی قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے۔ اس کی تاریخ کے اہم اَدْوار یہ ہیں:

۱۔ سنہ ۶۵۰ ق م سے پہلے کا دَوْر — اس دَوْر میں شاہانِ سَبا کا لقب مکرب سبا تھا۔ ان کا پایۂ تخت صرواح تھا جس کے کھنڈر آج بھی مآرب کے مغرب میں ایک دن کی راہ پر پائے جاتے ہیں اور خریبہ کے نام سے مشہور ہیں۔ اسی دَوْر میں مآرب کے مشہور بند کی بنیاد رکھی گئی جسے یمن کی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس دور میں سلطنتِ سبا کو اس قدر عروج حاصل ہوا کہ انہوں نے عرب کے اندر اور عرب سے باہر جگہ جگہ اپنی نو آبادیاں قائم کر لی تھیں۔

۲۔ سنہ ۶۵۰ ق م سے سنہ ۱۱۵ ق م تک کا دَوْر — اس دَوْر میں سَبا کے بادشاہوں نے مکرب کا لفظ چھوڑ کر ملک (بادشاہ) کا لقب اختیار کر لیا اور صرواح کے بجائے مآرب کو اپنا دارالسّلطنت بنایا۔

اس شہر کے کھنڈر آج بھی صنعاء کے ۶۰ میل مشرق میں پائے جاتے ہیں۔

۳۔ سنہ ۱۱۵ ق م سے سنہ ۳۰۰ء تک کا دَور —— اس دَور میں سبا کی مملکت پر قبیلہ حِمْیَر کو غلبہ حاصل رہا اور اس نے مآرب کے بجائے رَیدان کو اپنا پایۂ تخت بنایا۔ پھر ریدان کا نام ظفار پڑ گیا جس کے کھنڈرات آج بھی شہر "یریم" کے قریب ایک مُدَوَّر پہاڑی پر پائے جاتے ہیں۔

یہی دور ہے جس میں قوم سبا کا زوال شروع ہوا۔ پہلے نبطیوں نے شمالی حجاز پر اپنا اقتدار قائم کر کے سبا کو ان کی نوآبادیوں سے نکال باہر کیا پھر رومیوں نے مصر و شام اور شمالی حجاز پر قبضہ کر کے ان کی تجارت کے بحری راستے کو مخدوش کر دیا اور اس طرح انکی تجارت رفتہ رفتہ تباہ ہوگئی۔ ادھر قحطانی قبائل خود بھی باہم دست و گریباں تھے۔ ان حالات کا نتیجہ یہ ہوا کہ قحطانی قبائل اپنا وطن چھوڑ چھوڑ کر ادھر اُدھر پراگندہ ہو گئے۔

۴۔ سنہ ۳۰۰ء کے بعد سے آغاز اسلام تک کا دَور —— اس دور میں یمن کے اندر مسلسل اضطراب و انتشار برپا رہا۔ انقلابات آئے، خانہ جنگیاں ہوئیں اور بیرونی قوموں کو مداخلت کے مواقع ہاتھ آئے حتیٰ کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ یمن کی آزادی سلب ہوگئی۔ چنانچہ یہی دَور ہے جس میں رومیوں نے عدن پر فوجی تسلّط قائم کیا اور ان کی مدد سے حبشیوں نے حمیر و ہمدان کی باہمی کشاکش کا فائدہ اٹھاتے ہوئے سنہ ۳۴۰ء میں پہلی بار یمن پر قبضہ کیا جو سنہ ۳۷۸ء تک برقرار رہا۔ اس کے بعد یمن کی آزادی تو بحال ہوگئی مگر "مآرب" کے مشہور بند میں رخنے پڑنا شروع ہو گئے یہاں تک کہ بالآخر سنہ ۴۵۰ء یا ۴۵۱ء میں بند ٹوٹ گیا اور وہ عظیم سیلاب آیا جس کا ذکر قرآن مجید (سورہ سبا) میں سَیْلِ عَرِمْ کے نام سے کیا گیا ہے۔ یہ بڑا زبردست حادثہ تھا۔ اس کے نتیجے میں بستیوں کی بستیاں ویران ہوگئیں اور بہت سے قبائل اِدھر اُدھر بکھر گئے۔

پھر سنہ ۵۲۳ء میں ایک اور سنگین حادثہ پیش آیا یعنی یمن کے یہودی بادشاہ ذونواس نے نجران کے عیسائیوں پر ایک ہیبت ناک حملہ کر کے انہیں عیسائی مذہب چھوڑنے پہ مجبور کرنا چاہا اور جب وہ اس پہ آمادہ نہ ہوئے تو ذونواس نے خندقیں کھُدوا کر انہیں بھڑکتی ہوئی آگ کے الاؤ میں جھونک دیا۔ قرآنِ مجید نے سورۂ بروج کی آیات قُتِلَ اَصْحَابُ الْاُخْدُوْدِ الخ میں اسی لرزہ خیز واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس واقعے کا نتیجہ یہ ہُوا کہ عیسائیت، جو رومی بادشاہوں کی قیادت میں بلادِ عرب کی فتوحات اور توسیع پسندی کے لیے پہلے ہی سے چست و چابکدست تھی، انتقام لینے پر تُل گئی اور حبشیوں کو یمن پہ حملے کی ترغیب دیتے ہوئے انہیں بحری بیڑہ مہیّا کیا۔ حبشیوں نے رومیوں کی شہ

پاکر ۵۲۵ء میں اریاط کی زیرِ قیادت ستّر ہزار فوج سے یمن پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ قبضہ کے بعد ابتداءً تو شاہ حبش کے گورنر کی حیثیت سے اریاط نے یمن پر حکمرانی کی لیکن پھر اس کی فوج کے ایک ماتحت کمانڈر ـــ اَبرَہَہ ـــ نے اسے قتل کر کے خود اقتدار پر قبضہ کر لیا اور شاہ حبش کو بھی اپنے اس تصرّف پر راضی کر لیا۔

یہ وہی اَبرَہَہ ہے جس نے بعد میں خانۂ کعبہ کو ڈھانے کی کوشش کی اور ایک لشکرِ جرّار کے علاوہ چند ہاتھیوں کو بھی فوج کشی کیلیے ساتھ لایا جس کی وجہ سے یہ لشکر اصحابِ فیل کے نام سے مشہور ہو گیا۔

اِدھر واقعۂ فیل میں حبشیوں کی جو تباہی ہوئی اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اہلِ یمن نے حکومتِ فارس سے مدد مانگی اور حبشیوں کے خلاف عَلَمِ بغاوت بلند کر کے سیف ذِی یَزَن حمیری کے بیٹے معدیکرب کی قیادت میں حبشیوں کو مُلک سے نکال باہر کیا اور ایک آزاد و خود مختار قوم کی حیثیت سے مَعدِیکَرِب کو اپنا بادشاہ منتخب کر لیا۔ یہ ۵۷۵ء کا واقعہ ہے۔

آزادی کے بعد معدیکرب نے کچھ حبشیوں کو اپنی خدمت اور شاہی جلو کی زینت کے لیے روک لیا لیکن یہ شوق مہنگا ثابت ہوا۔ ان حبشیوں نے ایک روز مَعدِیکَرِب کو دھوکے سے قتل کر کے ذِی یَزَن کے خاندان سے حکمرانی کا چراغ ہمیشہ کے لیے گُل کر دیا۔ ادھر کسریٰ نے اس صُورتِ حال کا فائدہ اُٹھاتے ہُوئے صَنعَاء پر ایک فارسی النّسل گورنر مقرر کر کے یمن کو فارس کا ایک صُوبہ بنا لیا۔ اس کے بعد یمن پر یکے بعد دیگرے فارسی گورنروں کا تقرر ہوتا رہا یہاں تک کہ آخری گورنر بَاذَان نے ۶۲۸ء میں اسلام قبُول کر لیا اور اس کے ساتھ ہی یمن فارسی اقتدار سے آزاد ہو کر اسلام کی عملداری میں آگیا۔[1]

حیرہ کی بادشاہی عراق اور اس کے نواحی علاقوں پر کورش کبیر (خورس یا سائرس ذوالقرنین ۵۵۷ق م ـــ ۵۲۹ق م) کے زمانے ہی سے اہلِ فارس کی حکمرانی چلی آرہی تھی۔ کوئی نہ تھا جو ان کے مدِ مقابل آنے کی جرأت کرتا یہاں تک کہ ۳۲۶ ق م میں سکندرِ مقدُونی نے دارا اوّل کو شکست دے کر فارسیوں کی طاقت توڑ دی جس کے نتیجے میں ان کا ملک ٹکڑے ٹکڑے

---

[1] مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے تاریخ ارض القرآن جلد اول میں صفحہ ۱۳۳ سے خاتمۂ کتاب تک مختلف تاریخی شواہد کی روشنی میں قوم سبا کے حالات بڑی بسط و تفصیل سے رقم فرمائے ہیں۔ مولانا مودودی نے تفہیم القرآن ۴/۱۹۵ - ۱۹۸ میں کچھ تفصیلات جمع کی ہیں لیکن تاریخی مآخذ میں سنین وغیرہ کے سلسلے میں بڑے اختلافات ہیں حتیٰ کہ بعض محققین نے ان تفصیلات کو "پہلوں کا افسانہ" قرار دیا ہے۔

ہو گیا اور طوائف الملوکی شروع ہو گئی۔ یہ انتشار سنہ ۲۲۳ء تک جاری رہا اور اسی دوران قحطانی قبائل نے ترکِ وطن کر کے عراق کے ایک بہت بڑے شاداب سرحدی علاقے پر بود و باش اختیار کی۔ پھر عدنانی تارکینِ وطن کا ریلا آیا اور اُنہوں نے لڑ بھڑ کر جزیرہ فراتیہ کے ایک حصّے کو اپنا مسکن بنا لیا۔ ادھر سنہ ۲۲۶ء میں اَرْدشیر نے جب ساسانی حکومت کی داغ بیل ڈالی تو رفتہ رفتہ فارسیوں کی طاقت ایک بار پھر پلٹ آئی۔ اردشیر نے فارسیوں کی شیرازہ بندی کی اور اپنے ملک کی سرحد پر آباد عربوں کو زیر کیا۔ اسی کے نتیجے میں قضاعہ نے ملک شام کی راہ لی، جبکہ حِیرہ اور انبار کے عرب باشندوں نے باجگذار بننا گوارا کیا۔

اَرْدشیر کے عہد میں حیرہ، بادیۃ العراق اور جزیرہ کے ربیعی اور مُضری قبائل پر جذیمۃ الوضاح کی حکمرانی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اَرْدشیر نے محسوس کر لیا تھا کہ عرب باشندوں پر براہِ راست حکومت کرنا اور انہیں سرحد پر لوٹ مار سے باز رکھنا ممکن نہیں بلکہ اس کی صرف ایک ہی صُورت ہے کہ خود کسی ایسے عرب کو ان کا حکمران بنا دیا جائے جسے اپنے کنبے قبیلے کی حمایت و تائید حاصل ہو۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہو گا کہ بوقتِ ضرورت رومیوں کے خلاف ان سے مدد لی جا سکے گی اور شام کے روم نواز عرب حکمرانوں کے مقابل عراق کے ان عرب حکمرانوں کو کھڑا کیا جا سکے گا۔

شاہانِ حیرہ کے پاس فارسی فوج کی ایک یونٹ ہمیشہ رہا کرتی تھی جس سے بادیہ نشین عرب باغیوں کی سرکوبی کا کام لیا جاتا تھا۔

سنہ ۲۶۸ء کے عرصے میں جذیمہ فوت ہو گیا اور عَمرو بن عَدی بن نصر لخمی اس کا جانشین ہُوا۔ یہ قبیلہ لخم کا پہلا حکمران تھا اور شاپور اردشیر کا ہمعصر تھا۔ اس کے بعد قباذ بن فیروز کے عہد تک حیرہ پر لخمیوں کی مسلسل حکمرانی رہی۔ قباذ کے عہد میں مُزدَک کا ظہور ہوا جو اباحیت کا علمبردار تھا۔ قباذ اور اس کی بہت سی رعایا نے مُزدَک کی ہمنوائی کی۔ پھر قباذ نے حیرہ کے بادشاہ منذر بن ماء السماء کو پیغام بھیجا کہ تم بھی یہی مذہب اختیار کر لو۔ منذر بڑا غیرت مند تھا انکار کر بیٹھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قباذ نے اسے معزول کر کے اس کی جگہ مُزدکی کی دعوت کے ایک پیروکار حارث بن عمرو بن حجر کِندی کو حِیرہ کی حکمرانی سونپ دی۔

قباذ کے بعد فارس کی باگ ڈور کسریٰ نوشیرواں کے ہاتھ آئی۔ اسے اس مذہب سے سخت نفرت تھی۔ اس نے مُزدَک اور اس کے ہمنواؤں کی ایک بڑی تعداد کو قتل کروا دیا۔ منذر کو دوبارہ حیرہ کا حکمران بنا دیا اور حارث بن عَمرو کو اپنے ہاں بلا بھیجا لیکن وہ بنو کلب کے علاقے میں بھاگ گیا اور وہیں اپنی زندگی گذار دی۔

مُنذر بن ماء السماء کے بعد نعُمان بن مُنذر کے عہد تک حیرہ کی حکمرانی اسی کی نسل میں چلتی رہی، پھر زید بن عدی عبادی نے کسریٰ سے نعمان بن منذر کی جھوٹی شکایت کی۔ کسریٰ بھڑک اٹھا اور نعمان کو اپنے پاس طلب کیا۔ نعمان چپکے سے بنُو شَیبان کے سردار ہانی بن مسعود کے پاس پہنچا اور اپنے اہل وعیال اور مال و دولت کو اس کی امانت میں دے کر کسریٰ کے پاس گیا۔ کسریٰ نے اسے قید کر دیا اور وہ قید ہی میں فوت ہو گیا۔

ادھر کسریٰ نے نعمان کو قید کرنے کے بعد اس کی جگہ اِیاس بن قَبِیصہ طائی کو حیرہ کا حکمران بنایا اور اسے حکم دیا کہ ہانی بن مسعود سے نعمان کی امانت طلب کرے۔ ہانی غیرت مند تھا اس نے صرف انکار ہی نہیں کیا۔ بلکہ اعلانِ جنگ بھی کر دیا۔ پھر کیا تھا اِیاس اپنے جلو میں کسریٰ کے لاؤ لشکر اور مرزبانوں کی جماعت لے کر روانہ ہوا اور ذِی قار کے میدان میں فریقین کے درمیان گھمسان کی جنگ ہوئی جس میں بنُو شیبان کو فتح حاصل ہوئی اور فارسیوں نے شرمناک شکست کھائی۔ یہ پہلا موقع تھا جب عرب نے عجم پر فتح حاصل کی تھی۔ یہ واقعہ نبی ﷺ کی پیدائش کے تھوڑے ہی دنوں بعد کا ہے۔ آپ ﷺ کی پیدائش حیرہ پر اِیاس کی حکمرانی کے آٹھویں مہینہ میں ہوئی تھی۔

اِیاس کے بعد کسریٰ نے حیرہ پر ایک فارسی حاکم مقرر کیا لیکن ۶۳۲ء میں لخمیوں کا اقتدار پھر بحال ہو گیا اور مُنذِر بن معرور نامی اس قبیلے کے ایک شخص نے باگ ڈور سنبھالی، مگر ابھی اس کو برسرِاقتدار آئے صرف آٹھ ماہ ہوئے تھے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اسلام کا سیلِ رواں لے کر حیرہ میں داخل ہو گئے۔

شام کی بادشاہی

جس زمانے میں عرب قبائل کی ہجرت زوروں پر تھی قبیلہ قضاعہ کی چند شاخیں حدودِ شام میں آکر آباد ہو گئیں۔ ان کا تعلق بنی سُلَیم بن حلوان سے تھا اور ان ہی میں ایک شاخ بنو ضجعم بن سلیم تھی جسے ضَجَاعِمَہ کے نام سے شہرت حاصل ہوئی۔ قُضاعہ کی اس شاخ کو رومیوں نے صحرائے عرب کے بدوؤں کی لُوٹ مار روکنے اور فارسیوں کے خلاف استعمال کرنے کے لیے اپنا ہمنوا بنایا اور اسی کے ایک فرد کے سر پہ حکمرانی کا تاج رکھ دیا۔ اس کے بعد مدتوں ان کی حکمرانی رہی۔ ان کا مشہور ترین بادشاہ زیاد بن ہبولہ گذرا ہے۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ ضَجَاعِمَہ کا دورِ حکومت پوری دوسری صدی عیسوی پر محیط رہا ہے۔ اس کے بعد اس دیار میں آلِ غسان کی آمد ہوئی اور ضجاعمہ کی حکمرانی جاتی رہی۔ آلِ غسان نے بنو ضجعم کو شکست دے کر ان کی ساری قلمرو پر قبضہ کر لیا۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر رومیوں نے بھی آلِ غسان کو دیارِ شام کے عرب باشندوں کا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ آلِ غسان کا پایہ تخت دُومَۃُ الجَندَل

تھا۔ اور رومیوں کے آلۂ کار کی حیثیت سے دیارِ شام پر ان کی حکمرانی مسلسل قائم رہی تاآنکہ خلافتِ فاروقی میں ۱۳ھ میں یرموک کی جنگ پیش آئی اور آلِ غسان کا آخری حکمران جبلہ بن ایہم حلقہ بگوشِ اسلام ہوگیا[1] (اگرچہ اس کا غرور اسلامی مساوات کو زیادہ دیر تک برداشت نہ کرسکا۔ اور وہ مرتد ہوگیا۔)

حجاز کی امارت

یہ بات تو معروف ہے کہ مکہ میں آبادی کا آغاز حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ہوا۔ آپ نے ۱۳۰ سال کی عمر پائی[2] اور تاحیات مکہ کے سربراہ اور بیت اللہ کے متولی رہے[3]۔ آپ کے بعد آپ کے دو صاحبزادگان ——— نابت پھر قیذار، یا قیدار پھر نابت ——— یکے بعد دیگرے مکہ کے والی ہوئے۔ ان کے بعد ان کے نانا مضاض بن عمرو جرہمی نے زمامِ کار اپنے ہاتھ میں لے لی اور اس طرح مکہ کی سربراہی بنو جرہم کی طرف منتقل ہوگئی اور ایک عرصے تک انہیں کے ہاتھ میں رہی۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام چونکہ (اپنے والد کے ساتھ مل کر) بیت اللہ کے بانی ومعمار تھے اس لیے ان کی اولاد کو ایک باوقار مقام ضرور حاصل رہا، لیکن اقتدار و اختیار میں ان کا کوئی حصہ نہ تھا[4]۔

پھر دن پر دن اور سال پر سال گذرتے گئے لیکن حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد گوشۂ گمنامی سے نہ نکل سکی، یہاں تک کہ بخت نصر کے ظہور سے کچھ پہلے بنو جرہم کی طاقت کمزور پڑگئی اور مکہ کے افق پر عدنان کا سیاسی ستارہ جگمگانا شروع ہوا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ بُختِ نَصَّر نے ذاتِ عرق میں عربوں سے جو معرکہ آرائی کی تھی اس میں عرب فوج کا کمانڈر جرہمی نہ تھا[5]۔

پھر بُختِ نَصَّر نے جب ۵۸۷ ق م میں دوسرا حملہ کیا تو بنو عدنان بھاگ کر یمن چلے گئے۔ اس وقت بنو اسرائیل کے نبی حضرت یرمیاہ تھے۔ وہ عدنان کے بیٹے مَعَد کو اپنے ساتھ ملک شام لے گئے اور جب بُختِ نَصَّر کا زور ختم ہوا اور معد مکہ آئے تو انہیں مکہ میں قبیلہ جرہم کا صرف ایک شخص جرشم بن جلہمہ ملا۔ معد نے اس کی لڑکی معانہ سے شادی کی اور اسی کے بطن سے نزار پیدا ہوا[6]۔

اس کے بعد مکہ میں جرہم کی حالت خراب ہوتی گئی۔ انہیں تنگ دستی نے آگھیرا، نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے زائرینِ بیت اللہ پر زیادتیاں شروع کردیں اور خانۂ کعبہ کا مال کھانے سے بھی دریغ نہ کیا[7]۔ ادھر بنو عدنان اندر ہی اندر ان کی ان حرکتوں پر کڑھتے اور بھڑکتے رہے اسی لیے جب بنو خزاعہ

---

۱ محاضرات خضری ۱/۳۴، تاریخ ارض القرآن ۲/۸۰-۸۲

۲ پیدائش (مجموعہ بائیبل)، ۲۵ : ۱۷   ۳ قلب جزیرۃ العرب ص ۲۳۰، ۲۳۷

۴ ایضاً ایضاً و ابن ہشام ۱/۱۱۱-۱۱۳، ابن ہشام نے اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے صرف نابت کی تولیت کا ذکر کیا ہے۔

۵ قلب جزیرۃ العرب ص ۲۳۰ - ۶ رحمۃ للعالمین ۲/۴۸   ۷ قلب جزیرۃ العرب، ص ۲۳۱

نے مَرّ الظہران میں پڑاؤ کیا اور دیکھا کہ بنو عدنان بنو جرہم سے نفرت کرتے ہیں تو اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک عدنانی قبیلے (بنو بکر بن عبد مناف بن کنانہ) کو ساتھ لے کر بنو جرہم کے خلاف جنگ چھیڑ دی اور انہیں مکہ سے نکال کر اقتدار پر خود قبضہ کر لیا۔ یہ واقعہ دوسری صدی عیسوی کے وسط کا ہے۔

بنو جرہم نے مکہ چھوڑتے وقت زمزم کا کنواں پاٹ دیا اور اس میں کئی تاریخی چیزیں دفن کر کے اس کے نشانات بھی مٹا دیئے۔ محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ عمرو بن حارث بن مضاض [۹] جرہمی نے خانہ کعبہ کے دونوں ہرن [۱۰] اور اس کے کونے میں لگا ہوا پتھر ــــ حجر اسود ــــ نکال کر زمزم کے کنویں میں دفن کر دیا اور اپنے قبیلہ بنو جرہم کو ساتھ لے کر یمن چلا گیا۔ بنو جرہم کو مکہ سے جلا وطنی اور وہاں کی حکومت سے محروم ہونے کا بڑا قلق تھا چنانچہ عمرو مذکور نے اسی سلسلے میں یہ اشعار کہے۔

كان لم يكن بين الحجون إلى الصفا　　انيس ولم يسمر بمكة سامر

بلى نحن كنا اهلها فابادنا　　صروف الليالى والجدود العواثر [۱۱]

"لگتا ہے حجون سے صفا تک کوئی آشنا تھا ہی نہیں اور نہ کسی قصہ گو نے مکہ کی شبانہ محفلوں میں قصہ گوئی کی۔ کیوں نہیں! یقیناً ہم ہی اس کے باشندے تھے لیکن زمانے کی گردشوں اور ٹوٹی ہوئی قسمتوں نے ہمیں اجاڑ پھینکا۔"

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا زمانہ تقریباً دو ہزار برس قبل مسیح ہے۔ اس حساب سے مکہ میں قبیلہ جرہم کا وجود کوئی دو ہزار ایک سو برس تک رہا اور ان کی حکمرانی لگ بھگ دو ہزار برس تک رہی۔

بنو خزاعہ نے مکہ پر قبضہ کرنے کے بعد بنو بکر کو شامل کیے بغیر تنہا اپنی حکمرانی قائم کی، البتہ تین اہم اور امتیازی مناصب ایسے تھے جو مُضری قبائل کے حصے میں آئے۔

۱۔ حاجیوں کو عرفات سے مزدلفہ لے جانا اور یوم النَّفر ــــ ۱۳ ذی الحجہ کو جو کہ حج کے سلسلہ کا آخری دن ہے ــــ منیٰ سے روانگی کا پروانہ دینا۔ یہ اعزاز الیاس بن مضر کے خاندان بنو غوث بن مرہ کو حاصل تھا جو صوفہ کہلاتے تھے۔ اس اعزاز کی توضیح یہ ہے کہ ۱۳ ذی الحجہ کو حاجی کنکری نہ مار سکتے تھے جب تک کہ پہلے صوفہ کا ایک ایک آدمی کنکری نہ مار لیتا۔ پھر حاجی کنکری مار کر فارغ ہو جاتے اور منیٰ سے

---

[۹] یہ وہ مضاض جرہمی نہیں ہے جس کا ذکر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے واقعے میں گذر چکا ہے۔

[۱۰] مسعودی نے لکھا ہے کہ اہل فارس پچھلے دور میں خانہ کعبہ کے لیے اموال و جواہرات بھیجتے رہتے تھے۔ ساسان بن بابک نے سونے کے بنے ہوئے دو ہرن، جواہرات، تلواریں اور بہت سا سونا بھیجا تھا۔ عمرو نے یہ سب زمزم کے کنویں میں ڈال دیا تھا۔ (مروج الذہب ۱/۲۰۵)

[۱۱] ابن ہشام ۱/۱۱۴، ۱۱۵۔

روانگی کا ارادہ کرتے تو صوفہ کے لوگ منیٰ کی واحد گذرگاہ عقبہ کے دونوں جانب گھیرا ڈال کر کھڑے ہو جاتے اور جب تک خود گذر نہ لیتے کسی کو گذرنے نہ دیتے۔ ان کے گذر لینے کے بعد بقیہ لوگوں کے لیے راستہ خالی ہوتا۔ جب صوفہ ختم ہو گئے تو یہ اعزاز بنو تمیم کے ایک خاندان بنو سعد بن زید مناۃ کی طرف منتقل ہو گیا۔

۲۔ ۱۰ ذی الحجہ کی صبح کو مزدلفہ سے منیٰ کی جانب افاضہ (روانگی) یہ اعزاز بنو عدوان کو حاصل تھا۔

۳۔ حرام مہینوں کو آگے پیچھے کرنا۔ یہ اعزاز بنو کنانہ کی ایک شاخ بنو تمیم بن عدی کو حاصل تھا۔[۱۲]

مکہ پر بنو خزاعہ کا اقتدار کوئی تین سو برس تک قائم رہا[۱۳] اور یہی زمانہ تھا جب عدنانی قبائل مکہ اور حجاز سے نکل کر نجد، اطرافِ عراق اور بحرین وغیرہ میں پھیلے اور مکہ کے اطراف میں صرف قریش کی چند شاخیں باقی رہیں جو خانہ بدوش تھیں۔ ان کی الگ الگ ٹولیاں تھیں اور بنو کنانہ میں ان کے چند متفرق گھرانے تھے مگر مکہ کی حکومت اور بیت اللہ کی تولیت میں ان کا کوئی حصہ نہ تھا یہاں تک کہ قُصَیّ بن کلاب کا ظہور ہوا۔[۱۴]

قُصَیّ کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ وہ ابھی گود ہی میں تھا کہ اس کے والد کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد اس کی والدہ نے بنو عُذرہ کے ایک شخص ربیعہ بن حرام سے شادی کر لی۔ یہ قبیلہ چونکہ ملک شام کے اطراف میں رہتا تھا اس لیے قُصَیّ کی والدہ وہیں چلی گئی اور وہ قُصَیّ کو بھی اپنے ساتھ لیتی گئی۔ جب قُصَیّ جوان ہوا تو مکہ واپس آیا۔ اس وقت مکہ کا والی حُلَیل بن حبشیہ خزاعی تھا۔ قُصَیّ نے اس کے پاس اس کی بیٹی حُبی سے نکاح کے لیے پیغام بھیجا۔ حُلَیل نے منظور کر لیا اور شادی کر دی۔[۱۵] اس کے بعد جب حُلَیل کا انتقال ہوا تو مکہ اور بیت اللہ کی تولیت کے لیے خزاعہ اور قریش کے درمیان جنگ ہو گئی اور اس کے نتیجے میں مکہ اور بیت اللہ پر قُصَیّ کا اقتدار قائم ہو گیا۔

جنگ کا سبب کیا تھا؟ اس بارے میں تین بیانات ملتے ہیں: ایک یہ کہ جب قُصَیّ کی اولاد خوب پھل پھول گئی اس کے پاس دولت کی بھی فراوانی ہو گئی اور اس کا وقار بھی بڑھ گیا اور ادھر حُلَیل کا انتقال ہو گیا تو قُصَیّ نے محسوس کیا کہ اب بنو خزاعہ اور بنو بکر کے بجائے میں کعبہ کی تولیت اور مکہ کی حکومت کا کہیں زیادہ حقدار ہوں۔ اسے یہ احساس بھی تھا کہ قریش خالص اسماعیلی عرب ہیں اور بقیہ آلِ اسماعیل کے سردار بھی ہیں لہٰذا سربراہی کے مستحق وہی ہیں، چنانچہ اس نے قریش

---

[۱۲] ابن ہشام ۱/۴۴، ۱۱۹-۱۲۲ [۱۳] یاقوت: مادہ مکہ

[۱۴] محاضرات خضری ۱/۳۵، ابن ہشام ۱/۱۱۷ [۱۵] ابن ہشام ۱/۱۱۷، ۱۱۸

اور بنو خزاعہ کے کچھ لوگوں سے گفتگو کی کہ کیوں نہ بنو خزاعہ اور بنو بکر کو مکہ سے نکال باہر کیا جائے۔ ان لوگوں نے اس کی رائے سے اتفاق کیا۔[۱۶]

دوسرا بیان یہ ہے کہ ۔۔۔ خزاعہ کے بقول ۔۔۔ خود حُلَیل نے قُصَی کو وصیت کی تھی کہ وہ کعبہ کی نگہداشت کرے گا اور مکہ کی باگ ڈور سنبھالے گا۔[۱۷]

تیسرا بیان یہ ہے کہ حُلَیل نے اپنی بیٹی حبی کو بیت اللہ کی تولیت سونپی تھی اور ابو غبشان خزاعی کو اس کا وکیل بنایا تھا۔ چنانچہ حبی کے نائب کی حیثیت سے وہی خانہ کعبہ کا کلید بردار تھا۔ جب حُلَیل کا انتقال ہوگیا تو قُصَی نے ابو غبشان سے ایک مشک شراب کے بدلے کعبہ کی تولیت خرید لی لیکن خزاعہ نے یہ خرید و فروخت منظور نہ کی اور قُصَی کو بیت اللہ سے روکنا چاہا۔ اس پر قُصَی نے بنو خزاعہ کو مکہ سے نکالنے کے لیے قریش اور بنو کنانہ کو جمع کیا اور وہ قُصَی کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے جمع ہو گئے۔[۱۸]

بہر حال وجہ جو بھی ہو، واقعات کا سلسلہ اس طرح ہے کہ جب حُلَیل کا انتقال ہوگیا اور صوفہ نے وہی کرنا چاہا جو وہ ہمیشہ کرتے آئے تھے تو قُصَی نے قریش اور کنانہ کے لوگوں کو ہمراہ لیا اور عقبہ کے نزدیک جہاں وہ جمع تھے ان سے آکر کہا کہ تم سے زیادہ ہم اس اعزاز کے حقدار ہیں۔ اس پر صوفہ نے لڑائی چھیڑ دی مگر قُصَی نے انہیں مغلوب کر کے ان کا اعزاز چھین لیا۔ یہی موقع تھا جب خزاعہ اور بنو بکر نے قُصَی سے دامن کشی اختیار کر لی۔ اس پر قُصَی نے انہیں بھی للکارا، پھر کیا تھا، فریقین میں سخت جنگ چھڑ گئی اور طرفین کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ اس کے بعد صلح کی آوازیں بلند ہوئیں اور بنو بکر کے ایک شخص یَعمَر بن عوف کو حَکَم بنایا گیا۔ یَعمَر نے فیصلہ کیا کہ خزاعہ کے بجائے قُصَی خانہ کعبہ کی تولیت اور مکہ کے اقتدار کا زیادہ حقدار ہے۔ نیز قُصَی نے جتنا خون بہایا ہے سب رائیگاں قرار دے کر پاؤں تلے روند رہا ہوں۔ البتہ خزاعہ اور بنو بکر نے جن لوگوں کو قتل کیا ہے ان کی دیت ادا کریں اور خانہ کعبہ کو بلا روک ٹوک قُصَی کے حوالہ کردیں ۔۔۔ اسی فیصلے کی وجہ سے یَعمَر کا لقب شَدّاخ پڑ گیا۔[۱۹] شَدّاخ کے معنی ہیں پاؤں تلے روندنے والا۔

اس فیصلے کے نتیجے میں قُصَی اور قریش کو مکہ پر مکمل نفوذ اور سیادت حاصل ہوگئی، اور قصی بیت اللہ

---

[۱۶] ایضاً ایضاً [۱۷] ایضاً ۱/۱۱۸ [۱۸] رحمۃ للعالمین ۲/۵۵

[۱۹] ابن ہشام ۱/۱۲۳، ۱۲۴

کا دینی سربراہ بن گیا جس کی زیارت کے لیے عرب کے گوشے گوشے سے آنے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ مکہ پر قُصَی کے تسلّط کا یہ واقعہ پانچویں صدی عیسوی کے وسط یعنی سنہ ۴۴۰ء کا ہے۔[۲۰]

قُصَی نے مکہ کا بندوبست اس طرح کیا کہ قریش کو اطرافِ مکہ سے بلا کر پورا شہر ان پر تقسیم کر دیا اور ہر خاندان کی بود و باش کا ٹھکانا مقرر کر دیا۔ البتہ مہینے آگے پیچھے کرنے والوں کو، نیز آلِ صفوان، بنو عدوان اور بنو مرہ بن عوف کو ان کے مناصب پر برقرار رکھا۔ کیونکہ قُصَی سمجھتا تھا کہ یہ بھی دین ہے جس میں ردّ و بدل کرنا درست نہیں۔[۲۱]

قُصَی کا ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ اس نے حرم کعبہ کے شمال میں دار الندوہ تعمیر کیا۔ (اس کا دروازہ مسجد کی طرف تھا) دار النّدوہ درحقیقت قریش کی پارلیمنٹ تھی جہاں تمام بڑے بڑے اور اہم معاملات کے فیصلے ہوتے تھے۔ قریش پر دار النّدوہ کے بڑے احسانات ہیں کیونکہ یہ ان کی وحدت کا ضامن تھا اور یہیں ان کے الجھے ہوئے مسائل بحسن و خوبی طے ہوتے تھے۔[۲۲]

قُصَی کو سربراہی اور عظمت کے حسب ذیل مظاہر حاصل تھے:

۱۔ دار النّدوہ کی صدارت، جہاں بڑے بڑے معاملات کے متعلق مشورے ہوتے تھے اور جہاں لوگ اپنی لڑکیوں کی شادیاں بھی کرتے تھے۔

۲۔ لِوَاء۔ یعنی جنگ کا پرچم قُصَی ہی کے ہاتھوں باندھا جاتا تھا۔

۳۔ حجابت ــــــ یعنی خانہ کعبہ کی پاسبانی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خانۂ کعبہ کا دروازہ قصی ہی کھولتا تھا اور وہی خانہ کعبہ کی خدمت اور کلید برداری کا کام انجام دیتا تھا۔

۴۔ سقایہ (پانی پلانا) ــــــ اس کی صورت یہ تھی کہ کچھ حوض میں حاجیوں کے لیے پانی بھر دیا جاتا تھا اور اس میں کچھ کھجور اور کشمش ڈال کر اسے شیریں بنا دیا جاتا تھا۔ جب حُجّاج مکہ آتے تھے تو اسے پیتے تھے۔[۲۳]

۵۔ رِفادہ (حاجیوں کی میزبانی) ــــــ اس کے معنی یہ ہیں کہ حاجیوں کے لیے بطور ضیافت کھانا تیار کیا جاتا تھا۔ اس مقصد کے لیے قُصَی نے قریش پر ایک خاص رقم مقرر کر رکھی تھی، جو موسم حج میں قُصَی کے پاس جمع کی جاتی تھی۔ قُصَی اس رقم سے حاجیوں کے لیے کھانا تیار کراتا تھا جو لوگ

---

۲۰ قلب جزیرۃ العرب ص ۲۳۲
۲۱ ابن ہشام ۱/ ۱۲۴، ۱۲۵
۲۲ ایضاً ۱/ ۱۲۵، محاضرات خضری ۱/ ۳۶، اخبار الکرام ص ۱۵۲
۲۳ محاضرات خضری ۱/ ۳۶

تنگ دست ہوتے، یا جن کے پاس توشہ نہ ہوتا وہ یہی کھانا کھاتے تھے[24]

یہ سارے مناصب قُصَیّ کو حاصل تھے۔ قُصَیّ کا پہلا بیٹا عبدالدار تھا، مگر اس کے بجائے دوسرا بیٹا عبدمناف، قُصَیّ کی زندگی ہی میں شرف وسیادت کے مقام پر پہنچ گیا تھا۔ اس لیے قُصَیّ نے عبدالدار سے کہا کہ یہ لوگ اگرچہ شرف وسیادت میں تم پر بازی لے جا چکے ہیں۔ مگر میں تمہیں ان کے ہم پلہ کر کے رہوں گا۔ چنانچہ قُصَیّ نے اپنے سارے مناصب اور اعزازات کی وصیت عبدالدار کے لیے کر دی، یعنی دارالندوہ کی ریاست، خانہ کعبہ کی حجابت، لواء، سقایت اور رفادہ سب کچھ عبدالدار کو دے دیا۔ چونکہ کسی کام میں قُصَیّ کی مخالفت نہیں کی جاتی تھی اور نہ اس کی کوئی بات مسترد کی جاتی تھی، بلکہ اس کا ہر اقدام، اس کی زندگی میں بھی اور اس کی موت کے بعد بھی واجب الاتباع دین سمجھا جاتا تھا اس لیے اس کی وفات کے بعد اس کے بیٹوں نے کسی نزاع کے بغیر اس کی وصیت قائم رکھی۔ لیکن جب عبدمناف کی وفات ہوگئی تو اس کے بیٹوں کا ان مناصب کے سلسلے میں اپنے چچیرے بھائیوں یعنی عبدالدار کی اولاد سے جھگڑا ہوا۔ اس کے نتیجے میں قریش دو گروہ میں بٹ گئے اور قریب تھا کہ دونوں میں جنگ ہو جاتی مگر پھر انہوں نے صلح کی آواز بلند کی اور ان مناصب کو باہم تقسیم کر لیا۔ چنانچہ سقایت اور رفادہ کے مناصب بنو عبدمناف کو دیئے گئے۔ اور دارالندوہ کی سربراہی لواء اور حجابت بنو عبدالدار کے ہاتھ میں رہی۔ پھر بنو عبدمناف نے اپنے حاصل شدہ مناصب کے لیے قرعہ ڈالا تو قرعہ ہاشم بن عبدمناف کے نام نکلا۔ لہٰذا ہاشم ہی نے اپنی زندگی بھر سقایہ ورفادہ کا انتظام کیا۔ البتہ جب ہاشم کا انتقال ہوگیا تو اُنکے بھائی مُطّلب نے ان کی جانشینی کی، مگر مُطّلب کے بعد ان کے بھتیجے عبدالمطلب بن ہاشم نے —— جو رسول اللہ ﷺ کے دادا تھے —— یہ منصب سنبھال لیا اور ان کے بعد ان کی اولاد ان کی جانشین ہوئی یہاں تک کہ جب اسلام کا دور آیا تو حضرت عبّاس بن عبدالمطلب اس منصب پر فائز تھے[25]

ان کے علاوہ کچھ اور مناصب بھی تھے جنہیں قریش نے باہم تقسیم کر رکھا تھا۔ ان مناصب اور انتظامات کے ذریعے قریش نے ایک چھوٹی سی حکومت —— بلکہ حکومت نما انتظامیہ —— قائم کر رکھی تھی جس کے سرکاری ادارے اور تشکیلات کچھ اسی ڈھنگ کی تھیں جیسی آج کل پارلیمانی مجلسیں اور ادارے ہوا کرتے ہیں۔ ان مناصب کا خاکہ حسب ذیل ہے:

---

[24] ابن ہشام ۱/۱۳۰ [25] ایضاً ۱/۱۲۹-۱۳۲، ۱۳۷، ۱۴۲، ۱۷۸، ۱۷۹

۱۔ ایسار ــــ یعنی فال گیری اور قسمت دریافت کرنے کے لیے بتوں کے پاس جو تیر رکھے رہتے تھے ان کی تولیت۔ یہ منصب بنو جمح کو حاصل تھا۔

۲۔ مالیات کا نظم ــــ یعنی بتوں کے تقرب کے لیے جو نذرانے اور قربانیاں پیش کی جاتی تھیں ان کا انتظام کرنا، نیز جھگڑے اور مقدمات کا فیصلہ کرنا۔ یہ کام بنو سہم کو سونپا گیا تھا۔

۳۔ شوریٰ ــــ یہ اعزاز بنو اسد کو حاصل تھا۔

۴۔ اشناق ــــ یعنی دیت اور جرمانوں کا نظم۔ اس منصب پر بنو تیم فائز تھے۔

۵۔ عقاب ــــ یعنی قومی پرچم کی علمبرداری۔ یہ بنو اُمیّہ کا کام تھا۔

۶۔ قبہ ــــ یعنی فوجی کیمپ کا انتظام اور شہسواروں کی قیادت۔ یہ بنو مخزُوم کے حصے میں آیا تھا۔

۷۔ سفارت ــــ بنو عدی کا منصب تھا۔[26]

بقیہ عرب سرداریاں ہم پچھلے صفحات میں قحطانی اور عدنانی قبائل کے ترکِ وطن کا ذکر کر چکے ہیں اور بتلا چکے ہیں کہ پورا ملک عرب ان قبائل کے درمیان تقسیم ہو گیا تھا۔ اس کے بعد ان کی امارتوں اور سرداریوں کا نقشہ کچھ یوں تھا کہ جو قبائل حِیرہ کے ارد گرد آباد تھے انہیں حکومتِ حِیرہ کے تابع مانا گیا۔ اور جن قبائل نے بادیۃ الشام میں سکونت اختیار کی تھی انہیں غسّانی حکمرانوں کے تابع قرار دیا گیا۔ مگر یہ ماتحتی صرف نام کی تھی، عملاً نہ تھی۔ ان دو مقامات کو چھوڑ کر اندرون عرب آباد قبائل بہر طور آزاد تھے۔

ان قبائل میں سرداری نظام رائج تھا۔ قبیلے خود اپنا سردار مقرر کرتے تھے۔ اور ان سرداروں کے لیے ان کا قبیلہ ایک مختصر سی حکومت ہوا کرتا تھا۔ سیاسی وجود و تحفظ کی بنیاد، قبائلی وحدت پر مبنی عصبیت اور اپنی سرزمین کی حفاظت و دفاع کے مشترکہ مفادات تھے۔

قبائلی سرداروں کا درجہ اپنی قوم میں بادشاہوں جیسا تھا۔ قبیلہ صلح و جنگ میں بہر حال اپنے سردار کے فیصلے کے تابع ہوتا تھا اور کسی حال میں اس سے الگ تھلک نہیں رہ سکتا تھا۔ سردار کو وہی مطلق العنانی اور استبداد حاصل تھا جو کسی ڈکٹیٹر کو حاصل ہوا کرتا ہے حتّٰی کہ بعض سرداروں کا یہ حال تھا کہ اگر وہ بگڑ جاتے تو ہزاروں تلواریں یہ پوچھے بغیر بے نیام ہو جاتیں کہ سردار کے غصے کا سبب کیا ہے۔

---

[26] تاریخ ارض القرآن ۲/۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶

تاہم چونکہ ایک ہی کنبے کے چچیرے بھائیوں میں سرداری کے لیے کشاکش بھی ہوا کرتی تھی اس لیے اس کا تقاضا تھا کہ سردار اپنے قبائلی عوام کے ساتھ رواداری برتے۔ خوب مال خرچ کرے مہمان نوازی میں پیش پیش رہے، کرم و بُردباری سے کام لے، شجاعت کا عملی مظاہرہ کرے اور غیر تمندانہ اُمور کی طرف سے دفاع کرے تاکہ لوگوں کی نظر میں عموماً، اور شعراء کی نظر میں خصوصاً خوبی و کمالات کا جامع بن جائے (کیونکہ شعراء اس دور میں قبیلے کی زبان ہوا کرتے تھے) اور اس طرح سردار اپنے مدِمقابل حضرات سے بلند و بالا درجہ حاصل کرلے۔

سرداروں کے کچھ مخصوص اور امتیازی حقوق بھی ہوا کرتے تھے جنہیں ایک شاعر نے یوں بیان کیا ہے۔

لک المرباع فینا والصفایا　　　وحکمک والنشیطة والفضول

"ہمارے درمیان تمہارے لیے مالِ غنیمت کا چوتھائی ہے اور منتخب مال ہے اور وہ مال ہے جس کا تم فیصلہ کردو اور جو سرِ راہ ہاتھ آجائے۔ اور جو تقسیم سے بچ رہے"

مرباع: مالِ غنیمت کا چوتھائی حصہ۔

صَفِی: وہ مال جسے تقسیم سے پہلے ہی سردار اپنے لیے منتخب کرلے۔

نشیطہ: وہ مال جو اصل قوم تک پہنچنے سے پہلے راستے ہی میں سردار کے ہاتھ لگ جائے۔

فضول: وہ مال جو تقسیم کے بعد بچ رہے اور غازیوں کی تعداد پر برابر تقسیم نہ ہو۔ مثلاً تقسیم سے بچے ہوئے اونٹ گھوڑے وغیرہ ان سب اقسام کے مال سردار قبیلہ کا حق ہوا کرتے تھے۔

سیاسی حالت | جزیرۃ العرب کی حکومتوں اور حکمرانوں کا ذکر ہو چکا بیجا نہ ہوگا کہ اب ان کے کسی قدر سیاسی حالات بھی ذکر کر دیئے جائیں۔

جزیرۃ العرب کے وہ تینوں سرحدی علاقے جو غیر ممالک کے پڑوس میں پڑتے تھے ان کی سیاسی حالت سخت اضطراب و انتشار اور انتہائی زوال و انحطاط کا شکار تھی۔ انسان، مالک اور غلام یا حاکم اور محکوم کے دو طبقوں میں بٹا ہوا تھا۔ سارے فوائد سربراہوں —— اور خصوصاً غیر ملکی سربراہوں —— کو حاصل تھے اور سارا بوجھ غلاموں کے سر تھا۔ اسے زیادہ واضح الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ رعایا درحقیقت ایک کھیتی تھی جو حکومت کے لیے محاصل اور آمدنی فراہم کرتی تھی اور حکومتیں اسے لذتوں، شہوتوں، عیش رانی اور ظلم و جور کے لیے استعمال کرتی تھیں۔ اور ان پر ہر طرف سے ظلم کی بارش ہو رہی تھی۔ مگر وہ حرفِ شکایت زبان پر نہ لا سکتے تھے۔

بلکہ ضروری تھا کہ طرح طرح کی ذلّت و رُسوائی اور ظلم و چیرہ دستی برداشت کریں اور زبان بند رکھیں، کیونکہ جبر واستبداد کی حکمرانی تھی اور انسانی حقوق نام کی کسی چیز کا کہیں کوئی وجود نہ تھا۔

ان علاقوں کے پڑوس میں رہنے والے قبائل تذبذب کا شکار تھے۔ انہیں اغراض وخواہشات اِدھر سے اُدھر، اور اُدھر سے اِدھر پھینکتی رہتی تھیں۔ کبھی وہ عراقیوں کے ہمنوا ہو جاتے تھے اور کبھی شامیوں کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے۔

جو قبائل اندرونِ عرب آباد تھے ان کے بھی جوڑ ڈھیلے اور شیرازہ منتشر تھا۔ ہر طرف قبائلی جھگڑوں، نسلی فسادات اور مذہبی اختلافات کی گرم بازاری تھی، جس میں ہر قبیلے کے افراد بہرصورت اپنے اپنے قبیلے کا ساتھ دیتے تھے خواہ وہ حق پر ہو یا باطل پر۔ چنانچہ ان کا ترجمان کہتا ہے ؎

وَمَا أَنَا إِلَّا مِنْ غَزِيَّةَ إِنْ غَوَتْ غَوَيْتُ، وَإِنْ تَرْشُدْ غَزِيَّةُ أَرْشُدِ

"میں بھی تو قبیلہ غزیہ ہی کا ایک فرد ہوں۔ اگر وہ غلط راہ پر چلے گا تو میں بھی غلط راہ پر چلوں گا اور اگر وہ صحیح راہ پر چلے گا تو میں بھی صحیح راہ پر چلوں گا۔"

اندرونِ عرب کوئی بادشاہ نہ تھا جو ان کی آواز کو قوت پہنچاتا اور نہ کوئی مرجع ہی تھا جس کی طرف مشکلات وشدائد میں رجوع کیا جاتا اور جس پر دقت پڑنے پر اعتماد کیا جاتا۔

ہاں حجاز کی حکومت کو قدر واحترام کی نگاہ سے یقیناً دیکھا جاتا تھا اور اسے مرکزِ دین کا قائد و پاسبان بھی تصور کیا جاتا تھا۔ یہ حکومت درحقیقت ایک طرح کی دنیوی قیادت اور دینی پیشوائی کا معجون مرکّب تھی۔ اسے اہل عرب پر دینی پیشوائی کے نام سے بالادستی حاصل تھی اور حرم اور اطراف حرم پر اس کی باقاعدہ حکمرانی تھی۔ وہی زائرین بیت اللہ کی ضروریات کا انتظام اور شریعتِ ابراہیمی کے احکام کا نفاذ کرتی تھی اور اس کے پاس پارلیمانی اداروں جیسے ادارے اور تشکیلات بھی تھیں۔ لیکن یہ حکومت اتنی کمزور تھی کہ اندرونِ عرب کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کی طاقت نہ رکھتی تھی جیسا کہ حبشیوں کے حملے کے موقع پر ظاہر ہوا۔

عرب — ادیان و مذاہب

عام باشندگانِ عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں دینِ ابراہیمی کے پیرو تھے، اس لیے صرف اللہ کی عبادت کرتے تھے اور توحید پر کاربند تھے، لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے خدائی درس و نصیحت کا ایک حصہ بھلا دیا۔ پھر بھی ان کے اندر توحید اور کچھ دینِ ابراہیمی کے شعائر باقی رہے، تا آنکہ بنو خُزاعہ کا سردار عَمرو بن لُحَی منظر عام پر آیا۔ اس کی نشو و نما بڑی نیکوکاری، صدقہ و خیرات اور دینی امور سے گہری دلچسپی پر ہوئی تھی، اس لیے لوگوں نے اسے محبت کی نظر سے دیکھا اور اسے اکابر علماء اور افاضل اولیاء میں سے سمجھ کر اس کی پیروی کی۔ پھر اس شخص نے ملک شام کا سفر کیا۔ دیکھا تو وہاں بتوں کی پوجا کی جا رہی تھی۔ اس نے سمجھا کہ یہ بھی بہتر اور برحق ہے کیونکہ ملک شام پیغمبروں کی سرزمین اور آسمانی کتابوں کی نزول گاہ تھی۔ چنانچہ وہ اپنے ساتھ ہُبَل بُت بھی لے آیا۔ اور اسے خانہ کعبہ کے اندر نصب کر دیا اور اہل مکہ کو اللہ کے ساتھ شرک کی دعوت دی۔ اہل مکہ نے اس پر لبیک کہا۔ اس کے بعد بہت جلد باشندگان حجاز بھی اہل مکہ کے نقشِ قدم پر چل پڑے، کیونکہ وہ بیت اللہ کے والی اور حرم کے باشندے تھے[1] اس طرح عرب میں بُت پرستی کا آغاز ہوا۔

ہُبَل کے علاوہ عرب کے قدیم ترین بتوں میں سے مَنَاۃ ہے۔ یہ بحرِ احمر کے ساحل پر قُدَید کے قریب مُشَلَّل میں نصب[2] تھا۔ اس کے بعد طائف میں لات نامی بُت وجود میں آیا۔ پھر وادیٔ نخلہ میں عُزّیٰ کی تنصیب عمل میں آئی۔ یہ تینوں عرب کے سب سے بڑے بُت تھے۔ اس کے بعد حجاز کے ہر خطے میں شرک کی کثرت اور بتوں کی بھرمار ہو گئی۔ کہا جاتا ہے کہ ایک جن عَمرو بن لُحَی کے تابع تھا۔ اس نے بتایا کہ قومِ نوح کے بُت — یعنی وَدّ، سُوَاع، یَغُوث، یَعُوق اور نَسر — جدّہ میں مدفون ہیں۔ اس اطلاع پر عَمرو بن لُحَی جدہ گیا اور ان بتوں کو کھود نکالا۔ پھر انہیں تہامہ لایا اور جب حج کا زمانہ آیا تو انہیں مختلف قبائل کے حوالے کیا۔ یہ قبائل ان بتوں کو اپنے اپنے علاقوں میں

---

[1] مختصر سیرۃ الرسول، تالیف شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ ص ۱۲ [2] صحیح بخاری ۱/۲۲۲

لے گئے۔ اس طرح ہر ہر قبیلے میں، پھر ہر ہر گھر میں ایک ایک بُت ہو گیا۔

پھر مشرکین نے مسجدِ حرام کو بھی بتوں سے بھر دیا چنانچہ جب مکہ فتح کیا گیا تو بیت اللہ کے گرداگرد تین سو ساٹھ بُت تھے جنہیں خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے توڑا۔ آپ ہر ایک کو چھڑی سے ٹھوکر مارتے جاتے تھے اور وہ گرتا جاتا تھا۔ پھر آپؐ نے حکم دیا اور ان سارے بتوں کو مسجد حرام سے باہر نکال کر جلا دیا گیا۔[۳]

غرض شرک اور بُت پرستی اہلِ جاہلیت کے دین کا سب سے بڑا مظہر بن گئی تھی جنہیں گھمنڈ تھا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہیں۔

پھر اہلِ جاہلیت کے یہاں بت پرستی کے کچھ خاص طریقے اور مراسم بھی رائج تھے جو زیادہ تر عمرو بن لُحَیّ کی اختراع تھے۔ اہلِ جاہلیت سمجھتے تھے کہ عمرو بن لُحَیّ کی اختراعات دینِ ابراہیمی میں تبدیلی نہیں بلکہ بدعتِ حسنہ ہیں۔ ذیل میں ہم اہلِ جاہلیت کے اندر رائج بُت پرستی کے چند اہم مراسم کا ذکر کر رہے ہیں:

۱۔ دورِ جاہلیت کے مشرکین بتوں کے پاس مجاور بن کر بیٹھتے تھے، ان کی پناہ ڈھونڈتے تھے، انہیں زور زور سے پکارتے تھے اور حاجت روائی و مشکل کشائی کے لیے ان سے فریاد اور التجائیں کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ وہ اللہ سے سفارش کر کے ہماری مراد پوری کرا دیں گے۔

۲۔ بتوں کا حج و طواف کرتے تھے، ان کے سامنے عجز و نیاز سے پیش آتے تھے اور انہیں سجدہ کرتے تھے۔

۳۔ بتوں کے لیے نذرانے اور قربانیاں پیش کرتے اور قربانی کے ان جانوروں کو کبھی بتوں کے آستانوں پر لیجا کر ذبح کرتے تھے اور کبھی کسی بھی جگہ ذبح کر لیتے تھے مگر بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے۔ ذبح کی ان دونوں صورتوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں کیا ہے۔ ارشاد ہے: وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ (۵: ۳) یعنی "وہ جانور بھی حرام ہیں جو آستانوں پر ذبح کیے گئے ہوں"۔ دوسری جگہ ارشاد ہے وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ (۶: ۱۲۱) یعنی "اُس جانور کا گوشت مت کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو"۔

۴۔ بُتوں سے تقرب کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ مشرکین اپنی صوابدید کے مطابق اپنے کھانے پینے

---

[۳] مختصر سیرۃ الرسول از شیخ محمد بن عبدالوہاب ص ۱۳، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۴

کی چیزوں اور اپنی کھیتی اور چوپائے کی پیداوار کا ایک حصہ بتوں کے لیے خاص کر دیتے تھے۔اس سلسلے میں ان کا دلچسپ رواج یہ تھا کہ وہ اللہ کے لیے بھی اپنی کھیتی اور جانوروں کی پیداوار کا ایک حصہ خاص کرتے تھے پھر مختلف اسباب کی بنا پر اللہ کا حصہ تو بتوں کی طرف منتقل کر سکتے تھے لیکن بتوں کا حصہ کسی بھی حال میں اللہ کی طرف منتقل نہیں کر سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ○ (۶:۱۳۶)

"اللہ نے جو کھیتی اور چوپائے پیدا کئے ہیں اس کا ایک حصہ انہوں نے اللہ کے لیے مقرر کیا اور کہا یہ اللہ کے لیے ہے ـــــ ان کے خیال میں ـــــ اور یہ ہمارے شرکاء کے لیے ہے، تو جو ان کے شرکاء کے لیے ہوتا ہے وہ تو اللہ تک نہیں پہنچتا، مگر جو اللہ کے لیے ہوتا ہے وہ ان کے شرکاء تک پہنچ جاتا ہے۔ کتنا بُرا ہے وہ فیصلہ جو یہ لوگ کرتے ہیں۔"

۵۔ بتوں کے تقرب کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ وہ مشرکین کھیتی اور چوپائے کے اندر مختلف قسم کی نذریں مانتے تھے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَالُوا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَاۤ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ (۶:۱۳۸)

"ان مشرکین نے کہا کہ یہ چوپائے اور کھیتیاں ممنوع ہیں۔ انہیں وہی کھا سکتا ہے جسے ہم چاہیں ـــــ ان کے خیال میں ـــــ اور یہ وہ چوپائے ہیں جن کی پیٹھ حرام کی گئی ہے (نہ ان پر سواری کی جا سکتی ہے نہ سامان لادا جا سکتا ہے) اور کچھ چوپائے ایسے ہیں جن پر یہ لوگ اللہ پر افتراء کرتے ہوئے ـــــ اللہ کا نام نہیں لیتے۔"

۶۔ ان ہی جانوروں میں بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حامی تھے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ بحیرہ، سائبہ کی بچی کو کہا جاتا ہے۔ اور سائبہ اس اونٹنی کو کہا جاتا ہے جس سے دس بار پے در پے مادہ بچے پیدا ہوں، درمیان میں کوئی نر نہ پیدا ہو۔ ایسی اونٹنی کو آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا اس پر سواری نہیں کی جاتی تھی، اس کے بال نہیں کاٹے جاتے تھے۔ اور مہمان کے سوا کوئی اس کا دودھ نہیں پیتا تھا، اس کے بعد یہ اونٹنی جو مادہ بچہ جنتی اس کا کان چیر دیا جاتا اور اسے بھی اس کی ماں کے ساتھ آزاد چھوڑ دیا جاتا۔ اس پہ سواری نہ کی جاتی۔ اس کا بال نہ کاٹا جاتا۔ اور مہمان کے سوا کوئی اس کا دودھ

نہ بیٹا۔ یہی بحیرہ ہے اور اس کی ماں سائبہ ہے۔

وصیلہ اُس بکری کو کہا جاتا تھا جو پانچ دفعہ پے درپے دو دو مادہ بچے جنتی (یعنی پانچ بار میں دس مادہ بچے پیدا ہوتے) درمیان میں کوئی نر نہ پیدا ہوتا۔ اس بکری کو اس لیے وصیلہ کہا جاتا تھا کہ وہ سارے مادہ بچوں کو ایک دوسرے سے جوڑ دیتی تھی۔ اس کے بعد اس بکری سے جو بچے پیدا ہوتے انہیں صرف مرد کھا سکتے تھے عورتیں نہیں کھا سکتی تھیں۔ البتہ اگر کوئی بچہ مُردہ پیدا ہوتا تو اس کو مرد عورت سبھی کھا سکتے تھے۔

حَامی اُس نَر اونٹ کو کہتے تھے جس کی جُفتی سے پے درپے دس مادہ بچے پیدا ہوتے، درمیان میں کوئی نَر نہ پیدا ہوتا۔ ایسے اونٹ کی پیٹھ محفوظ کر دی جاتی تھی۔ نہ اس پر سواری کی جاتی تھی، نہ اس کا بال کاٹا جاتا تھا۔ بلکہ اسے اونٹوں کے ریوڑ میں جُفتی کے لیے آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اور اس کے سوا اس سے کوئی دوسرا فائدہ نہ اٹھایا جاتا تھا۔ دَورِ جاہلیت کی بُت پرستی کے ان طریقوں کی تردید کرتے ہُوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآىِٕبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ (۵:۱۰۳)

"اللہ نے نہ کوئی بحیرہ، نہ کوئی سائبہ نہ کوئی وصیلہ اور نہ کوئی حامی بنایا ہے لیکن جن لوگوں نے کفر کیا وہ اللہ پر جُھوٹ گھڑتے ہیں اور ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے۔"

ایک دوسری جگہ فرمایا:

وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓي اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَاۗءُ ۭ (۶:۱۳۹)

"ان (مشرکین) نے کہا کہ ان چوپایوں کے پیٹ میں جو کچھ ہے وہ خالص ہمارے مَردوں کے لئے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے۔ البتہ اگر وہ مردہ ہو تو اس میں مرد عورت سب شریک ہیں۔"

چوپایوں کی مذکورہ اقسام یعنی بحیرہ، سائبہ وغیرہ کے کچھ دوسرے مطالب بھی بیان کئے گئے ہیں[۶۸] جو ابن اسحاق کی مذکورہ تفسیر سے قدرے مختلف ہیں۔

---

[۶۸] سیرت ابن ہشام ۱/۸۹، ۹۰

حضرت سعید بن مُسَیَّب رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ یہ جانور ان کے طاغوتوں کے لیے تھے۔[۵]
اور صحیح بخاری میں مرفوعاً مروی ہے کہ عمرو بن لُحَی پہلا شخص ہے جس نے بتوں کے نام پر جانور چھوڑے[۶]

عرب اپنے بتوں کے ساتھ یہ سب کچھ اس عقیدے کے ساتھ کرتے تھے کہ یہ بُت انہیں اللہ کے قریب کر دیں گے اور اللہ کے حضور ان کی سفارش کر دیں گے۔ چنانچہ قرآن مجید میں بتایا گیا ہے کہ مشرکین کہتے تھے:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ط (۳۹:۳)

"ہم ان کی عبادت محض اس لیے کر رہے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں"

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ط (۱۰:۱۸)

"یہ مشرکین اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں نہ نفع پہنچا سکیں نہ نقصان اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔"

مشرکینِ عرب اَزلام یعنی فال کے تیر بھی استعمال کرتے تھے۔ (ازلام، زَلَم کی جمع ہے۔ اور زَلَم اُس تیر کو کہتے ہیں جس میں پَر نہ لگے ہوں) فال گیری کے لیے استعمال ہونے والے یہ تیر تین قسم کے ہوتے تھے۔ ایک وہ جن پر صرف "ہاں" یا "نہیں" لکھا ہوتا تھا۔ اس قسم کے تیر سفر اور نکاح وغیرہ جیسے کاموں کے لیے استعمال کیے جاتے تھے۔ اگر فال میں "ہاں" نکلتا تو مطلوبہ کام کر ڈالا جاتا اگر "نہیں" نکلتا تو سال بھر کے لیے ملتوی کر دیا جاتا اور آئندہ پھر فال نکالی جاتی۔

فال گیری کے تیروں کی دُوسری قسم وہ تھی جن پر پانی اور دِیَت وغیرہ درج ہوتے تھے

اور تیسری قسم وہ تھی جس پر یہ درج ہوتا تھا کہ "تم میں سے ہے" یا "تمہارے علاوہ سے ہے" یا "ملحق" ہے۔ ان تیروں کا مصرف یہ تھا کہ جب کسی کے نسب میں شبہہ ہوتا تو اسے ایک سو اُونٹوں سمیت ہُبَل کے پاس لے جاتے۔ اونٹوں کو تیر والے مہنت کے حوالے کرتے اور وہ تمام تیروں کو ایک ساتھ ملا کر گھماتا جھنجھوڑتا، پھر ایک تیر نکالتا۔ اب اگر یہ نکلتا کہ "تم میں سے ہے" تو وہ ان کے قبیلے کا ایک معزز فرد قرار پاتا اور اگر یہ برآمد ہوتا کہ "تمہارے غیر سے ہے" تو حلیف

---

[۵] صحیح بخاری ۱/۴۹۹ [۶] ایضاً ایضاً

قرار پاتا اور اگر یہ نکلتا کہ "ملحق" ہے تو ان کے اندر اپنی حیثیت پر برقرار رہتا، نہ قبیلے کا فرد مانا جاتا نہ حلیف[۷]

اسی سے ملتا جلتا ایک رواج مشرکین میں جُوا کھیلنے اور جوئے کے تیر استعمال کرنے کا تھا۔ اسی تیر کی نشاندہی پر وہ جُوئے کا اُونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت بانٹتے تھے[۸]

مشرکینِ عرب کاہنوں، عرّافوں اور نجومیوں کی خبروں پر بھی ایمان رکھتے تھے۔ کاہن اسے کہتے ہیں جو آنے والے واقعات کی پیش گوئی کرے اور رازہائے سربستہ سے واقفیت کا دعویدار ہو۔ بعض کاہنوں کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ ایک جن ان کے تابع ہے جو انہیں خبریں پہنچاتا رہتا ہے، اور بعض کاہن کہتے تھے کہ انہیں ایسا فہم عطا کیا گیا ہے جس کے ذریعے وہ غیب کا پتہ لگا لیتے ہیں۔ بعض اس بات کے مدعی تھے کہ جو آدمی ان سے کوئی بات پوچھنے آتا ہے اسکے قول و فعل سے یا اس کی حالت سے، کچھ مقدمات اور اسباب کے ذریعے وہ جائے واردات کا پتا لگا لیتے ہیں۔ اس قسم کے آدمی کو عرّاف کہا جاتا تھا۔ مثلاً وہ شخص جو چوری کے مال، چوری کی جگہ اور گم شدہ جانور وغیرہ کا پتا ٹھکانا بتاتا۔

نجومی اسے کہتے ہیں جو تاروں پر غور کر کے اور ان کی رفتار و اوقات کا حساب لگا کر پتا لگاتا ہے کہ دنیا میں آئندہ کیا حالات و واقعات پیش آئیں گے[۹]۔ ان نجومیوں کی خبروں کو ماننا درحقیقت تاروں پر ایمان لانا ہے اور تاروں پر ایمان لانے کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ مشرکینِ عرب نچھتّروں پر ایمان رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم پر فلاں اور فلاں نچھتّر سے بارش ہُوئی ہے[۱۰]

مشرکین میں بدشگونی کا بھی رواج تھا۔ اسے عربی میں طِیَرۃ کہتے ہیں۔ اس کی صورت یہ تھی کہ مشرکین کسی چڑیا یا ہرن کے پاس جا کر اسے بھگاتے تھے۔ پھر اگر وہ داہنے جانب بھاگتا تو اسے اچھائی اور کامیابی کی علامت سمجھ کر اپنا کام کر گذرتے اور اگر بائیں جانب بھاگتا تو اسے نحوست کی علامت سمجھ کر اپنے کام سے باز رہتے۔ اسی طرح اگر کوئی چڑیا یا جانور راستہ کاٹ دیتا تو اسے بھی منحوس سمجھتے۔

---

[۷] محاضرات خضری ۱/۵۶، ابن ہشام ۱/۱۰۲، ۱۰۳

[۸] اس کا طریقہ یہ تھا کہ جوا کھیلنے والے ایک اونٹ ذبح کر کے اسے دس یا اٹھائیس حصّوں پر تقسیم کرتے۔ پھر تیروں سے قرعہ اندازی کرتے۔ کسی تیر پر جیت کا نشان بنا ہوتا اور کوئی تیر بے نشان ہوتا۔ جس کے نام پر جیت کے نشان والا تیر نکلتا وہ تو کامیاب مانا جاتا اور اپنا حصہ لیتا اور جس کے نام پر بے نشان تیر نکلتا اسے قیمت دینی پڑتی۔

[۹] مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح ۲/۲، ۳ طبع لکھنؤ۔

[۱۰] ملاحظہ ہو صحیح مسلم مع شرح نووی: کتاب الایمان، باب بیان کفر من قال مُطرنا بالنوء ۱/۹۵

اسی سے ملتی جلتی ایک حرکت یہ بھی تھی کہ مشرکین، خرگوش کے ٹخنے کی ہڈی لٹکاتے تھے اور بعض دنوں، مہینوں، جانوروں، گھروں اور عورتوں کو منحوس سمجھتے تھے۔ بیماریوں کی چھوت کے قائل تھے اور رُوح کے اُلّو بن جانے کا عقیدہ رکھتے تھے۔ یعنی ان کا عقیدہ تھا کہ جب تک مقتول کا بدلہ نہ لیا جاتے، اس کو سکون نہیں ملتا اور اس کی رُوح اُلّو بن کر بیابانوں میں گردش کرتی رہتی ہے اور "پیاس، پیاس" یا "مجھے پلاؤ، مجھے پلاؤ" کی صدا لگاتی رہتی ہے۔ جب اس کا بدلہ لے لیا جاتا ہے تو اسے راحت اور سکون مل جاتا ہے۔[۱]

دین ابراہیمی میں قریش کی بدعات

یہ تھے اہلِ جاہلیت کے عقائد و اعمال۔ اس کے ساتھ ہی ان کے اندر دینِ ابراہیمی کے کچھ باقیات بھی تھے۔ یعنی انہوں نے یہ دین پورے طور پر نہیں چھوڑا تھا۔ چنانچہ وہ بیت اللہ کی تعظیم اور اس کا طواف کرتے تھے۔ حج وعمرہ کرتے تھے، عرفات و مزدلفہ میں ٹھہرتے تھے اور ہَدی کے جانوروں کی قربانی کرتے تھے۔ البتہ انہوں نے اس دینِ ابراہیمی میں بہت سی بدعتیں ایجاد کرکے شامل کر دی تھیں۔ مثلاً:۔

○ قریش کی ایک بدعت یہ تھی کہ وہ کہتے تھے ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں، حرم کے پاسبان، بیت اللہ کے والی اور مکہ کے باشندے ہیں، کوئی شخص ہمارا ہم مرتبہ نہیں اور نہ کسی کے حقوق ہمارے حقوق کے مساوی ہیں ——— اور اسی بنا پر یہ اپنا نام حُمس (بہادر اور گرم جوش) رکھتے تھے ——— لہٰذا ہمارے شایانِ شان نہیں کہ ہم حدودِ حرم سے باہر جائیں۔ چنانچہ حج کے دوران یہ لوگ عرفات نہیں جاتے تھے اور نہ وہاں سے اِفَاضَہ کرتے تھے بلکہ مُزْدَلِفَہ ہی میں ٹھہر کر وہیں سے افاضہ کر لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بدعت کی اصلاح کرتے ہوئے فرمایا ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ.. (۲:۱۹۹) یعنی "تم لوگ بھی وہیں سے اِفَاضَہ کرو جہاں سے سارے لوگ افاضہ کرتے ہیں۔"[۲]

○ ان کی ایک بدعت یہ بھی تھی کہ وہ کہتے تھے کہ حُمس (قریش) کے لیے احرام کی حالت میں پنیر اور گھی بنانا درست نہیں اور نہ یہ درست ہے کہ بال والے گھر (یعنی کمبل کے خیمے) میں داخل

---

[۱] صحیح بخاری ۲/۸۵۱، ۸۵۷ مع شروح۔ [۲] ابن ہشام ۱/۱۹۹، صحیح بخاری ۱/۲۲۶

ہوں اور نہ یہ درست ہے کہ سایہ حاصل کرنا ہو تو چمڑے کے خیمے کے سوا کہیں اور سایہ حاصل کریں[۱۳]

○ ان کی ایک بدعت یہ بھی تھی کہ وہ کہتے تھے کہ بیرونِ حرم کے باشندے حج یا عمرہ کرنے کے لیے آئیں اور بیرونِ حرم سے کھانے کی کوئی چیز لے کر آئیں تو اسے ان کے لیے کھانا درست نہیں[۱۴]

○ ایک بدعت یہ بھی تھی کہ انھوں نے بیرونِ حرم کے باشندوں کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ حرم میں آنے کے بعد پہلا طواف حمس سے حاصل کئے ہوئے کپڑوں ہی میں کریں۔ چنانچہ اگر ان کا کپڑا دستیاب نہ ہوتا تو مرد ننگے طواف کرتے۔ اور عورتیں اپنے سارے کپڑے اتار کر صرف ایک چھوٹا سا کھلا ہوا کرتا پہن لیتیں۔ اور اسی میں طواف کرتیں اور دوران طواف یہ شعر پڑھتی جاتیں:

اَلْیَوْمَ یَبْدُوْ بَعْضُہٗ اَوْکُلُّہٗ وَمَا بَدَا مِنْہُ فَلَا اُحِلُّہٗ

"آج کچھ یا کُل شرمگاہ کھل جائے گی۔ لیکن جو کُھل جائے میں اسے (دیکھنا) حلال نہیں قرار دیتی"

اللہ تعالیٰ نے اس خرافات کے خاتمے کے لیے فرمایا: یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ .. (۷:۳۱) "اے آدم کے بیٹو! ہر مسجد کے پاس اپنی زینت اختیار کر لیا کرو"

بہرحال اگر کوئی عورت یا مرد برتر اور معزز بن کر، بیرونِ حرم سے لائے ہوئے اپنے ہی کپڑوں میں طواف کر لیتا تو طواف کے بعد ان کپڑوں کو پھینک دیتا، ان سے نہ خود فائدہ اٹھاتا نہ کوئی اور[۱۵]

○ قریش کی ایک بدعت یہ بھی تھی کہ وہ حالتِ احرام میں گھر کے اندر دروازے سے داخل نہ ہوتے تھے بلکہ گھر کے پچھواڑے ایک بڑا سا سوراخ بنا لیتے اور اسی سے آتے جاتے تھے اور اپنے اس اُجڈپنے کو نیکی سمجھتے تھے۔ قرآن کریم نے اس سے بھی منع فرمایا۔ (۲: ۱۸۹)

یہی دین ــــ یعنی شرک و بُت پرستی اور توہمات و خرافات پر مبنی عقیدہ و عمل والا دین ــــ عام اہلِ عرب کا دین تھا۔

اس کے علاوہ جزیرۃ العرب کے مختلف اطراف میں یہودیت، مسیحیت، مجوسیت اور صابئیت نے بھی دَر آنے کے مواقع پالیے تھے، لہٰذا ان کا تاریخی خاکہ بھی مختصراً پیش کیا جا رہا ہے۔

جزیرۃ العرب میں یہود کے کم از کم دو اَدوار ہیں۔ پہلا دَور اس وقت سے تعلق رکھتا ہے

---

[۱۳] ابن ہشام ۱/۲۰۲ [۱۴] ایضاً ایضاً [۱۵] ایضاً ۱/۲۰۲، ۲۰۳ وصحیح بخاری ۱/۲۲۶

جب فلسطین میں بابل اور آشور کی حکومت کی فتوحات کے سبب یہودیوں کو ترکِ وطن کرنا پڑا۔ اس حکومت کی سخت گیری اور بخت نصر کے ہاتھوں یہودی بستیوں کی تباہی و ویرانی، ان کے ہیکل کی بربادی اور ان کی اکثریت کی ملک بابل کو جلاوطنی کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہود کی ایک جماعت فلسطین چھوڑ کر حجاز کے شمالی اطراف میں آبسی[161]

دوسرا دور اُس وقت شروع ہوتا ہے جب ٹائیٹس رومی کی زیرِ قیادت ۷۰ء میں رومیوں نے فلسطین پر قبضہ کیا۔ اس موقع پر رومیوں کے ہاتھوں یہودیوں کی دار و گیر اور ان کے ہیکل کی بربادی کا نتیجہ یہ ہُوا کہ متعدد یہودی قبیلے حجاز بھاگ آئے اور یثرب، خیبر اور تیما میں آباد ہو کر یہاں اپنی باقاعدہ بستیاں بسالیں اور قلعے اور گڑھیاں تعمیر کر لیں۔ ان تارکینِ وطن یہود کے ذریعے عرب باشندوں میں کسی قدر یہودی مذہب کا بھی رواج ہوا اور اسے بھی ظہورِ اسلام سے پہلے اور اس کے ابتدائی دور کے سیاسی حوادث میں ایک قابلِ ذکر حیثیت حاصل ہوگئی۔ ظہورِ اسلام کے وقت مشہور یہودی قبائل یہ تھے۔ خَیبَر، نَضِیر، مُصْطَلِق، قُرَیظَہ اور قَینُقَاع۔ سَمْہُودِی نے وفاء الوفا ص ۱/۱۱۶ میں ذکر کیا ہے کہ یہود قبائل کی تعداد بیس سے زیادہ تھی[162]

یہودیت کو یمن میں بھی فروغ حاصل ہُوا۔ یہاں اس کے پھیلنے کا سبب تبان اسعد ابو کرب تھا۔ یہ شخص جنگ کرتا ہوا یثرب پہنچا۔ وہاں یہودیت قبول کر لی اور بنو قُرَیظَہ کے دو یہودی علماء کو اپنے ساتھ یمن لے آیا اور ان کے ذریعے یہودیت کو یمن میں وسعت اور پھیلاؤ حاصل ہوا۔ ابو کرب کے بعد اس کا بیٹا یوسف ذو نواس یمن کا حاکم ہُوا تو اس نے یہودیت کے جوش میں نجران کے عیسائیوں پر حملہ بول دیا اور انہیں مجبور کیا کہ یہودیت قبول کریں، مگر انھوں نے انکار کر دیا۔ اس پر ذو نواس نے خندق کھدوائی اور اس میں آگ جلوا کر بوڑھے، بچے، مرد عورت سب کو بلا تمیز آگ کے الاؤ میں جھونک دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس حادثے کا شکار ہونے والوں کی تعداد بیس سے چالیس ہزار کے درمیان تھی۔ یہ اکتوبر ۵۲۳ء کا واقعہ ہے۔ قرآنِ مجید نے سورۂ بروج میں اسی واقعے کا ذکر کیا ہے[163]

جہاں تک عیسائی مذہب کا تعلق ہے تو بلادِ عرب میں اس کی آمد حبشی اور رومی قبضہ گیروں

---

۱۶۱ قلب جزیرۃ العرب ص ۲۵۱ ۱۶۲ ایضاً ایضاً

۱۶۳ ابن ہشام ۱/۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۷، ۳۱، ۳۵، ۳۶، نیز ملاحظہ فرمائیے کتب تفسیر، تفسیر سورۂ بروج

اور فاتحین کے ذریعے ہوئی ہم بتا چکے ہیں کہ یمن پر حبشیوں کا قبضہ پہلی بار ۳۴۰ء میں ہوا۔ اور ۳۷۸ء تک برقرار رہا۔ اس دوران یمن میں مسیحی مشن کام کرتا رہا۔ تقریباً اسی زمانے میں ایک مستجاب الدعوات اور صاحبِ کرامات زاہد جس کا نام فیمیون تھا، نجران پہنچا اور وہاں کے باشندوں میں عیسائی مذہب کی تبلیغ کی۔ اہلِ نجران نے اس کی اور اس کے دین کی سچائی کی کچھ ایسی علامات دیکھیں کہ وہ عیسائیت کے حلقہ بگوش ہوگئے۔[19]

پھر ذُو نواس کی کارروائی کے رَدِ عمل کے طور پر حبشیوں نے دوبارہ یمن پر قبضہ کیا اور اَبْرَہَہ نے حکومتِ یمن کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی تو اس نے بڑے جوش وخروش کے ساتھ بڑے پیمانے پر عیسائیت کو فروغ دینے کی کوشش کی۔ اسی جوش وخروش کا نتیجہ تھا کہ اس نے یمن میں ایک کعبہ تعمیر کیا اور کوشش کی کہ اہلِ عرب کو مکہ اور بیت اللہ سے روک کر اسی کا حج کرائے اور مکہ کے بیت اللہ شریف کو ڈھا دے۔ لیکن اس کی اس جراٴت پر اللہ تعالیٰ نے اسے ایسی سزا دی کہ اولین وآخرین کے لیے عبرت بن گیا۔

دوسری طرف رومی علاقوں کی ہمسائیگی کے سبب آلِ غَسّان، بنو تَغلِب اور بنو طَیّ وغیرہ قبائل عرب میں بھی عیسائیت پھیل گئی تھی۔ بلکہ حیرہ کے بعض عرب بادشاہوں نے بھی عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا۔

جہاں تک مجوسی مذہب کا تعلق ہے تو اسے زیادہ تر اہلِ فارس کے ہمسایہ عربوں میں فروغ حاصل ہوا تھا۔ مثلاً عراق عرب، بحرین، (الاحساء) ھجر اور خلیج عربی کے ساحلی علاقے۔ ان کے علاوہ یمن پر فارسی قبضے کے دوران وہاں بھی اکا دُکا افراد نے مجوسیت قبول کی۔

باقی رہا صابی مذہب تو عراق وغیرہ کے آثار قدیمہ کی کھدائی کے دوران جو کتبات برآمد ہوئے ہیں ان سے پتا چلتا ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کلدانی قوم کا مذہب تھا۔ دَورِ قدیم میں شام و یمن کے بہت سے باشندے بھی اسی مذہب کے پَیرَو تھے، لیکن جب یہودیت اور پھر عیسائیت کا دَور دَورہ ہوا تو اس مذہب کی بنیادیں ہل گئیں اور اس کی شمعِ فروزاں گل ہو کر رہ گئی۔ تاہم مجوس کے ساتھ خلط ملط ہو کر یا ان کے پڑوس میں عراق عرب اور خلیج عربی کے ساحل پر اس مذہب کے کچھ نہ کچھ پَیرو کار باقی رہے۔[20]

---

[19] ابن ہشام ۱/۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴   [20] تاریخ ارض القرآن ۲/۱۹۳ — ۲۰۸

دینی حالت

جس وقت اسلام کا نیرِ تاباں طلوع ہوا ہے یہی مذاہب وادیان تھے جو عرب میں پائے جاتے تھے۔ لیکن یہ سارے ہی مذاہب شکست وریخت سے دوچار تھے۔ مشرکین جن کا دعویٰ تھا کہ ہم دینِ ابراہیمی پر ہیں شریعتِ ابراہیمی کے اوامر ونواہی سے کوسوں دُور تھے۔ اس شریعت نے جن مکارمِ اخلاق کی تعلیم دی تھی ان سے ان مشرکین کو کوئی واسطہ نہ تھا۔ ان میں گناہوں کی بھرمار تھی اور طولِ زمانہ کے سبب ان میں بھی بُت پرستوں کی وہی عادات ورسوم پیدا ہو چلی تھیں جنہیں دینی خرافات کا درجہ حاصل ہے۔ ان عادات ورسوم نے ان کی اجتماعی سیاسی اور دینی زندگی پر نہایت گہرے اثرات ڈالے تھے۔

یہودی مذہب کا حال یہ تھا کہ وہ محض ریاکاری اور تحکم بن گیا تھا۔ یہودی پیشوا اللہ کے بجائے خود رب بن بیٹھے تھے۔ لوگوں پر اپنی مرضی چلاتے تھے اور ان کے دلوں میں گزرنے والے خیالات اور ہونٹوں کی حرکات تک کا محاسبہ کرتے تھے۔ ان کی ساری توجہ اس بات پر مرکوز تھی کہ کسی طرح مال وریاست حاصل ہو، خواہ دین برباد ہی کیوں نہ ہو اور کفر والحاد کو فروغ ہی کیوں نہ حاصل ہو اور ان تعلیمات کے ساتھ تساہل ہی کیوں نہ برتا جائے جن کی تقدیس کا اللہ تعالےٰ نے ہر شخص کو حکم دیا ہے اور جن پر عمل درآمد کی ترغیب دی ہے۔

عیسائیت ایک ناقابلِ فہم بُت پرستی بن گئی تھی۔ اس نے اللہ اور انسان کو عجیب طرح سے خلط ملط کر دیا تھا۔ پھر جن عربوں نے اس دین کو اختیار کیا تھا ان پر اس دین کا کوئی حقیقی اثر نہ تھا کیونکہ اس کی تعلیمات ان کے مالوف طرزِ زندگی سے میل نہیں کھاتی تھیں اور وہ اپنا طرزِ زندگی چھوڑ نہیں سکتے تھے۔

باقی ادیانِ عرب کے ماننے والوں کا حال مشرکین ہی جیسا تھا کیونکہ ان کے دل یکساں تھے عقائد ایک سے تھے، اور رسم ورواج میں ہم آہنگی تھی۔

جاہلی معاشرے کی چند جھلکیاں

جزیرۃ العرب کے سیاسی اور مذہبی حالات بیان کر لینے کے بعد اب وہاں کے اجتماعی، اقتصادی اور اخلاقی حالات کا خاکہ مختصراً پیش کیا جا رہا ہے۔

اجتماعی حالات

عرب آبادی مختلف طبقات پر مشتمل تھی اور ہر طبقے کے حالات ایک دوسرے سے بہت زیادہ مختلف تھے۔ چنانچہ طبقۂ اشراف میں مرد عورت کا تعلق خاصا ترقی یافتہ تھا۔ عورت کو بہت کچھ خود مختاری حاصل تھی۔ اس کی بات مانی جاتی تھی۔ اور اس کا اتنا احترام اور تحفظ کیا جاتا تھا کہ اس راہ میں تلواریں نکل پڑتی تھیں اور خونریزیاں ہو جاتی تھیں۔ آدمی جب اپنے کرم و شجاعت پر جسے عرب میں بڑا بلند مقام حاصل تھا اپنی تعریف کرنا چاہتا تو عموماً عورت ہی کو مخاطب کرتا۔ بسا اوقات عورت چاہتی تو قبائل کو صلح کے لیے اکٹھا کر دیتی اور چاہتی تو ان کے درمیان جنگ اور خونریزی کے شعلے بھڑکا دیتی، لیکن ان سب کے باوجود بلا نزاع مرد ہی کو خاندان کا سربراہ مانا جاتا تھا اور اس کی بات فیصلہ کن ہوا کرتی تھی۔ اس طبقے میں مرد اور عورت کا تعلق عقد نکاح کے ذریعے ہوتا تھا، اور یہ نکاح عورت کے اولیاء کے زیر نگرانی انجام پاتا تھا۔ عورت کو یہ حق نہ تھا کہ ان کی ولایت کے بغیر اپنے طور پر اپنا نکاح کر لے۔

ایک طرف طبقہ اشراف کا یہ حال تھا تو دوسری طرف دُوسرے طبقوں میں مرد و عورت کے اختلاط کی اور بھی کئی صورتیں تھیں جنہیں بدکاری و بے حیائی اور فحش کاری و زناکاری کے سوا کوئی اور نام نہیں دیا جا سکتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ جاہلیت میں نکاح کی چار صورتیں تھیں۔ ایک تو وہی صورت تھی جو آج بھی لوگوں میں رائج ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کو اس کی زیرِ ولایت لڑکی کے لیے نکاح کا پیغام دیتا۔ پھر منظوری کے بعد مہر دے کر اس سے نکاح کر لیتا۔ دوسری صورت یہ تھی کہ عورت جب حیض سے پاک ہوتی تو اس کا شوہر کہتا کہ فلاں شخص کے پاس پیغام بھیج کر اس سے اس کی شرمگاہ حاصل کرو (یعنی زنا کراؤ) اور شوہر خود اس سے الگ تھلگ رہتا اور اس کے قریب نہ جاتا یہاں تک کہ واضح ہو جاتا کہ جس آدمی سے شرمگاہ حاصل

کی تھی (یعنی زنا کرایا تھا) اس سے حمل ٹھہر گیا ہے۔ جب حمل واضح ہو جاتا تو اس کے بعد اگر شوہر چاہتا تو اس عورت کے پاس جاتا۔ ایسا اس لیے کیا جاتا تھا کہ لڑکا شریف اور باکمال پیدا ہو۔ اس نکاح کو نکاحِ استبضاع کہا جاتا تھا (اور اسی کو ہندوستان میں نیوگ کہتے ہیں۔) نکاح کی تیسری صورت یہ تھی کہ دس آدمیوں سے کم کی ایک جماعت اکٹھا ہوتی۔ سب کے سب ایک ہی عورت کے پاس جاتے اور بدکاری کرتے۔ جب وہ عورت حاملہ ہو جاتی اور بچہ پیدا ہوتا تو پیدائش کے چند رات بعد وہ عورت سب کو بلا بھیجتی اور سب کو آنا پڑتا مجال نہ تھی کہ کوئی نہ آئے۔ اس کے بعد وہ عورت کہتی کہ آپ لوگوں کا جو معاملہ تھا وہ تو آپ لوگ جانتے ہی ہیں اور اب میرے بطن سے بچہ پیدا ہوا ہے اور اے فلاں وہ تمہارا بیٹا ہے۔ وہ عورت ان میں سے جس کا نام چاہتی لے لیتی اور وہ اُس کا لڑکا مان لیا جاتا۔

چوتھا نکاح یہ تھا کہ بہت سے لوگ اکٹھے ہوتے اور کسی عورت کے پاس جاتے۔ وہ اپنے پاس کسی آنے والے سے انکار نہ کرتی۔ یہ رنڈیاں ہوتی تھیں جو اپنے دروازوں پر جھنڈیاں گاڑے رکھتی تھیں تاکہ یہ نشانی کا کام دے اور جو ان کے پاس جانا چاہے بے دھڑک چلا جائے۔ جب ایسی عورت حاملہ ہوتی اور بچہ پیدا ہوتا تو سب کے سب اس کے پاس جمع ہوتے اور قیافہ شناس کو بلاتے۔ قیافہ شناس اپنی رائے کے مطابق اس لڑکے کو کسی بھی شخص کے ساتھ ملحق کر دیتا۔ پھر یہ اسی سے مربوط ہو جاتا اور اسی کا لڑکا کہلاتا۔ وہ اس سے انکار نہ کر سکتا تھا ـــــ جب اللہ تعالیٰ نے محمّد ﷺ کو مبعوث فرمایا تو جاہلیت کے سارے نکاح منہدم کر دیئے۔ صرف اسلامی نکاح باقی رہا جو آج رائج ہے۔[1]

عرب میں مرد و عورت کے ارتباط کی بعض صورتیں ایسی بھی تھیں جو تلوار کی دھار اور نیزے کی نوک پر وجود میں آتی تھیں یعنی قبائلی جنگوں میں غالب آنے والا قبیلہ مغلوب قبیلے کی عورتوں کو قید کرکے اپنے حرم میں داخل کر لیتا تھا، لیکن ایسی عورتوں سے پیدا ہونے والی اولاد زندگی بھر عار محسوس کرتی تھی۔

زمانۂ جاہلیت میں کسی تحدید کے بغیر متعدد بیویاں رکھنا بھی ایک معروف بات تھی۔ لوگ ایسی دو عورتیں بھی بیک وقت نکاح میں رکھ لیتے تھے جو آپس میں سگی بہن ہوتی تھیں۔ باپ کے طلاق دینے یا وفات پانے کے بعد بیٹا اپنی سوتیلی ماں سے بھی نکاح کر لیتا تھا۔ طلاق کا اختیار مرد کو حاصل تھا اور اس کی کوئی حد معین نہ تھی۔[2]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب من قال لا نکاح الا بولی ۲/۷۶۹ و ابوداؤد: باب وجوہ النکاح۔

[2] ابوداؤد، نسخ المراجعۃ بعد التطلیقات الثلاث، نیز کتب تفسیر متعلقہ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ

زناکاری تمام طبقات میں عروج پر تھی۔ کوئی طبقہ یا انسانوں کی کوئی قسم اس سے مستثنےٰ نہ تھی۔ البتہ کچھ مرد اور کچھ عورتیں ایسی ضرور تھیں جنہیں اپنی بڑائی کا احساس اس برائی کے کیچڑ میں لت پت ہوتے سے باز رکھتا تھا۔ پھر آزاد عورتوں کا حال لونڈیوں کے مقابل نسبتاً اچھا تھا۔ اصل مصیبت لونڈیاں ہی تھیں۔ اور ایسا لگتا ہے کہ اہل جاہلیت کی غالب اکثریت اس برائی کی طرف منسوب ہونے میں کوئی عار بھی محسوس نہیں کرتی تھی چنانچہ سنن ابی داؤد وغیرہ میں مروی ہے کہ ایک دفعہ ایک آدمی نے کھڑے ہو کر کہا یا رسول اللہ ﷺ فلاں شخص میرا بیٹا ہے۔ میں نے جاہلیت میں اس کی ماں سے زنا کیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اسلام میں ایسے دعوے کی کوئی گنجائش نہیں۔ جاہلیت کی بات گئی، اب تو لڑکا اسی کا ہو گا جس کی بیوی یا لونڈی ہو اور زناکار کے لیے پتھر ہے۔" اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور عبد بن زمعہؓ کے درمیان زمعہ کی لونڈی کے بیٹے —— عبدالرحمٰن بن زمعہ —— کے بارے میں جو جھگڑا پیش آیا تھا وہ بھی معلوم و معروف ہے[۳]

جاہلیت میں باپ بیٹے کا تعلق بھی مختلف نوعیت کا تھا۔ کچھ تو ایسے تھے جو کہتے تھے ؎

إِنَّمَا أَوْلَادُنَا بَيْنَنَا أَكْبَادُنَا تَمْشِي عَلَى الْأَرْضِ

"ہماری اولاد ہمارے کلیجے ہیں جو روئے زمین پر چلتے پھرتے ہیں"

لیکن دوسری طرف کچھ ایسے بھی تھے جو لڑکیوں کو رسوائی اور خرچ کے خوف سے زندہ دفن کر دیتے تھے اور بچوں کو فقر و فاقہ کے ڈر سے مار ڈالتے تھے[۴] لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ سنگ دلی بڑے پیمانے پر رائج تھی کیونکہ عرب اپنے دشمن سے اپنی حفاظت کے لیے دوسروں کی بہ نسبت کہیں زیادہ اولاد کے محتاج تھے اور اس کا احساس بھی رکھتے تھے۔

جہاں تک سگے بھائیوں، چچیرے بھائیوں، اور کنبے قبیلے کے لوگوں کے باہمی تعلقات کا معاملہ ہے تو یہ خاصے پختہ اور مضبوط تھے کیونکہ عرب کے لوگ قبائلی عصبیت ہی کے سہارے جیتے اور اسی کے لیے مرتے تھے۔ قبیلے کے اندر باہمی تعاون اور اجتماعیت کی روح پوری طرح کارفرما ہوتی تھی۔ جسے عصبیت کا جذبہ مزید دو آتشہ رکھتا تھا۔ درحقیقت قومی عصبیت اور قرابت کا تعلق ہی ان کے اجتماعی نظام کی بنیاد تھا۔ وہ لوگ اس مثل پر اس کے لفظی معنی کے مطابق عمل پیرا تھے کہ اُنْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا

---

[۳] صحیح بخاری ۲/ ۹۹۹، ۱۰۶۵، ابوداؤد: اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ

[۴] قرآن مجید ۶: ۱۰۱-۱۵۱: ۵۸، ۵۹-۱۷: ۳۱-۸۱: ۸

اَوْ مَظْلُوماً (اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم) اس مثل کے معنی میں ابھی وہ اصلاح نہیں ہوئی تھی جو بعد میں اسلام کے ذریعے کی گئی یعنی ظالم کی مدد یہ ہے کہ اُسے ظلم سے باز رکھا جائے۔ البتہ شرف وسرداری میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کا جذبہ بہت سی دفعہ ایک ہی شخص سے وجود میں آنے والے قبائل کے درمیان جنگ کا سبب بن جایا کرتا تھا جیسا کہ اَوْس و خزرج، عَبْس و ذُبْیان اور بکر و تغلب وغیرہ کے واقعات میں دیکھا جا سکتا ہے۔

جہاں تک مختلف قبائل کے ایک دوسرے سے تعلقات کا معاملہ ہے تو یہ پوری طرح شکستہ ریختہ تھے۔ قبائل کی ساری قوت ایک دوسرے کے خلاف جنگ میں فنا ہو رہی تھی، البتہ دین اور خرافات کے آمیزے سے تیار شدہ بعض رسوم وعادات کی بدولت بسا اوقات جنگ کی حدت و شدّت میں کمی آجاتی تھی اور بعض حالات میں مُوالاۃ، حلف اور تابعداری کے اصولوں پر مختلف قبائل یکجا ہو جاتے تھے۔ علاوہ ازیں حرام مہینے ان کی زندگی اور حصولِ معاش کے لیے سراپا رحمت ومدد تھے۔

خلاصہ یہ کہ اجتماعی حالت ضُعف و بے بصیرتی کی پستی میں گری ہوئی تھی، جہل اپنی طنابیں تانے ہوئے تھا اور خرافات کا دور دورہ تھا۔ لوگ جانوروں جیسی زندگی گذار رہے تھے۔ عورت بیچی اور خریدی جاتی تھی اور بعض اوقات اس سے مٹی اور پتھر جیسا سلوک کیا جاتا تھا۔ قوم کے باہمی تعلقات کمزور بلکہ ٹوٹے ہُوئے تھے اور حکومتوں کے سارے عزائم اپنی رعایا سے خزانے بھرنے یا مخالفین پر فوج کشی کرنے تک محدود تھے۔

اقتصادی حالت

اقتصادی حالت، اجتماعی حالت کے تابع تھی۔ اس کا اندازہ عرب کے ذرائع معاش پر نظر ڈالنے سے ہوسکتا ہے کہ تجارت ہی ان کے نزدیک ضروریاتِ زندگی حاصل کرنے کا سب سے اہم ذریعہ تھی۔ اور معلوم ہے کہ تجارتی آمد و رفت امن وسلامتی کی فضا کے بغیر آسان نہیں اور جزیرۃ العرب کا حال یہ تھا کہ سوائے حرمت والے مہینوں کے امن وسلامتی کا کہیں وجود نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ صرف حرام مہینوں ہی میں عرب کے مشہور بازار عُکاظ، ذی المجاز اور مجنّہ وغیرہ لگتے تھے۔

جہاں تک صنعتوں کا معاملہ ہے تو عرب اس میدان میں ساری دنیا سے پیچھے تھے۔ کپڑے کی بُنائی اور چمڑے کی دباغت وغیرہ کی شکل میں جو چند صنعتیں پائی بھی جاتی تھیں وہ زیادہ تر یمن، حیرہ اور شام کے متصل علاقوں میں تھیں۔ البتہ اندرونِ عرب کھیتی باڑی اور گلّہ بانی کا کسی قدر رواج تھا۔

ساری عرب عورتیں سوت کاتتی تھیں لیکن مشکل یہ تھی کہ سارا مال و متاع ہمیشہ لڑائیوں کی زد میں رہتا تھا۔ فقر اور بھوک کی وبا عام تھی اور لوگ ضروری کپڑوں اور لباس سے بھی بڑی حد تک محروم رہتے تھے

اخلاق

یہ تو اپنی جگہ مُسلّم ہے ہی کہ اہلِ جاہلیت میں خسیس و رذیل عادتیں اور وجدان و شعور اور عقلِ سلیم کے خلاف باتیں پائی جاتی تھیں لیکن ان میں ایسے پسندیدہ اخلاقِ فاضلہ بھی تھے جنہیں دیکھ کر انسان دنگ اور ششدر رہ جاتا ہے۔ مثلاً:

۱۔ کرم و سخاوت —— یہ اہلِ جاہلیت کا ایسا وصف تھا جس میں وہ ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کرتے تھے اور اس پر اس طرح فخر کرتے تھے کہ عرب کے آدھے اشعار اسی کی نذر ہو گئے ہیں۔ اس وصف کی بنیاد پر کسی نے خود اپنی تعریف کی ہے تو کسی نے کسی اور کی۔ حالت یہ تھی کہ سخت جاڑے اور بھوک کے زمانے میں کسی کے گھر کوئی مہمان آجاتا اور اس کے پاس اپنی اس ایک اونٹنی کے سوا کچھ نہ ہوتا جو اس کی اور اس کے کنبے کی زندگی کا واحد ذریعہ ہوتی تو بھی —— ایسی سنگین حالت کے باوجود —— اس پر سخاوت کا جوش غالب آجاتا اور وہ اٹھ کر اپنے مہمان کے لیے اپنی اونٹنی ذبح کر دیتا۔ ان کے کرم ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ بڑی بڑی دیت اور مالی ذمہ داریاں اٹھا لیتے اور اس طرح انسانوں کو بربادی اور خونریزی سے بچا کر دوسرے رئیسوں اور سرداروں کے مقابل فخر کرتے تھے۔

اسی کرم کا نتیجہ تھا کہ وہ شراب نوشی پر فخر کرتے تھے۔ اس لیے نہیں کہ یہ بذاتِ خود کوئی فخر کی چیز تھی بلکہ اس لیے کہ یہ کرم و سخاوت کو آسان کر دیتی تھی کیونکہ نشے کی حالت میں مال لٹانا انسانی طبیعت پر گراں نہیں گزرتا۔ اس لیے یہ لوگ انگور کے درخت کو کرم اور انگور کی شراب کو بنت الکرم کہتے تھے۔ جاہلی اشعار کے دواوین پر نظر ڈالیے تو یہ مدح و فخر کا ایک اہم باب نظر آئے گا۔ عنترہ بن شداد عبسی اپنے معلقہ میں کہتا ہے:

ولقد شربت من المدامة بعد ما ... ركد الهواجر بالمشوف المعلم

بزجاجة صفراء ذات أسرة ... قرنت بأزهر بالشمال مفدم

فاذا شربت فاننی مستهلك ... مالی، وعرضی وافر لم یكلم

واذا صحوت فما اقصر عن ندى ... وكما علمت شمائلی وتكرمی

" میں نے دوپہر کی تیزی رکنے کے بعد ایک زرد رنگ کے دھاری دار جام بلوریں سے جو بائیں جانب رکھی ہوئی تابناک اور منہ بند خُم کے ساتھ تھا، نشان لگی ہوئی صاف شفاف شراب پی۔ اور جب میں

پی لیتا ہوں تو اپنا مال لٹا ڈالتا ہوں۔ لیکن میری آبرو بھرپور رہتی ہے اس پر کوئی چوٹ نہیں آتی۔ اور جب میں ہوش میں آتا ہوں تب بھی سخاوت میں کوتاہی نہیں کرتا اور میرا اخلاق و کرم جیسا کچھ ہے تمہیں معلوم ہے"۔

ان کے کرم ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ جوا کھیلتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ بھی سخاوت کی ایک راہ ہے کیونکہ انہیں جو نفع حاصل ہوتا، یا نفع حاصل کرنے والوں کے حصے سے جو کچھ فاضل بچ رہتا اسے مسکینوں کو دے دیتے تھے۔ اسی لیے قرآن پاک نے شراب اور جوئے کے نفع کا انکار نہیں کیا بلکہ یہ فرمایا کہ وَاِثْمُھُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِھِمَا (۲:۲۱۹)" ان دونوں کا گناہ ان کے نفع سے بڑھ کر ہے"۔

۲۔ وفائے عہد — یہ بھی دورِ جاہلیت کے اخلاقِ فاضلہ میں سے ہے۔ عہد کو ان کے نزدیک دین کی حیثیت حاصل تھی جس سے وہ بہرحال چمٹے رہتے تھے۔ اور اس راہ میں اپنی اولاد کا خون اور اپنے گھربار کی تباہی بھی ہیچ سمجھتے تھے۔ اسے سمجھنے کے لیے ہانی بن مسعود شیبانی، سموأل بن عادیا اور حاجب بن زرارہ کے واقعات کافی ہیں۔

۳۔ خودداری و عزتِ نفس —— اس پر قائم رہنا اور ظلم و جبر برداشت نہ کرنا بھی جاہلیت کے معروف اخلاق میں سے تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کی شجاعت و غیرت حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ وہ فوراً بھڑک اٹھتے تھے اور ذرا ذرا سی بات پر جس سے ذلت و اہانت کی بو آتی، شمشیر و سنان اٹھا لیتے اور نہایت خونریز جنگ چھیڑ دیتے۔ انہیں اس راہ میں اپنی جان کی قطعاً پروا نہ رہتی۔

۴۔ عزائم کی تکمیل — اہلِ جاہلیت کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ جب وہ کسی کام کو مجد و افتخار کا ذریعہ سمجھ کر انجام دینے پر تُل جاتے تو پھر کوئی رکاوٹ انہیں روک نہیں سکتی تھی۔ وہ اپنی جان پر کھیل کر اس کام کو انجام دے ڈالتے تھے۔

۵۔ حلم و بردباری اور سنجیدگی —— یہ بھی اہل جاہلیت کے نزدیک قابلِ ستائش خوبی تھی، مگر یہ ان کی حد سے بڑھی ہوئی شجاعت اور جنگ کے لیے ہمہ وقت آمادگی کی عادت کے سبب نادر الوجود تھی۔

۶۔ بدوی سادگی — یعنی تمدن کی آلائشوں اور داؤ پیچ سے ناواقفیت اور دوری۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان میں سچائی اور امانت پائی جاتی تھی۔ وہ فریب کاری و بدعہدی سے دور اور متنفّر تھے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ جزیرۃ العرب کو ساری دنیا سے جو جغرافیائی نسبت حاصل تھی اس کے علاوہ یہی وہ قیمتی اخلاق تھے جن کی وجہ سے اہلِ عرب کو بنی نوع انسان کی قیادت اور رسالتِ عامّہ کا بوجھ اٹھانے

کے لیے منتخب کیا گیا۔ کیونکہ یہ اخلاق اگرچہ بعض اوقات شر و فساد کا سبب بن جاتے تھے اور ان کی وجہ سے المناک حادثات پیش آجاتے تھے لیکن یہ فی نفسہٖ بڑے قیمتی اخلاق تھے۔ جو تھوڑی سی اصلاح کے بعد انسانی معاشرے کے لیے نہایت مفید بن سکتے تھے، اور یہی کام اسلام نے انجام دیا۔

غالباً اُن اخلاق میں بھی ایفائے عہد کے بعد عزتِ نفس اور پختگیٔ عزم سب سے گراں قیمت اور نفع بخش جوہر تھا۔ کیونکہ اس قوتِ قاہرہ اور عزمِ مُصَمَّم کے بغیر شرّ و فساد کا خاتمہ اور نظامِ عدل کا قیام ممکن نہیں۔

اہلِ جاہلیت کے کچھ اور بھی اخلاقِ فاضلہ تھے لیکن یہاں سب کا احاطہ کرنا مقصود نہیں۔

خاندانِ نبوّت

نسب نبی ﷺ کا سلسلۂ نسب تین حصوں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک حصہ جس کی صحت پر اہلِ سیَر اور ماہرینِ انساب کا اتفاق ہے۔ یہ عدنان تک منتہی ہوتا ہے۔ دوسرا حصہ جس میں اہلِ سیَر کا اختلاف ہے کسی نے توقّف کیا ہے اور کوئی قائل ہے۔ یہ عدنان سے اوپر ابراہیم علیہ السلام تک منتہی ہوتا ہے۔ تیسرا حصہ جس میں یقیناً کچھ غلطیاں ہیں یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اوپر حضرت آدم علیہ السلام تک جاتا ہے۔ اس کی جانب اشارہ گذر چکا ہے۔ ذیل میں تینوں حصّوں کی قدرے تفصیل پیش کی جارہی ہے۔

پہلا حصّہ محمّد بن عبد اللہ بن عبد المطلب (شَیْبَہ) بن ہاشم (عَمْرو) بن عبد مناف (مغیرہ) بن قُصَیّ (زید) بن کلاب بن مرّۃ بن کعب بن لُوَی بن غالب بن فِہر (انہی کا لقب قریش تھا اور ان ہی کی طرف قبیلہ قریش منسوب ہے) بن مالک بن نضر (قیس) بن کنانہ بن خُزَیمہ بن مدرکہ (عامر) بن الیاس بن مضر بن نزار بن مَعَدّ بن عدنان[1]

دوسرا حصّہ عدنان سے اوپر یعنی عدنان بن اُدَ بن ہمیسع بن سلامان بن عوص بن بوز بن قموال بن اُبی بن عوام بن ناشد بن حزا بن بلداس بن یدلاف بن طابخ بن جاحم بن ناحش بن ماخی بن عیض بن عبقر بن عبید بن الدعا بن حمدان بن سنبر بن یثربی بن یحزن بن یلحن بن اُرعوی بن عیض بن دیشان بن عیصر بن اُفناد بن اُیہام بن مقصر بن ناحث بن زارح بن سمی بن مزی بن عوضہ بن عرام بن قیدار بن اسماعیل؏ بن ابراہیم علیہ السلام[2]

تیسرا حصّہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اُوپر۔ ابراہیم بن تارح (آزر) بن ناحور بن ساروع (یا ساروغ) بن راعو بن فالخ بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام بن لامک بن متوشلخ بن اخنوخ (کہا جاتا ہے کہ یہ ادریس؏ کا نام ہے) بن یرد بن مہلائیل بن قینان بن آنوشہ بن شیث بن آدم علیہ السلام[3]

---

[1] ابن ہشام ۱/۱، ۲، تلقیح فہوم اہل الاثر ص ۵، ۶ رحمۃ للعالمین ۲/۱۱ تا ۱۴، ۵۲

[2] علامہ منصور پوری نے بڑی دقیق تحقیق کے بعد یہ حصہ نسب کلبی اور ابن سعد کی روایت سے جمع کیا ہے دیکھئے رحمۃ للعالمین ۲/۱۴ تا ۱۷۔ تاریخی مآخذ میں اس حصے کی بابت بڑا اختلاف ہے۔

[3] ابن ہشام ۱/۲ تا ۴۔ تلقیح الفہوم ص ۶ خلاصۃ السیر ص ۶ رحمۃ للعالمین ۲/۱۸ بعض ناموں کے متعلق ان مآخذ میں اختلاف بھی ہے۔ اور بعض نام بعض مآخذ سے ساقط بھی ہیں۔

خانوادہ نبی ﷺ کا خانوادہ اپنے جدِّ اعلیٰ ہاشم بن عبد مناف کی نسبت سے خانوادۂ ہاشمی کے نام سے معروف ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہاشم اور ان کے بعد کے بعض افراد کے مختصر حالات پیش کر دیئے جائیں۔

۱۔ **ھاشم:** ہم بتا چکے ہیں کہ جب بنو عبدِ مناف اور بنو عبد الدار کے درمیان عہدوں کی تقسیم پر مصالحت ہوگئی تو عبدِ مناف کی اولاد میں ہاشم ہی کو سِقَایہ اور رِفَادہ یعنی حجاج کرام کو پانی پلانے اور ان کی میزبانی کرنے کا منصب حاصل ہُوا۔ ہاشم بڑے معزز اور مالدار تھے۔ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مکّے میں حاجیوں کو شوربا روٹی سان کر کھلانے کا اہتمام کیا۔ ان کا اصل نام عَمْرو تھا لیکن روٹی توڑ کر شوربے میں سالنے کی وجہ سے ان کو ہاشم کہا جانے لگا کیونکہ ہاشم کے معنی ہیں توڑنے والا۔ پھر یہی ہاشم وہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے قریش کے لیے گرمی اور جاڑے کے دو سالانہ تجارتی سفروں کی بنیاد رکھی ان کے بارے میں شاعر کہتا ہے:

عمرو الذی ہشم الثرید لقومہ — قوم بمکۃ مُسنتین عجاف
سنت الیہ الرحلتان کلاھما — سفر الشتاء ورحلۃ الأصیاف

"یہ عَمْرو ہی ہیں جنہوں نے قحط کی ماری ہوئی اپنی لاغر قوم کو مکہ میں روٹیاں توڑ کر شوربے میں بھگو بھگو کر کھلائیں اور جاڑے اور گرمی کے دونوں سفروں کی بنیاد رکھی۔"

ان کا ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ وہ تجارت کے لیے ملک شام تشریف لے گئے۔ راستے میں مدینہ پہنچے تو وہاں قبیلہ بنی نجّار کی ایک خاتون سَلمیٰ بنت عَمْرو سے شادی کر لی اور کچھ دنوں وہیں ٹھہرے رہے۔ پھر بیوی کو حالتِ حمل میں میکے ہی میں چھوڑ کر ملک شام روانہ ہوگئے اور وہاں جاکر فلسطین کے شہر غَزّہ میں انتقال کر گئے۔ ادھر سَلمیٰ کے بطن سے بچّہ پیدا ہوا۔ یہ ۴۹۷ء کی بات ہے چونکہ بچے کے سر کے بالوں میں سفیدی تھی اس لیے سلمیٰ نے اس کا نام شَیْبَہ رکھا[۴] اور یثرب میں اپنے میکے ہی کے اندر اس کی پرورش کی۔ آگے چل کر یہی بچہ عبد المُطَّلِب کے نام سے مشہور ہوا۔ عرصے تک خاندانِ ہاشم کے کسی آدمی کو اس کے وجود کا علم نہ ہوسکا۔ ہاشم کے کل چار بیٹے اور پانچ بیٹیاں تھیں جن کے نام یہ ہیں۔ اسد، ابو صیفی، نضلہ، عبد المُطَّلِب ـــ شِفا، خالدہ، ضعیفہ، رقیہ اور جنۃ۔[۵]

۲۔ **عبد المُطَّلِب** ـــ پچھلے صفحات سے معلوم ہوچکا ہے سِقَایہ اور رِفادہ کا منصب

---

۴ ابنِ ہشام ۱/۱۳۷ رحمۃ للعالمین۔ ۱/۲۶، ۲/۲۴
۵ ایضاً ۱/۱۰۷

ہاشم کے بعد ان کے بھائی مُطّلِب کو ملا۔ یہ بھی اپنی قوم میں بڑی خوبی و اعزاز کے مالک تھے۔ ان کی بات ٹالی نہیں جاتی تھی۔ ان کی سخاوت کے سبب قریش نے ان کا لقب فیاض رکھ چھوڑا تھا۔ جب شَیْبَہ یعنی عبدالمُطّلِب ـــــ دس بارہ برس کے ہوگئے تو مُطّلِب کو ان کا علم ہوا اور وہ انہیں لینے کے لیے روانہ ہوئے۔ جب یثرب کے قریب پہنچے اور شیبہ پر نظر پڑی تو اشکبار ہوگئے، انہیں سینے سے لگا لیا اور پھر اپنی سواری پر پیچھے بٹھا کر مکّہ کے لیے روانہ ہوگئے۔ مگر شَیْبَہ نے ماں کی اجازت کے بغیر ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ اس لیے مُطّلِب ان کی ماں سے اجازت کے طالب ہوئے مگر ماں نے اجازت نہ دی۔ آخر مُطّلِب نے کہا کہ یہ اپنے والد کی حکومت اور اللہ کے حرم کی طرف جارہے ہیں۔ اس پر ماں نے اجازت دے دی اور مُطّلِب انہیں اپنے اُونٹ پر بٹھا کر مکہ لے آئے۔ مکّے والوں نے دیکھا تو کہا یہ عبدالمُطّلِب ہے یعنی مُطّلِب کا غلام ہے۔ مُطّلِب نے کہا نہیں نہیں۔ یہ میرا بھتیجا یعنی میرے بھائی ہاشم کا لڑکا ہے۔ پھر شَیْبَہ نے مُطّلِب کے پاس پرورش پائی اور جوان ہوئے ـــــ اس کے بعد مقام ردمان (یمن) میں مُطّلِب کی وفات ہوگئی اور ان کے چھوڑے ہوئے مناصب عبدالمُطّلِب کو حاصل ہوئے۔ عبدالمُطّلِب نے اپنی قوم میں اس قدر شرف و اعزاز حاصل کیا کہ ان کے آباء و اجداد میں بھی کوئی اس مقام کو نہ پہنچ سکا تھا۔ قوم نے انہیں دل سے چاہا اور ان کی بڑی عزت و قدر کی۔[۶]

جب مُطّلِب کی وفات ہوگئی تو نوفل نے عبدالمُطّلِب کے صحن پر غاصبانہ قبضہ کر لیا۔ عبدالمُطّلِب نے قریش کے کچھ لوگوں سے اپنے چچا کے خلاف مدد چاہی لیکن انہوں نے یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ ہم تمہارے اور تمہارے چچا کے درمیان دخیل نہیں ہوسکتے۔ آخر عبدالمُطّلِب نے بنی نجّار میں اپنے ماموں کو کچھ اشعار لکھ بھیجے۔ جس میں ان سے مدد کی درخواست کی تھی۔ جواب میں ان کا ماموں ابوسعد بن عدی اسّی سوار لے کر روانہ ہوا۔ اور مکّے کے قریب اَبطح میں اترا۔ عبدالمُطّلِب نے وہیں ملاقات کی اور کہا ماموں جان! گھر تشریف لے چلیں۔ ابوسَعد نے کہا نہیں خدا کی قسم! یہاں تک کہ نوفل سے مل لوں۔ اس کے بعد ابوسَعد آگے بڑھا اور نوفل کے سر پر آن کھڑا ہوا۔ نوفل حطیم میں مشائخ قریش کے ہمراہ بیٹھا تھا۔ ابوسعد نے تلوار بے نیام کرتے ہوئے کہا، "اس گھر کے رب کی قسم! اگر تم نے میرے بھانجے کی زمین واپس نہ کی تو یہ تلوار تمہارے اندر پیوست کر دوں گا"۔ نوفل نے کہا اچھا! لو میں نے واپس کر دی۔ اس پر ابوسعد نے

---

[۶] ابن ہشام ۱/۱۳۷، ۱۳۸

مشائخ قریش کو گواہ بنایا، پھر عبد المُطَّلِب کے گھر گیا اور تین روز مقیم رہ کر عمرہ کرنے کے بعد مدینہ واپس چلا گیا۔

اس واقعے کے بعد نوفل نے بنی ہاشم کے خلاف بنی عبد شمس سے باہمی تعاون کا عہد و پیمان کیا۔ ادھر بنو خزاعہ نے دیکھا کہ بنو نجار نے عبد المُطَّلِب کی اس طرح مدد کی ہے تو کہنے لگے کہ عبد المُطَّلِب جس طرح تمہاری اولاد ہے ہماری بھی اولاد ہے۔ لہٰذا ہم پر اس کی مدد کا حق زیادہ ہے —— اس کی وجہ یہ تھی کہ عبد مناف کی ماں قبیلہ خُزاعہ ہی سے تعلق رکھتی تھیں —— چنانچہ بنو خزاعہ نے دار الندوہ میں جا کر بنو عبد شمس اور بنو نوفل کے خلاف بنو ہاشم سے تعاون کا عہد و پیمان کیا۔ یہی پیمان تھا جو آگے چل کر اسلامی دور میں فتح مکہ کا سبب بنا۔ تفصیل اپنی جگہ آرہی ہے۔[۴]

بیت اللہ کے تعلق سے عبد المُطَّلِب کے ساتھ دو اہم واقعات پیش آئے، ایک چاہِ زمزم کی کھدائی کا واقعہ اور دوسرا فیل کا واقعہ۔

چاہِ زمزم کی کھدائی

پہلے واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ عبد المُطَّلِب نے خواب دیکھا کہ انہیں زمزم کا کنواں کھودنے کا حکم دیا جارہا ہے اور خواب ہی میں انہیں اس کی جگہ بھی بتائی گئی۔ انہوں نے بیدار ہونے کے بعد کھدائی شروع کی اور رفتہ رفتہ وہ چیزیں برآمد ہوئیں جو بنو جُرہُم نے مکہ چھوڑتے وقت چاہِ زمزم میں دفن کی تھیں۔ یعنی تلواریں، زرہیں، اور سونے کے دونوں ہرن۔ عبد المُطَّلِب نے تلواروں سے کعبے کا دروازہ ڈھالا۔ سونے کے دونوں ہرن بھی دروازے ہی میں فٹ کئے اور حاجیوں کو زمزم پلانے کا بندوبست کیا۔

کھدائی کے دوران یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ جب زمزم کا کنواں نمودار ہو گیا تو قریش نے عبد المُطَّلِب سے جھگڑا شروع کیا اور مطالبہ کیا کہ ہمیں بھی کھدائی میں شریک کرلو۔ عبد المُطَّلِب نے کہا میں ایسا نہیں کرسکتا۔ میں اس کام کے لیے مخصوص کیا گیا ہوں، لیکن قریش کے لوگ باز نہ آئے۔ یہاں تک کہ فیصلے کے لیے بنو سعد کی ایک کاہنہ عورت کے پاس جانا طے ہوا اور لوگ مکہ سے روانہ بھی ہوگئے لیکن راستے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی علامات دکھلائیں کہ وہ سمجھ گئے کہ زمزم کا کام قدرت کی طرف سے عبد المُطَّلِب کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لیے راستے ہی سے پلٹ آئے۔ یہی موقع تھا جب عبد المُطَّلِب نے نذر مانی کہ اگر اللہ نے انہیں دس لڑکے عطا کئے اور وہ سب کے سب اس عمر کو پہنچے کہ ان کا بچاؤ کرسکیں تو وہ ایک لڑکے کو کعبہ کے پاس قربان کر دیں گے۔[۵]

---

[۴] مختصر سیرۃ الرسول، الشیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب نجدی ص ۴۱، ۴۲   [۵] ابن ہشام ۱/ ۱۴۲ تا ۱۴۷

واقعۂ فیل

دوسرے واقعے کا خلاصہ یہ ہے کہ اَبْرَہَہ صباح حبشی نے (جو نجاشی بادشاہِ حبش کی طرف سے یمن کا گورنر جنرل تھا) جب دیکھا کہ اہلِ عرب خانہ کعبہ کا حج کرتے ہیں تو صنعاء میں ایک بہت بڑا کلیسا تعمیر کیا۔ اور چاہا کہ عرب کا حج اسی کی طرف پھیر دے مگر جب اس کی خبر بنو کنانہ کے ایک آدمی کو ہوئی تو اس نے رات کے وقت کلیسا کے اندر گھس کر اس کے قبلے پر پاخانہ پوت دیا۔ اَبْرَہَہ کو پتا چلا تو سخت برہم ہوا۔ اور ساٹھ ہزار کا ایک لشکرِ جرار لے کر کعبے کو ڈھانے کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ اس نے اپنے لیے ایک زبردست ہاتھی بھی منتخب کیا۔ لشکر میں کل نو یا تیرہ ہاتھی تھے۔ ابرہہ یمن سے یلغار کرتا ہوا مُغَمَّس پہنچا اور وہاں اپنے لشکر کو ترتیب دے کر اور ہاتھی کو تیار کر کے مکے میں داخلے کے لیے چل پڑا جب مُزْدَلِفَہ اور مِنیٰ کے درمیان وادیٔ مُحَسِّر میں پہنچا تو ہاتھی بیٹھ گیا اور کعبے کی طرف بڑھنے کے لیے کسی طرح نہ اٹھا۔ اس کا رُخ شمال جنوب یا مشرق کی طرف کیا جاتا تو اٹھ کر دوڑنے لگتا لیکن کعبے کی طرف کیا جاتا تو بیٹھ جاتا۔ اسی دوران اللہ نے چڑیوں کا ایک جھنڈ بھیج دیا جس نے لشکر پر ٹھیکری جیسے پتھر گرائے اور اللہ نے اسی سے انہیں کھائے ہوئے بھُس کی طرح بنا دیا۔ یہ چڑیاں ابابیل اور قُمری جیسی تھیں، ہر چڑیا کے پاس تین تین کنکریاں تھیں، ایک چونچ میں اور دو پنجوں میں کنکریاں چنے جیسی تھیں مگر جس کسی کو لگ جاتی تھیں اس کے اعضاء کٹنا شروع ہو جاتے تھے اور وہ مر جاتا تھا۔ یہ کنکریاں ہر آدمی کو نہیں لگی تھیں، لیکن لشکر میں ایسی بھگدڑ مچی کہ ہر شخص دُوسرے کو روندتا کچلتا گرتا پڑتا بھاگ رہا تھا۔ پھر بھاگنے والے ہر راہ پر گر رہے تھے اور ہر چشمے پر مر رہے تھے۔ ادھر اَبْرَہَہ پر اللہ نے ایسی آفت بھیجی کہ اس کی انگلیوں کے پور جھڑ گئے اور صَنْعَاء پہنچتے پہنچتے چُوزے جیسا ہو گیا۔ پھر اس کا سینہ پھٹ گیا، دل باہر نکل آیا اور وہ مر گیا۔

اَبْرَہَہ کے اس حملے کے موقع پر مکے کے باشندے جان کے خوف سے گھاٹیوں میں بکھر گئے تھے اور پہاڑ کی چوٹیوں پر جا چھپے تھے جب لشکر پر عذاب نازل ہو گیا تو اطمینان سے اپنے گھروں کو پلٹ آئے۔[۹]

یہ واقعہ ___ بیشتر اہل سیر کے بقول ___ نبی ﷺ کی پیدائش سے صرف پچاس یا پچپن دن پہلے ماہ محرم میں پیش آیا تھا لہٰذا یہ ۵۷۱ء کی فروری کے اواخر یا مارچ کے اوائل کا واقعہ ہے یہ درحقیقت ایک تمہیدی نشانی تھی جو اللہ نے اپنے نبی اور اپنے کعبہ کے لیے ظاہر فرمائی تھی کیونکہ آپ بیت المقدس کو دیکھئے کہ اپنے دَور میں اہل اسلام کا قبلہ تھا اور وہاں کے باشندے مسلمان

---

۹ ابن ہشام ۱/۴۳ تا ۵۶

تھے۔ اس کے باوجود اس پر اللہ کے دشمن یعنی مشرکین کا تسلط ہوگیا تھا جیسا کہ بُخت نصر کے حملہ (۵۸۶ ق م) اور اہل روما کے قبضہ (۷۰ء) سے ظاہر ہے۔ لیکن اس کے برخلاف کعبہ پر عیسائیوں کو تسلُّط حاصل نہ ہو سکا، حالانکہ اس وقت یہی مسلمان تھے اور کعبے کے باشندے مشرک تھے۔

پھر یہ واقعہ ایسے حالات میں پیش آیا کہ اس کی خبر اس وقت کی متمدّن دنیا کے بیشتر علاقوں یعنی روم و فارس میں آناً فاناً پہنچ گئی۔ کیونکہ حبشہ کا رومیوں سے بڑا گہرا تعلق تھا اور دوسری طرف فارسیوں کی نظر رومیوں پر برابر رہتی تھی اور وہ رومیوں اور ان کے حلیفوں کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کا برابر جائزہ لیتے رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس واقعے کے بعد اہلِ فارس نے نہایت تیزی سے یمن پر قبضہ کر لیا۔ اب چونکہ یہی دو حکومتیں اس وقت متمدن دنیا کے اہم حصے کی نمائندہ تھیں۔ اس لیے اس واقعے کی وجہ سے دنیا کی نگاہیں خانہ کعبہ کی طرف متوجہ ہوگئیں۔ انہیں بیت اللہ کے شرف و عظمت کا ایک کھلا ہوا خدائی نشان دکھلائی پڑ گیا۔ اور یہ بات دلوں میں اچھی طرح بیٹھ گئی کہ اس گھر کو اللہ نے تقدیس کے لیے منتخب کیا ہے۔ لہٰذا آئندہ یہاں کی آبادی سے کسی انسان کا دعوائِ نبوت کے ساتھ اٹھنا اس واقعے کے تقاضے کے عین مطابق ہوگا۔ اور اس خدائی حکمت کی تفسیر ہوگا جو عالم اسباب سے بالاتر طریقے پر اہل ایمان کے خلاف مشرکین کی مدد میں پوشیدہ تھی۔

عبدالمُطّلب کے کل دس بیٹے تھے جن کے نام یہ ہیں: حارِث، زُبیرؔ، ابوطالِبؔ، عبداللّٰہ حمزہؓ، ابولہبؔ، غَیداق، مقوم، صِفار اور عبّاسؓ۔ بعض نے کہا ہے کہ گیارہ تھے۔ ایک کا نام قثم تھا اور بعض اور لوگوں نے کہا ہے کہ تیرہ تھے۔ ایک کا نام عبدالکعبہ اور ایک کا نام حجل تھا۔ لیکن دس کے قائلین کہتے ہیں کہ مقوم ہی کا دوسرا نام عبدالکعبہ اور غیداق کا دوسرا نام حجل تھا اور قثم نام کا کوئی شخص عبدالمطلب کی اولاد میں نہ تھا ——— عبدالمُطّلب کی بیٹیاں چھ تھیں۔ نام یہ ہیں: ام الحکیم ان کا نام بیضاء ہے۔ بَرّہ۔ عَاتِکَہ۔ صفیہ۔ اَروٰی اور اُمیمہ تلہ

۳۔ عَبدُاللّٰہ ——— رَسُولُ اللّٰہ ﷺ کے والد محترم ———

ان کی والدہ کا نام فاطمہ تھا اور وہ عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ کی صاحبزادی تھیں۔ عبدالمُطّلِب کی اولاد میں عبداللہ سب سے زیادہ خوبصورت پاکدامن اور چہیتے تھے اور ذبیح کہلاتے تھے۔ ذبیح کہلانے کی وجہ یہ تھی کہ جب عبدالمُطّلِب کے لڑکوں کی تعداد پوری دس ہوگئی اور

تلہ تلقیح الفہوم ص ۸، ۹، رحمۃ اللعالمین ۲/ ۵۶، ۶۶

وہ بچاؤ کرنے کے لائق ہو گئے۔ تو عبدالمُطّلِب نے انہیں اپنی نذر سے آگاہ کیا۔ سب نے بات مان لی۔ اس کے بعد عبدالمطلب نے قسمت کے تیروں پر ان سب کے نام لکھے ـــــ اور ہُبل کے قیم کے حوالے کیا۔ قیم نے تیروں کو گردش دے کر قرعہ نکالا تو عبداللہ کا نام نکلا۔ عبدالمُطّلِب نے عبداللہ کا ہاتھ پکڑا، چھری لی اور ذبح کرنے کے لیے خانہ کعبہ کے پاس لے گئے۔ لیکن قریش اور خصوصاً عبداللہ کے ننھیال والے یعنی بنو مخزوم اور عبداللہ کے بھائی ابوطالب آڑے آئے۔ عبدالمُطّلِب نے کہا تب میں اپنی نذر کا کیا کروں؟ انہوں نے مشورہ دیا کہ وہ کسی خاتون عَرّافَہ کے پاس جا کر حل دریافت کریں۔ عبدالمُطّلِب ایک عَرّافَہ کے پاس گئے۔ اس نے کہا کہ عبداللہ اور دس اونٹوں کے درمیان قرعہ اندازی کریں، اگر عبداللہ کے نام قرعہ نکلے تو مزید دس اونٹ بڑھا دیں۔ اس طرح اونٹ بڑھاتے جائیں اور قرعہ اندازی کرتے جائیں، یہاں تک کہ اللہ راضی ہو جائے۔ پھر اونٹوں کے نام قرعہ نکل آئے تو انہیں ذبح کر دیں۔ عبدالمُطّلِب نے واپس آکر عبداللہ اور دس اونٹوں کے درمیان قرعہ اندازی کی مگر قرعہ عبداللہ کے نام نکلا۔ اس کے بعد وہ دس دس اونٹ بڑھاتے گئے اور قرعہ اندازی کرتے گئے مگر قرعہ عبداللہ کے نام ہی نکلتا رہا۔ جب سو اونٹ پُورے ہو گئے تو قرعہ اونٹوں کے نام نکلا۔ اب عبدالمُطّلِب نے انہیں عبداللہ کے بدلے ذبح کیا اور وہیں چھوڑ دیا۔ کسی انسان یا درندے کے لیے کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ اس واقعے سے پہلے قریش اور عرب میں خُون بہا (دیت) کی مقدار دس اونٹ تھی مگر اس واقعے کے بعد سو اونٹ کر دی گئی۔ اسلام نے بھی اس مقدار کو برقرار رکھا۔ نبی ﷺ سے آپ کا یہ ارشاد مروی ہے کہ میں دو ذبیح کی اولاد ہوں۔ ایک حضرت اسماعیل علیہ السلام اور دوسرے آپؐ کے والد عبداللہ۔[1]

عبدالمُطّلِب نے اپنے صاحبزادے عبداللہ کی شادی کے لیے حضرت آمنہ کا انتخاب کیا جو وہب بن عبدِمناف بن زہرہ بن کلاب کی صاحبزادی تھیں اور نسب اور رتبے کے لحاظ سے قریش کی افضل ترین خاتون شمار ہوتی تھیں۔ ان کے والد نسب اور شرف دونوں حیثیت سے بنو زہرہ کے سردار تھے۔ وہ مکہ ہی میں رخصت ہو کر حضرت عبداللہ کے پاس آئیں مگر تھوڑے عرصے بعد عبداللہ کو عبدالمُطّلِب نے کھجور لانے کے لیے مدینہ بھیجا اور وہ وہیں انتقال کر گئے۔

---

[1] ابن ہشام ۱/۱۵۱ تا ۱۵۵ رحمۃ للعالمین ۲/۸۹، ۹۰ مختصر سیرۃ الرسول شیخ عبداللہ نجدی صہ ۱۲، ۲۲، ۲۳،

بعض اہلِ سیر کہتے ہیں کہ وہ تجارت کے لیے مُلک شام تشریف لے گئے تھے۔ قریش کے ایک قافلے کے ہمراہ واپس آتے ہوئے بیمار ہو کر مدینہ اترے۔ اور وہیں انتقال کر گئے۔ تدفین نابغہ جُعدی کے مکان میں ہُوئی۔ اس وقت ان کی عمر پچیس برس کی تھی۔ اکثر مؤرخین کے بقول ابھی رسُول اللہ ﷺ پیدا نہیں ہُوئے تھے۔ البتہ بعض اہل سیر کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی پیدائش ان کی وفات سے دو ماہ پہلے ہو چکی تھی[۱۲] جب ان کی وفات کی خبر مکہ پہنچی تو حضرت آمنہ نے نہایت درد انگیز مرثیہ کہا جو یہ ہے:

عفا جانب البطحاء من ابن هاشم — وجاور لحدا خارجا في الغماغم

دعته المنايا دعوة فاجابها — وما تركت في الناس مثل ابن هاشم

عشية راحوا يحملون سريره — تعاوره اصحابه في التزاحم

فان تك غالته المنايا وريبها — فقد كان معطاء كثير التراحم[۱۳]

"بطحا کی آغوش ہاشم کے صاحبزادے سے خالی ہوگئی۔ وہ بانگ و خروش کے درمیان ایک لحد میں آسودۂ خواب ہوگیا۔ اسے موت نے ایک پکار لگائی اور اس نے لبیک کہہ دیا۔ اب موت نے لوگوں میں ابنِ ہاشم جیسا کوئی انسان نہیں چھوڑا (کتنی حسرت ناک تھی) وہ شام جب لوگ انہیں تخت پر اٹھائے لے جا رہے تھے۔ اگر موت اور موت کے حوادث نے ان کا وجود ختم کر دیا ہے (تو ان کے کردار کے نقوش نہیں مٹائے جا سکتے) وہ بڑے دانا اور رحم دل تھے"۔

عبداللہ کا کُل ترکہ یہ تھا: پانچ اونٹ، بکریوں کا ایک ریوڑ، ایک حبشی لونڈی جن کا نام برکت تھا اور کنیّت اُمِّ ایمن۔ یہی اُمِّ ایمن ہیں جنھوں نے رسُول اللہ ﷺ کو گود کھلایا تھا[۱۴]

---

[۱۲] ابن ہشام ۱/۱۵۶، ۱۵۸ فقہ السیرہ از محمد غزالی ص۴۵، رحمۃ للعالمین ۲/۹۱

[۱۳] طبقات ابن سعد ۱/۶۲

[۱۴] مختصر السیرۃ از شیخ عبداللہ صفحہ ۱۲ تلقیح الفہوم صفحہ ۱۴- صحیح مسلم ۲/۹۶

ولادت باسعادت اور حیاتِ طیبہ کے چالیس سال

ولادتِ باسعادت

رسول اللہ ﷺ مکہ میں شعب بنی ہاشم کے اندر ۹ ربیع الاول سلہ عام الفیل یوم دوشنبہ کو صبح کے وقت پیدا ہوئے۔ اس وقت نوشیرواں کی تخت نشینی کا چالیسواں سال تھا اور ۲۰ یا ۲۲ اپریل ۵۷۱ء کی تاریخ تھی۔ علامہ محمد سلیمان صاحب سلیمان منصور پوریؒ اور محمود پاشا فلکی کی تحقیق یہی ہے[1]۔

ابن سعد کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی والدہ نے فرمایا: "جب آپ کی ولادت ہوئی تو میرے جسم سے ایک نور نکلا جس سے ملک شام کے محل روشن ہو گئے۔" امام احمدؒ نے حضرت عرباضؓ بن ساریہ سے بھی تقریباً اسی مضمون کی ایک روایت نقل فرمائی ہے[2]۔

بعض روایتوں میں بتایا گیا ہے کہ ولادت کے وقت بعض واقعات نبوت کے پیش خیمے کے طور پر ظہور پذیر ہوئے، یعنی ایوانِ کسریٰ کے چودہ کنگورے گر گئے۔ مجوس کا آتش کدہ ٹھنڈا ہو گیا۔ بحیرہ ساوہ خشک ہو گیا اور اس کے گرجے منہدم ہو گئے۔ یہ بیہقی کی روایت ہے[3] لیکن محمد غزالی نے اس کو درست تسلیم نہیں کیا ہے[4]۔

ولادت کے بعد آپ کی والدہ نے عبدالمطلب کے پاس پوتے کی خوشخبری بھجوائی۔ وہ شاداں و فرحاں تشریف لائے اور آپ کو خانہ کعبہ میں لے جا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی، اس کا شکر ادا کیا اور آپ کا نام **محمد** تجویز کیا۔ یہ نام عرب میں معروف نہ تھا۔ پھر عرب دستور کے مطابق ساتویں دن ختنہ کیا[5]۔

---

[1] تاریخ خضری ۱/۶۲ رحمۃ للعالمین ۱/۳۸، ۳۹۔ اپریل کی تاریخ کا اختلاف عیسوی تقویم کے اختلاف کا نتیجہ ہے۔

[2] مختصر السیرۃ شیخ عبداللہ ص۱۲، ابن سعد ۱/۶۳۔

[3] ایضاً مختصر السیرۃ ص۱۲

[4] دیکھئے فقہ السیرۃ محمد غزالی ص۴۶۔

[5] ابن ہشام ۱/۱۵۹، ۱۶۰ تاریخ خضری ۱/۶۲ ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ مختون (ختنہ کئے ہوئے) پیدا ہوئے تھے۔ دیکھئے تلقیح الفہوم ص۴ مگر ابن قیم کہتے ہیں کہ اس بارے میں کوئی ثابت حدیث نہیں دیکھئے زاد المعاد ۱/۱۸

آپ کو آپ کی والدہ کے بعد سب سے پہلے ابولہب کی لونڈی ثُوَیْبَہؓ نے دودھ پلایا۔ اس وقت اس کی گود میں جو بچہ تھا اس کا نام مسروح تھا۔ ثُوَیْبَہؓ نے آپؐ سے پہلے حضرت حمزہ بن عبدالمطّلب کو اور آپؐ کے بعد ابو سلمہؓ بن عبدالاسد مخزومی کو بھی دودھ پلایا تھا۔[1]

بنی سعد میں عرب کے شہری باشندوں کا دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کو شہری امراض سے دور رکھنے کے لیے دودھ پلانے والی بدوی عورتوں کے حوالے کر دیا کرتے تھے تاکہ ان کے جسم طاقتور اور اعصاب مضبوط ہوں اور اپنے گہوارہ ہی سے خالص اور ٹھوس عربی زبان سیکھ لیں۔ اسی دستور کے مطابق عبدالمطّلب نے دودھ پلانے والی دایہ تلاش کی اور نبی ﷺ کو حضرت حلیمہؓ بنت ابی ذُؤَیب کے حوالے کیا۔ یہ قبیلہ بنی سعد بن بکر کی ایک خاتون تھیں۔ ان کے شوہر کا نام حارث بن عبدالعُزّٰی اور کنیت ابوکبشہ تھی اور وہ بھی قبیلہ بنی سعد ہی سے تعلق رکھتے تھے۔

حارث کی اولاد کے نام یہ ہیں جو رضاعت کے تعلق سے رسول اللہ ﷺ کے بھائی بہن تھے، عبداللہ۔ انیسہ، حذافہ یا جذامہ، انہیں کا لقب شَیماء تھا اور اسی نام سے وہ زیادہ مشہور ہوئیں۔ یہ رسول اللہ ﷺ کو گود کھلایا کرتی تھیں۔ ان کے علاوہ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطّلب جو رسول اللہ ﷺ کے چچیرے بھائی تھے وہ بھی حضرت حلیمہؓ کے واسطے سے آپ کے رضاعی بھائی تھے۔ آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب بھی دودھ پلانے کے لیے بنو سعد کی ایک عورت کے حوالے کئے گئے تھے۔ اس عورت نے بھی ایک دن جب رسول اللہ ﷺ حضرت حلیمہؓ کے پاس تھے آپ کو دودھ پلا دیا۔ اس طرح آپ اور حضرت حمزہؓ دوہرے رضاعی بھائی ہو گئے ایک ثُوَیْبَہؓ کے تعلق سے اور دوسرے بنو سعد کی اس عورت کے تعلق سے۔[2]

رضاعت کے دوران حضرت حلیمہؓ نے نبی ﷺ کی برکت کے لیے ایسے مناظر دیکھے کہ سراپا حیرت رہ گئیں۔ تفصیلات انہیں کی زبانی سنیئے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت حلیمہؓ بیان کیا کرتی تھیں کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ اپنا ایک چھوٹا سا دودھ پیتا بچہ لے کر بنی سعد کی کچھ عورتوں کے قافلے میں اپنے شہر سے باہر دودھ پینے والے بچوں کی تلاش میں نکلیں۔ یہ قحط سالی کے دن تھے اور قحط نے کچھ باقی نہ چھوڑا تھا۔ میں اپنی ایک سفید گدھی پر سوار تھی اور ہمارے پاس ایک اُونٹنی بھی تھی، لیکن بخدا اس سے ایک قطرہ دودھ نہ نکلتا تھا۔ اِدھر بھوک سے بچہ اس قدر بِلکتا تھا کہ ہم رات بھر سو نہیں سکتے

---

[1] تلقیح الفہوم ص۴۔ مختصر السیرۃ شیخ عبداللہ ص۱۳ [2] زاد المعاد ۱/۱۹

تھے۔ نہ میرے سینے میں بچہ کے لیے کچھ تھا۔ نہ اُونٹنی اس کی خوراک دے سکتی تھی۔ بس ہم بارش اور خوشحالی کی آس لگائے بیٹھے تھے۔ میں اپنی گدھی پر سوار ہو کر چلی تو وہ کمزوری اور دُبلے پن کے سبب اتنی سُست رفتار نکلی کہ پورا قافلہ تنگ آ گیا۔ خیر ہم کسی نہ کسی طرح دودھ پینے والے بچوں کی تلاش میں مکہ پہنچ گئے۔ پھر ہم میں سے کوئی عورت ایسی نہیں تھی جس پر رسول اللہ ﷺ کو پیش نہ کیا گیا ہو مگر جب اسے بتایا جاتا کہ آپ ﷺ یتیم ہیں تو وہ آپؐ کو لینے سے انکار کر دیتی، کیونکہ ہم بچے کے والد سے داد و دہش کی اُمید رکھتے تھے۔ ہم کہتے کہ یہ تو یتیم ہے بھلا اس کی بیوہ ماں اور اس کے دادا کیا دے سکتے ہیں۔ بس یہی وجہ تھی کہ ہم آپ کو لینا نہیں چاہتے تھے۔

ادھر جتنی عورتیں میرے ہمراہ آئی تھیں سب کو کوئی نہ کوئی بچہ مل گیا صرف مجھ ہی کو نہ مل سکا جب واپسی کی باری آئی تو میں نے اپنے شوہر سے کہا خدا کی قسم! مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میری ساری سہیلیاں تو بچے لے کر جائیں اور تنہا میں کوئی بچہ لیے بغیر واپس جاؤں۔ میں جا کر اسی یتیم بچے کو لیے لیتی ہوں۔ شوہر نے کہا کوئی حرج نہیں! ممکن ہے اللہ اسی میں ہمارے لیے برکت دے۔ اس کے بعد میں نے جا کر بچہ لے لیا اور محض اس بنا پر لے لیا کہ کوئی اور بچہ نہ مل سکا۔

حضرت حلیمہؓ کہتی ہیں کہ جب میں بچے کو لے کر اپنے ڈیرے پر واپس آئی اور اسے اپنی آغوش میں رکھا تو اس نے جس قدر چاہا دونوں سینے دودھ کے ساتھ اس پر اُمنڈ پڑے اور اس نے شکم سیر ہو کر پیا۔ اس کے ساتھ اس کے بھائی نے بھی شکم سیر ہو کر پیا، پھر دونوں سو گئے حالانکہ اس سے پہلے ہم اپنے بچے کے ساتھ سو نہیں سکتے تھے۔ ادھر میرے شوہر اونٹنی دوہنے گئے تو دیکھا کہ اس کا تھن دودھ سے لبریز ہے۔ انھوں نے اتنا دودھ دوہا کہ ہم دونوں نے نہایت آسودہ ہو کر پیا اور بڑے آرام سے رات گزاری۔ ان کا بیان ہے کہ صبح ہوئی تو میرے شوہر نے کہا حلیمہ! خدا کی قسم تم نے ایک بابرکت روح حاصل کی ہے۔ میں نے کہا: مجھے بھی یہی توقع ہے۔

حلیمہؓ کہتی ہیں کہ اس کے بعد ہمارا قافلہ روانہ ہوا۔ میں اپنی اسی خستہ حال گدھی پر سوار ہوئی اور اس بچے کو بھی اپنے ساتھ لیا، لیکن اب وہی گدھی خدا کی قسم پورے قافلے کو کاٹ کر اس طرح آگے نکل گئی کہ کوئی گدھا اس کا ساتھ نہ پکڑ سکا۔ یہاں تک میری سہیلیاں مجھ سے کہنے لگیں "او! ابوذویب کی بیٹی! اسے یہ کیا ہے؟ ذرا ہم پہ مہربانی کر۔ آخر یہ تیری وہی گدھی تو ہے جس پر تُو سوار ہو کر آئی تھی؟" میں کہتی "ہاں ہاں! بخدا یہ وہی ہے۔" وہ کہتیں "اس کا یقیناً کوئی خاص معاملہ ہے۔"

پھر ہم بنو سعد میں اپنے گھروں کو آ گئے۔ مجھے معلوم نہیں کہ اللہ کی روئے زمین کا کوئی خطہ ہمارے علاقے سے زیادہ قحط زدہ تھا لیکن ہماری واپسی کے بعد میری بکریاں چرنے جاتیں تو آسودہ حال اور دودھ سے بھرپور واپس آتیں۔ ہم دوہتے اور پیتے۔ جبکہ کسی اور انسان کو دودھ کا ایک قطرہ بھی نصیب نہ ہوتا۔ ان کے جانوروں کے تھنوں میں دودھ سرے سے رہتا ہی نہ تھا۔ حتی کہ ہماری قوم کے شہری اپنے چرواہوں سے کہتے کہ کم بختو! جانور وہیں چرانے لے جایا کرو جہاں ابو ذویب کی بیٹی کا چرواہا لے جاتا ہے ——— لیکن تب بھی ان کی بکریاں بھوکی واپس آتیں۔ ان کے اندر ایک قطرہ دودھ نہ رہتا جبکہ میری بکریاں آسودہ اور دودھ سے بھرپور پلٹتیں۔ اس طرح ہم اللہ کی طرف سے مسلسل اضافے اور خیر کا مشاہدہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اس بچے کے دو سال پورے ہو گئے اور میں نے دودھ چھڑا دیا۔ یہ بچہ دوسرے بچوں کے مقابلے میں اس طرح بڑھ رہا تھا کہ دو سال پورے ہوتے ہوتے وہ کڑا اور گٹھیلا ہو چلا۔ اس کے بعد ہم اس بچے کو اس کی والدہ کے پاس لے گئے۔ لیکن ہم اس کی جو برکت دیکھتے آئے تھے اس کی وجہ سے ہماری انتہائی خواہش یہی تھی کہ وہ ہمارے پاس رہے۔ چنانچہ ہم نے اس کی ماں سے گفتگو کی۔ میں نے کہا: کیوں نہ آپ اپنے بچے کو میرے پاس ہی رہنے دیں کہ ذرا مضبوط ہو جائے، کیونکہ مجھے اس کے متعلق مکہ کی وباء کا خطرہ ہے۔ غرض ہمارے مسلسل اصرار پر انہوں نے بچہ ہمیں واپس دے دیا۔[۸]

واقعہ شقِ صدر

اس طرح رسول اللہ ﷺ مدت رضاعت ختم ہونے کے بعد بھی بنو سعد ہی میں رہے یہاں تک کہ ولادت کے چوتھے یا پانچویں[۹] سال شقِ صدر (سینہ مبارک چاک کئے جانے) کا واقعہ پیش آیا۔ اس کی تفصیل حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے۔ آپ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ حضرت جبریلؑ نے آپ کو پکڑ کر لٹایا اور سینہ چاک کر کے دل نکالا پھر دل سے ایک لوتھڑا نکال کر فرمایا یہ تم سے شیطان کا حصہ ہے پھر دل کو ایک طشت میں زمزم کے پانی سے دھویا اور پھر اسے جوڑ کر اس کی جگہ لوٹا دیا۔ ادھر بچے دوڑ کر آپ کی ماں یعنی دایہ کے پاس پہنچے

---

۸ ابن ہشام ۱/ ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴۔

۹ عام سیرت نگاروں کا یہی قول ہے لیکن ابن اسحاق کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ تیسرے سال کا ہے دیکھئے ابن ہشام ۱/ ۱۶۴، ۱۶۵۔

اور کہنے لگے: محمد قتل کر دیا گیا۔ ان کے گھر کے لوگ جھٹ پٹ پہنچے، دیکھا تو آپ کا رنگ اترا ہوا تھا۔[۱۰]

ماں کی آغوشِ محبت میں

اس واقعے کے بعد حلیمہؓ کو خطرہ محسوس ہُوا اور انہوں نے آپ کو آپ کی ماں کے حوالے کر دیا۔ چنانچہ آپ چھ سال کی عمر تک والدہ ہی کی آغوشِ محبت میں رہے۔[۱۱]

ادھر حضرت آمنہ کا ارادہ ہُوا کہ وہ اپنے مُتوفّی شوہر کی یادِ وفا میں یثرب جا کر ان کی قبر کی زیارت کریں۔ چنانچہ وہ اپنے یتیم بچے **محمد** صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خادمہ اُمِّ ایمن اور اپنے سرپرست عبدالمطلب کی معیت میں کوئی پانچ سو کیلومیٹر کی مسافت طے کر کے مدینہ تشریف لے گئیں اور وہاں ایک ماہ تک قیام کر کے واپس ہوئیں، لیکن ابھی ابتداء راہ میں تھیں کہ بیماری نے آلیا۔ پھر یہ بیماری شدت اختیار کرتی گئی یہاں تک کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام اَبْوَاء میں پہنچ کر رحلت کر گئیں۔[۱۲]

دادا کے سایۂ شفقت میں

بوڑھے عبدالمُطّلِب اپنے پوتے کو لے کر مکہ پہنچے۔ ان کا دل اپنے اس یتیم پوتے کی محبت وشفقت کے جذبات سے تپ رہا تھا۔ کیونکہ اب اسے ایک نیا چرکا لگا تھا جس نے پرانے زخم کرید دیئے تھے۔ عبدالمُطّلِب کے جذبات میں پوتے کے لیے ایسی رِقّت تھی کہ ان کی اپنی صُلبی اولاد میں سے بھی کسی کے لیے ایسی رقت نہ تھی چنانچہ قسمت نے آپ کو تنہائی کے جس صحرا میں لا کھڑا کیا تھا عبدالمُطّلِب اس میں آپ کو تنہا چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھے بلکہ آپ کو اپنی اولاد سے بھی بڑھ کر چاہتے اور بڑوں کی طرح ان کا احترام کرتے تھے۔ ابنِ ہشام کا بیان ہے کہ عبدالمُطّلِب کے لیے خانہ کعبہ کے سائے میں فرش بچھایا جاتا۔ ان کے سارے لڑکے فرش کے اردگرد بیٹھ جاتے۔ عبدالمُطّلِب تشریف لاتے تو فرش پر بیٹھتے۔ ان کی عظمت کے پیشِ نظر ان کا کوئی لڑکا فرش پر نہ بیٹھتا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تو فرش ہی پر بیٹھ جاتے۔ ابھی آپ کم عمر بچے تھے۔ آپ کے چچا حضرات آپ کو پکڑ کر اتار دیتے۔ لیکن جب عبدالمُطّلِب انہیں ایسا کرتے دیکھتے تو فرماتے: میرے اس بیٹے کو چھوڑ دو۔ بخدا اس کی شان نرالی ہے پھر انہیں اپنے ساتھ اپنے فرش پر بٹھا لیتے۔ اپنے ہاتھ سے پیٹھ سہلاتے اور ان کی نقل وحرکت دیکھ کر خوش ہوتے۔[۱۳]

آپؐ کی عمر ابھی ۸ سال دو مہینے دس دن کی ہُوئی تھی کہ دادا عبدالمُطّلِب کا بھی سایۂ شفقت اٹھ

---

[۱۰] صحیح مسلم باب الاسراء ۱/۹۲ - [۱۱] تلقیح الفہوم ص۷ - ابن ہشام ۱/۱۶۸ -

[۱۲] ابن ہشام ۱/۱۶۸ تلقیح الفہوم ص۷ - تاریخ خضری ۱/۶۳ فقہ السیرۃ غزالی ص۵۰ [۱۳] ابن ہشام ۱/۱۶۸

گیا۔ ان کا انتقال مکہ میں ہوا اور وہ وفات سے پہلے آپ ﷺ کے چچا ابوطالب کو ـــ جو آپ کے والد عبداللہ کے سگے بھائی تھے، آپ کی کفالت کی وصیت کر گئے تھے۔[۱۴]

شفیق چچا کی کفالت میں

ابوطالب نے اپنے بھتیجے کا حق کفالت بڑی خوبی سے ادا کیا، آپ کو اپنی اولاد میں شامل کیا، بلکہ ان سے بھی بڑھ کر مانا۔ مزید اعزاز و احترام سے نوازا۔ چالیس سال سے زیادہ عرصے تک قوت پہنچائی اپنی حمایت کا سایہ دراز رکھا اور آپؐ ہی کی بنیاد پر دوستی اور دشمنی کی مزید وضاحت اپنی جگہ آ رہی ہے۔

رُوئے مُبارکؐ سے فیضانِ باراں کی طلبؐ

ابن عساکر نے جلہمہ بن عرفطہ سے روایت کی ہے کہ میں مکہ آیا۔ لوگ قحط سے دو چار تھے۔ قریش نے کہا: ابوطالب! وادی قحط کا شکار ہے۔ بال بچے کال کی زد میں ہیں چلئے بارش کی دعا کیجئے۔ ابوطالب ایک بچہ ساتھ لے کر برآمد ہوئے۔ بچہ ابر آلود سورج معلوم ہوتا تھا۔ جس سے گھنا بادل ابھی ابھی چھٹا ہو۔ اس کے ارد گرد اور بھی بچے تھے۔ ابوطالب نے اس بچے کا ہاتھ پکڑ کر اس کی پیٹھ کعبہ کی دیوار سے ٹیک دی۔ بچے نے ان کی انگلی پکڑ رکھی تھی۔ اس وقت آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا نہ تھا۔ لیکن دیکھتے دیکھتے، اِدھر اُدھر سے بادل کی آمد شروع ہو گئی اور ایسی دھواں دھار بارش ہوئی کہ وادی میں سیلاب آگیا اور شہر و بیاباں شاداب ہو گئے۔ بعد میں ابوطالب نے اسی واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے محمد ﷺ کی مدح میں کہا تھا۔

وابیض یُستسقی الغمامُ بوجھہ ثِمالُ الیتامٰی عِصمۃٌ للأرامِلِ[۱۵]

"وہ خوبصورت ہیں۔ ان کے چہرے سے بارش کا فیضان طلب کیا جاتا ہے۔ یتیموں کے ماویٰ اور بیواؤں کے محافظ ہیں"

بَحِیرا راہب

بعض روایات کے مطابق ـــ جن کی استنادی حیثیت مشکوک ہے ـــ جب آپ کی عمر بارہ برس اور ایک تفصیلی قول کے مطابق بارہ برس دو مہینے دس دن[۱۶] کی ہو گئی تو ابوطالب آپؐ کو ساتھ لے کر تجارت کے لیے ملکِ شام کے سفر پر نکلے اور بصریٰ پہنچے۔ بصریٰ شام کا ایک مقام اور حوران کا مرکزی شہر ہے۔ اس وقت یہ جزیرۃ العرب کے

---

[۱۴] تلقیح الفہوم ص۷۔ ابن ہشام ۱/۱۴۹ [۱۵] مختصر السیرۃ شیخ عبداللہ ص۱۵، ۱۶

[۱۶] یہ بات ابن جوزی نے تلقیح الفہوم ص۷ میں کہی ہے۔

رومی مقبوضات کا دارالحکومت تھا۔ اس شہر میں جرجیس نامی ایک راہب رہتا تھا جو بُحَیرا کے لقب سے معروف تھا۔ جب قافلے نے وہاں پڑاؤ ڈالا تو یہ راہب اپنے گرجا سے نکل کر قافلے کے اندر آیا اور اس کی میزبانی کی حالانکہ اس سے پہلے وہ کبھی نہیں نکلتا تھا۔ اس نے رسُول اللہ ﷺ کو آپ کے اوصاف کی بنا پر پہچان لیا اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: یہ سید العالمینؐ ہیں۔ اللہ انہیں رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گا۔ ابوطالب نے کہا: آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ اس نے کہا "تم لوگ جب گھاٹی کے اس جانب نمودار ہوئے تو کوئی بھی درخت یا پتھر ایسا نہیں تھا جو سجدہ کے لیے جھک نہ گیا ہو اور یہ چیزیں نبی کے علاوہ کسی اور انسان کو سجدہ نہیں کرتیں۔ پھر میں انہیں مُہرِ نبوّت سے پہچانتا ہوں جو کندھے کے نیچے کری (نرم ہڈی) کے پاس سیب کی طرح ہے اور ہم انہیں اپنی کتابوں میں بھی پاتے ہیں"——

اس کے بعد بُحَیرا راہب نے ابوطالب سے کہا کہ انہیں واپس کر دو ملکِ شام نہ لے جاؤ کیونکہ یہود سے خطرہ ہے۔ اس پر ابوطالب نے بعض غلاموں کی معیت میں آپ کو مکہ واپس بھیج دیا۔[۱۷]

جنگ فِجَار

آپ کی عمر پندرہ برس کی ہوئی تو جنگ فُجّار پیش آئی۔ اس جنگ میں ایک طرف قریش اور ان کے ساتھ بنو کنانہ تھے اور دوسری طرف قیس عَیلان تھے۔ قریش اور کنانہ کا کمانڈر حَرب بن اُمیّہ تھا۔ کیونکہ وہ اپنے سن و شرف کی وجہ سے قریش و کنانہ کے نزدیک بڑا مرتبہ رکھتا تھا۔ پہلے پہر کنانہ پر قیس کا پلہ بھاری تھا لیکن دوپہر ہوتے ہوتے قیس پر کنانہ کا پلہ بھاری ہوگیا۔ اسے حرب فجار اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں حرم اور حرام مہینے دونوں کی حرمت چاک کی گئی۔ اس جنگ میں رسُول اللہ ﷺ بھی تشریف لے گئے تھے اور اپنے چچاؤں کو تیر تھماتے تھے۔[۱۸]

حلفُ الفضُول

اس جنگ کے بعد ایک حُرمت والے مہینے ذی قعدہ میں حلف الفضول پیش آئی۔ چند قبائل قریش یعنی بنی ہاشم، بنی مُطّلب، بنی اسد بن عبدالعزّیٰ

---

[۱۷] مختصرہ السیرۃ شیخ عبداللہ ص۱۶، ابن ہشام ۱/۱۸۰ تا ۱۸۳، ترمذی وغیرہ کی روایت میں مذکور ہے کہ آپ کو حضرت بلالؓ کی معیت میں روانہ کیا گیا لیکن یہ فاش غلطی ہے۔ بلال تو اُس وقت غالباً پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اور اگر پیدا ہوئے تھے تو بہرحال ابوطالب یا ابوبکرؓ کے ساتھ نہ تھے۔ زاد المعاد ۱/۱۷۔

[۱۸] ابن ہشام ۱/۱۸۴ تا ۱۸۶ قلب جزیرۃ العرب ص۲۶۰ تاریخ خضری ۱/۶۳

بنی زہرہ بن کلاب اور بنی تیم بن مُرّہ نے اس کا اہتمام کیا۔ یہ لوگ عبد اللہ بن جُدعان تیمی کے مکان پر جمع ہوئے ——— کیونکہ وہ سن و شرف میں ممتاز تھا ——— اور آپس میں عہد و پیمان کیا کہ مکّہ میں جو بھی مظلوم نظر آئے گا۔ خواہ مکے کا رہنے والا ہو یا کہیں اور کا، یہ سب اس کی مدد اور حمایت میں اُٹھ کھڑے ہوں گے اور اس کا حق دلوا کر رہیں گے۔ اس اجتماع میں رسُول اللہ ﷺ بھی تشریف فرما تھے اور بعد میں شرفِ رسالت سے مشرف ہونے کے بعد فرمایا کرتے تھے "میں عبد اللہ بن جُدعان کے مکان پر ایک ایسے معاہدے میں شریک تھا کہ مجھے اس کے عوض سُرخ اُونٹ بھی پسند نہیں اور اگر (دَور) اسلام میں اس عہد و پیمان کے لیے مجھے بلایا جاتا تو میں لبیک کہتا"[۱۹]

اس معاہدے کی روح عصبیت کی تہ سے اٹھنے والی جاہلی حمیّت کے منافی تھی۔ اس معاہدے کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ زبید کا ایک آدمی سامان لے کر مکہ آیا اور عاص بن وائل نے اس سے سامان خریدا۔ لیکن اس کا حق روک لیا۔ اس نے حلیف قبائل عبد الدار، مخزوم، جمح، سہم اور عدی سے مدد کی درخواست کی۔ لیکن کسی نے توجہ نہ دی۔ اس کے بعد اس نے جبلِ ابو قُبیس پر چڑھ کر بلند آواز سے چند اشعار پڑھے۔ جن میں اپنی داستانِ مظلومیت بیان کی تھی۔ اس پر زبیر بن عبد المُطّلِب نے دوڑ دھوپ کی اور کہا کہ یہ شخص بے یار و مددگار کیوں ہے؟ ان کی کوشش سے اوپر ذکر کیے ہوئے قبائل جمع ہو گئے۔ پہلے معاہدہ طے کیا اور پھر عاص بن وائل سے اس زبیدی کا حق دلایا[۲۰]

جفاکشی کی زندگی

عنفوانِ شباب میں رسول اللہ ﷺ کا کوئی معیّن کام نہ تھا، البتہ یہ خبر متواتر ہے کہ آپ بکریاں چراتے تھے۔ آپ ﷺ نے بنی سعد کی بکریاں چرائیں[۲۱] اور مکّہ میں بھی اہل مکّہ کی بکریاں چند قیراط کے عوض چراتے رہے[۲۲]۔ پچیس سال کی عمر ہوئی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال لے کر تجارت کے لیے ملکِ شام تشریف لے گئے۔ ابنِ اسحاق کا بیان ہے کہ خدیجہ بنت خُوَیلد ایک معزز مالدار اور تاجر خاتون تھیں۔ لوگوں کو اپنا مال تجارت کے لیے دیتی تھیں اور مضاربت کے اصول پر ایک حصہ طے کر لیتی تھیں۔ پورا قبیلہ قریش ہی تاجر پیشہ تھا۔ جب انہیں

---

[۱۹] ابنِ ہشام ۱/۱۳۳، ۱۳۵، مختصر السیرۃ شیخ عبد اللہ ص ۳۰، ۳۱۔

[۲۰] ایضاً مختصر السیرہ ص ۳۰، ۳۱۔ [۲۱] ابنِ ہشام ۱/۱۶۶۔

[۲۲] صحیح بخاری۔ الاجارات، باب رعی الغنم علی قراریط ۱/۳۰۱۔

رسول اللہ ﷺ کی راست گوئی امانت اور مکارم اخلاق کا علم ہوا تو انہوں نے ایک پیغام کے ذریعے پیش کش کی کہ آپ ان کا مال لے کر تجارت کے لیے ان کے غلام مَیْسَرَہ کے ساتھ ملکِ شام تشریف لے جائیں۔ وہ دوسرے تاجروں کو جو کچھ دیتی ہیں اس سے بہتر اجرت آپ کو دیں گی۔ آپ نے یہ پیش کش قبول کر لی۔ اور اُن کا مال لے کر ان کے غلام مَیْسَرَہ کے ساتھ مُلک شام تشریف لے گئے [۲۳]

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی

جب آپ مکہ واپس تشریف لائے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے مال میں ایسی امانت و برکت دیکھی جو اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی اور ادھر ان کے غلام مَیْسَرَہ نے آپ کے شیریں اخلاق، بلند پایہ کردار موزوں اندازِ فکر راست گوئی اور امانت دارانہ طور طریق کے متعلق اپنے مشاہدات بیان کیے تو حضرت خدیجہؓ کو اپنا گم گشتہ گوہرِ مطلوب دستیاب ہو گیا —— اُس سے پہلے بڑے بڑے سردار اور رئیس ان سے شادی کے خواہاں تھے۔ لیکن انہوں نے کسی کا پیغام منظور نہ کیا تھا۔ اب انہوں نے اپنے دل کی بات اپنی سہیلی نفیسہ بنت منیہ سے کہی اور نفیسہ نے جا کر نبی ﷺ سے گفت و شنید کی۔ آپ ﷺ راضی ہو گئے اور اپنے چچاؤں سے اس معاملے میں بات کی۔ انہوں نے حضرت خدیجہؓ کے چچا سے بات کی اور شادی کا پیغام دیا۔ اسکے بعد شادی ہو گئی۔ نکاح میں بنی ہاشم اور رؤسائے مُضَر شریک ہُوئے ——

یہ ملکِ شام سے واپسی کے دو مہینے بعد کی بات ہے۔ آپ ﷺ نے مَہر میں بیس اُونٹ دیئے۔ اس وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال تھی اور وہ نسب و دولت اور سوجھ بوجھ کے لحاظ سے اپنی قوم کی سب سے معزز اور افضل خاتون تھیں۔ یہ پہلی خاتون تھیں جن سے رسُول اللہ ﷺ نے شادی کی اور ان کی وفات تک کسی دوسری خاتون سے شادی نہیں کی [۲۴]

ابراہیم کے علاوہ رسُول اللہ ﷺ کی بقیہ تمام اولاد اُنہی کے بطن سے تھی۔ سب سے پہلے قاسم پیدا ہوئے اور انہی کے نام پر آپ کی کنیت ابوالقاسم پڑی۔ پھر زینبؓ، رقیہؓ، اُم کلثومؓ فاطمہؓ اور عبداللہ پیدا ہُوئے۔ عبداللہ کا لقب طیّب اور طاہر تھا۔ آپ ﷺ کے سب بچے

---

[۲۳] ابنِ ہشام ۱/ ۱۸۸، ۱۸۸۔

[۲۴] ابنِ ہشام ۱/ ۱۸۹، ۱۹۰ فقہ السیرۃ ص ۵۹ تلقیح الفہوم ص ۷

بچپن ہی میں انتقال کر گئے البتہ بچیوں میں سے ہر ایک نے اسلام کا زمانہ پایا، مسلمان ہوئیں اور ہجرت کے شرف سے مشرف ہوئیں لیکن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سوا باقی سب کا انتقال آپ کی زندگی ہی میں ہوگیا۔ حضرت فاطمہ کی وفات آپ کی رحلت کے چھ ماہ بعد ہوئی۔[۲۵]

کعبہ کی تعمیر اور حجرِ اسود کے تنازعہ کا فیصلہ

آپ ﷺ کی عمر کا پینتیسواں سال تھا کہ قریش نے نئے سرے سے خانہ کعبہ کی تعمیر شروع کی۔ وجہ یہ تھی کہ کعبہ صرف قد سے کچھ اونچی چہار دیواری کی شکل میں تھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے زمانے ہی سے اس کی بلندی ۹ ہاتھ تھی اور اس پر چھت نہ تھی۔ اس کیفیت کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے کچھ چوروں نے اس کے اندر رکھا ہوا خزانہ چرا لیا —— اس کے علاوہ اس کی تعمیر پر ایک طویل زمانہ گذر چکا تھا۔ عمارت خستگی کا شکار ہو چکی تھی اور دیواریں پھٹ گئی تھیں۔ ادھر اسی سال ایک زور دار سیلاب آیا۔ جس کے بہاؤ کا رُخ خانہ کعبہ کی طرف تھا۔ اس کے نتیجے میں خانہ کعبہ کسی بھی لمحے ڈھ سکتا تھا۔ اس لیے قریش مجبور ہو گئے کہ اس کا مرتبہ ومقام برقرار رکھنے کے لیے اسے ازسرِ نو تعمیر کریں۔

اس مرحلے پر قریش نے یہ متفقہ فیصلہ کیا کہ خانۂ کعبہ کی تعمیر میں صرف حلال رقم ہی استعمال کریں گے۔ اس میں رنڈی کی اُجرت، سُود کی دولت اور کسی کا ناحق لیا ہوا مال استعمال نہیں ہونے دیں گے۔ (نئی تعمیر کے لیے پرانی عمارت کو ڈھانا ضروری تھا، لیکن کسی کو ڈھانے کی جرأت نہیں ہوتی تھی بالآخر ولید بن مغیرہ مخزومی نے ابتداء کی۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ اس پر کوئی آفت نہیں ٹوٹی تو باقی لوگوں نے بھی ڈھانا شروع کیا اور جب قواعد ابراہیم تک ڈھا چکے تو تعمیر کا آغاز کیا۔ تعمیر کے لیے الگ الگ ہر قبیلے کا حصہ مقرر تھا اور ہر قبیلے نے علیحدہ علیحدہ پتھر کے ڈھیر لگا رکھے تھے۔ تعمیر شروع ہوئی۔ باقوم نامی ایک رومی معمار نگراں تھا۔ جب عمارت حجر اسود تک بلند ہو چکی تو یہ جھگڑا اٹھ کھڑا ہُوا کہ حجر اسود کو اس کی جگہ رکھنے کا شرف وامتیاز کسے حاصل ہو۔ یہ جھگڑا چار پانچ روز تک جاری رہا اور رفتہ رفتہ اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ معلوم ہوتا تھا سرزمینِ حرم میں سخت خون خرابہ ہو جائے گا۔ لیکن ابوامیہ مخزومی نے یہ کہہ کر فیصلے کی ایک صُورت پیدا کر دی کہ مسجدِ حرام کے دروازے سے دوسرے دن جو سب سے پہلے داخل ہو اسے اپنے

---

۲۵ ابنِ ہشام ۱/۱۹۰، ۱۹۱ فقہ السیرۃ ص ۶۰ فتح الباری ۷/۱۰۵۔ تاریخی مصادر میں قدرے اختلاف ہے میرے نزدیک جو راجح ہے میں نے اسی کو درج کیا ہے۔

جھگڑے کا حکم مان لیں۔ لوگوں نے یہ تجویز منظور کر لی۔ اللہ کی مشیّت کہ اس کے بعد سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ لوگوں نے آپؐ کو دیکھا تو چیخ پڑے کہ ھٰذا الامین رضیناہ ھٰذا محمّد ﷺ "یہ امین ہیں۔ ہم ان سے راضی ہیں یہ محمد ﷺ ہیں" پھر جب آپ ان کے قریب پہنچے اور انہوں نے آپؐ کو معاملے کی تفصیل بتائی تو آپؐ نے ایک چادر طلب کی بیچ میں حجرِ اسود رکھا اور متنازعہ قبائل کے سرداروں سے کہا کہ آپ سب حضرات چادر کا کنارہ پکڑ کر اُوپر اٹھائیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جب چادر حجرِ اسود کے مقام تک پہنچ گئی تو آپؐ نے اپنے دست مبارک سے حجرِ اسود کو اس کی مقررہ جگہ پر رکھ دیا یہ بڑا معقول فیصلہ تھا۔ اس پر ساری قوم راضی ہو گئی۔

ادھر قریش کے پاس مالِ حلال کی کمی پڑ گئی اس لیے انہوں نے شمال کی طرف سے کعبہ کی لمبائی تقریباً چھ ہاتھ کم کر دی۔ یہی ٹکڑا حِجر اور حطیم کہلاتا ہے۔ اس دفعہ قریش نے کعبہ کا دروازہ زمین سے خاصا بلند کر دیا تاکہ اس میں وہی شخص داخل ہو سکے جسے وہ اجازت دیں۔ جب دیواریں پندرہ ہاتھ بلند ہو گئیں تو اندر چھ ستون کھڑے کر کے اوپر سے چھت ڈال دی گئی اور کعبہ اپنی تکمیل کے بعد قریب قریب چوکور شکل کا ہو گیا۔ اَب خانہ کعبہ کی بلندی پندرہ میٹر ہے۔ حجرِ اسود والی دیوار اور اس کے سامنے کی دیوار یعنی جنوبی اور شمالی دیواریں دس دس میٹر ہیں۔ حجرِ اسود مُطاف کی زمین سے ڈیڑھ میٹر کی بلندی پر ہے۔ دروازے والی دیوار اور اس کے سامنے کی دیوار یعنی پُورب اور پچھم کی دیواریں ۱۲۔۔۔۱۲ میٹر ہیں۔ دروازہ زمین سے دو میٹر بلند ہے۔ دیوار کے گرد نیچے ہر چہار جانب سے ایک بڑھے ہوئے کرسی نما ضلعے کا گھیرا ہے جس کی اوسط اونچائی ۲۵ سینٹی میٹر اور اوسط چوڑائی ۳۰ سینٹی میٹر ہے۔ اسے شاذروان کہتے ہیں۔ یہ بھی دراصل بیت اللہ کا جزو ہے لیکن قریش نے اسے بھی چھوڑ دیا تھا۔[۲۶]

نبوت سے پہلے کی اجمالی سیرت

نبی ﷺ کا وجود ان تمام خوبیوں اور کمالات کا جامع تھا جو متفرق طور پر لوگوں کے مختلف طبقات میں پائے جاتے ہیں۔ آپ ﷺ اصابتِ فکر، دُور بینی اور حق پسندی کا بلند مینار تھے۔ آپ ﷺ کو حُسنِ فراست، پختگیٔ فکر اور

---

[۲۶] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ابنِ ہشام ۱/۱۹۲ تا ۱۹۷، فقہ السیرہ ص ۶۲، ۶۳۔ صحیح بخاری باب فضل مکة وبنیانہا ۱/۲۱۵، تاریخ خضری ۱/۶۴، ۶۵۔

وسیلہ ومقصد کی درستگی سے حظِّ وافر عطا ہوا تھا۔ آپ ﷺ اپنی طویل خاموشی سے مسلسل غور وخوض، دائمی تفکیر اور حق کی کُرید میں مدد لیتے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنی شاداب عقل اور روشن فطرت سے زندگی کے صحیفے، لوگوں کے معاملات اور جماعتوں کے احوال کا مطالعہ کیا اور جن خرافات میں یہ سب لت پت تھیں ان سے سخت بیزاری محسوس کی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان سب سے دامن کش رہتے ہُوئے پُوری بصیرت کے ساتھ لوگوں کے درمیان زندگی کا سفر طے کیا یعنی لوگوں کا جو کام اچھا ہوتا اس میں شرکت فرماتے ورنہ اپنی مقررہ تنہائی کی طرف پلٹ جاتے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے شراب کو کبھی منہ نہ لگایا، آستانوں کا ذبیحہ نہ کھایا اور بُتوں کے لیے منائے جانے والے تہوار اور میلوں ٹھیلوں میں کبھی شرکت نہ کی۔

آپؐ کو شروع ہی سے ان باطل معبودوں سے اتنی نفرت تھی کہ ان سے بڑھ کر آپ کی نظر میں کوئی چیز مبغوض نہ تھی حتیٰ کہ لات وعُزّیٰ کی قسم سننا بھی آپ کو گوارا نہ تھا۔[۲۷]

اس میں شبہ نہیں کہ تقدیر نے آپ پر حفاظت کا سایہ ڈال رکھا تھا۔ چنانچہ جب بعض دنیاوی تمتّعات کے حصول کے لیے نفس کے جذبات متحرک ہُوئے یا بعض ناپسندیدہ رسم ورواج کی پیروی پر طبیعت آمادہ ہوئی تو عنایتِ ربانی دخیل ہو کر رکاوٹ بن گئی۔ ابن اثیر کی ایک روایت ہے کہ رسُول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اہل جاہلیت جو کام کرتے تھے مجھے دو دفعہ کے علاوہ کبھی ان کا خیال نہیں گذرا لیکن ان دونوں میں سے بھی ہر دفعہ اللہ تعالیٰ نے میرے اور اس کام کے درمیان رکاوٹ ڈال دی۔ اس کے بعد پھر کبھی مجھے اس کا خیال نہ گذرا یہاں تک کہ اللہ نے مجھے اپنی پیغمبری سے مشرّف فرما دیا۔ ہوا یہ کہ جو لڑکا بالائی مکہ میں میرے ساتھ بکریاں چرایا کرتا تھا اس سے ایک رات میں نے کہا: کیوں نہ تم میری بکریاں دیکھو اور میں مکہ جا کر دوسرے جوانوں کی طرح وہاں کی شبانہ قصہ گوئی کی محفل میں شرکت کر لوں! اس نے کہا ٹھیک ہے۔ اس کے بعد میں نکلا اور ابھی مکہ کے پہلے ہی گھر کے پاس پہنچا تھا کہ باجے کی آواز سنائی پڑی۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا فلاں کی فلاں سے شادی ہے۔ میں سننے بیٹھ گیا اور اللہ نے میرا کان بند کر دیا اور میں سو گیا۔ پھر سورج کی تمازت ہی سے میری آنکھ کھُلی اور میں اپنے ساتھی کے پاس واپس چلا گیا۔ اس کے پوچھنے پر میں نے تفصیلات بتائیں۔ اس کے بعد ایک رات پھر میں نے یہی بات کہی اور مکہ پہنچا تو پھر اسی رات کی طرح کا واقعہ

---

[۲۷] بحیرا کے واقعہ میں اس کی دلیل موجود ہے۔ دیکھئے ابنِ ہشام ۱/۱۲۸

پیش آیا اور اسکے بعد پھر کبھی غلط ارادہ نہ ہوا[۲۸]

صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ جب کعبہ تعمیر کیا گیا تو نبی ﷺ اور حضرت عباسؓ پتھر ڈھو رہے تھے۔ حضرت عباسؓ نے نبی ﷺ سے کہا: اپنا تہبند اپنے کندھے پر رکھ لو، پتھر سے حفاظت رہے گی، لیکن جونہی آپ نے ایسا کیا آپ زمین پر جا گرے۔ نگاہیں آسمان کی طرف اُٹھ گئیں۔ افاقہ ہوتے ہی آواز لگائی، میرا تہبند۔ میرا تہبند اور آپ کا تہبند آپ کو باندھ دیا گیا۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ اس کے بعد آپ کی شرمگاہ کبھی نہیں دیکھی گئی[۲۹]

نبی ﷺ اپنی قوم میں شیریں کردار، فاضلانہ اخلاق اور کریمانہ عادات کے لحاظ سے ممتاز تھے۔ چنانچہ آپ سب سے زیادہ بامروت، سب سے خوش اخلاق، سب سے معزز ہمسایہ، سب سے بڑھ کر دُور اندیش، سب سے زیادہ راست گو، سب سے نرم پہلو سب سے زیادہ پاک نفس، خیر میں سب سے زیادہ کریم، سب سے نیک عمل، سب سے بڑھ کر پابندِ عہد اور سب سے بڑے امانت دار تھے، حتیٰ کہ آپ کی قوم نے آپ کا نام ہی "امین" رکھ دیا تھا کیونکہ آپ احوالِ صالحہ اور خصالِ حمیدہ کا پیکر تھے۔ اور جیسا کہ حضرت خدیجہؓ کی شہادت ہے "آپ ﷺ درماندوں کا بوجھ اٹھاتے تھے، تہی دستوں کا بندوبست فرماتے تھے، مہمان کی میزبانی کرتے تھے اور مصائبِ حق میں اعانت فرماتے تھے"[۳۰]

---

[۲۸] اس حدیث کو حاکم و ذہبی نے صحیح کہا ہے لیکن ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ ۲/۲۸۷ میں اس کی تضعیف کی ہے۔

[۲۹] صحیح بخاری باب بنیان الکعبہ ۱/۵۴۰ [۳۰] صحیح بخاری ۱/۳۔

نُبوّت و رِسالت کی چھاؤں میں

غارِ حرا کے اندر

رُسول اللہ ﷺ کی عمر شریف جب چالیس برس کے قریب ہو چلی ـــــ اور اس دوران آپ ﷺ کے اب تک کے تاملات نے قوم سے آپ ﷺ کا ذہنی اور فکری فاصلہ بہت وسیع کر دیا تھا ـــــ تو آپ ﷺ کو تنہائی محبوب ہو گئی۔ چنانچہ آپ ﷺ ستو اور پانی لے کر مکہ سے کوئی دو میل دور کوہ حرا کے ایک غار میں جا رہتے ـــــ یہ ایک مختصر سا غار ہے جس کا طول چار گز اور عرض پونے دو گز ہے۔ یہ نیچے کی جانب گہرا نہیں ہے بلکہ ایک مختصر راستے کے بازو میں اوپر کی چٹانوں کے باہم ملنے سے ایک کوتل کی شکل اختیار کئے ہوئے ہے۔ ـــــ آپ ﷺ جب یہاں تشریف لے جاتے تو حضرت خدیجہؓ بھی آپ ﷺ کے ہمراہ جاتیں اور قریب ہی کسی جگہ موجود رہتیں۔ آپ ﷺ رمضان بھر اس غار میں قیام فرماتے۔ آنے جانے والے مسکینوں کو کھانا کھلاتے اور بقیہ اوقات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارتے، کائنات کے مشاہد اور اس کے پیچھے کارفرما قدرتِ نادرہ پر غور فرماتے۔ آپ ﷺ کو اپنی قوم کے لچر پوچ شرکیہ عقائد اور واہیات تصورات پر بالکل اطمینان نہ تھا لیکن آپ ﷺ کے سامنے کوئی واضح راستہ، معیّن طریقہ اور افراط و تفریط سے ہٹی ہوئی کوئی ایسی راہ نہ تھی جس پر آپ ﷺ اطمینان و انشراح قلب کے ساتھ رواں دواں ہو سکتے[1]

نبی ﷺ کی یہ تنہائی پسندی بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی تدبیر کا ایک حصہ تھی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ آپ کو آنے والے کارِ عظیم کے لیے تیار کر رہا تھا۔ درحقیقت جس روح کے لیے بھی یہ مقدر ہو کہ وہ انسانی زندگی کے حقائق پر اثر انداز ہو کر ان کا رُخ بدل ڈالے اس کے لیے ضروری ہے کہ زمین کے مشاغلِ زندگی کے شور اور لوگوں کے چھوٹے چھوٹے ہمّ و غم کی دنیا سے کٹ کر کچھ عرصے کے لیے الگ تھلگ اور خلوت نشین رہے۔

ٹھیک اسی سنّت کے مطابق جب اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو امانتِ کبریٰ کا بوجھ اٹھانے، روئے زمین کو بدلنے اور خطِ تاریخ کو موڑنے کے لیے تیار کرنا چاہا تو رسالت کی ذمہ داری عائد کرنے

۱؎ رحمۃ للعالمین ۱/۴۷ ابن ہشام ۱/۲۳۵، ۲۳۶ فی ظلال القرآن پارہ ۲۹/ ۱۶۶ -

سے تین سال پہلے آپ ﷺ کے لیے خلوت نشینی مقدر کر دی۔ آپ ﷺ اس خلوت میں ایک ماہ تک کائنات کی آزاد روح کے ساتھ ہم سفر رہتے اور اس وجود کے پیچھے چھپے ہوئے غیب کے اندر تدبر فرماتے تاکہ جب اللہ تعالیٰ کا اذن ہو تو اس غیب کے ساتھ تعامل کیلئے مستعد رہیں [۱]

جبریلؑ وحی لاتے ہیں

جب آپ ﷺ کی عمر چالیس برس ہو گئی —— اور یہی سِن کمال ہے، اور کہا جاتا ہے کہ یہی پیغمبروں کی بعثت کی عمر ہے —— تو زندگی کے افق کے پار سے آثار نبوت چمکنا اور جگمگانا شروع ہوئے۔ یہ آثار خواب تھے۔ آپ ﷺ جو بھی خواب دیکھتے وہ سپیدۂ صبح کی طرح نمودار ہوتا۔ اس حالت پر چھ ماہ کا عرصہ گذر گیا —— جو مدت نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے اور کل مدتِ نبوت تیئس برس ہے —— اس کے بعد جب حراء میں خلوت نشینی کا تیسرا سال آیا تو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ روئے زمین کے باشندوں پر اس کی رحمت کا فیضان ہو۔ چنانچہ اس نے آپ ﷺ کو نبوت سے مشرف کیا اور حضرت جبریل علیہ السلام قرآن مجید کی چند آیات لے کر آپ ﷺ کے پاس تشریف لائے [۲]

دلائل و قرائن پر ایک جامع نگاہ ڈال کر حضرت جبریل علیہ السلام کی تشریف آوری کے اس واقعے کی تاریخ معین کی جا سکتی ہے۔ ہماری تحقیق کے مطابق یہ واقعہ رمضان المبارک کی ۲۱ تاریخ کو دوشنبہ کی رات میں پیش آیا۔ اس روز اگست کی ۱۰ تاریخ تھی اور سنہ ۶۱۰ء تھا۔ قمری حساب سے نبی ﷺ کی عمر چالیس سال چھ مہینے بارہ دن اور شمسی حساب سے ۳۹ سال تین مہینے ۲۲ دن تھی [۳]

---

[۱] فی ظلال القرآن پارہ ۲۹/ ۱۶۶، ۱۶۷

[۲] حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ بیہقی نے یہ حکایت کی ہے کہ خواب کی مدت چھ ماہ تھی، لہٰذا خواب کے ذریعے نبوت کا آغاز چالیس سال کی عمر مکمل ہونے پر ماہ ربیع الاول میں ہوا جو آپ کی ولادت کا مہینہ ہے لیکن حالتِ بیداری میں آپ کے پاس وحی رمضان شریف میں آئی۔ (فتح الباری ۱/ ۲۷)

[۳] **آغازِ وحی کا مہینہ، دن اور تاریخ** مؤرخین میں بڑا اختلاف ہے کہ نبی ﷺ کس مہینے میں شرفِ نبوت اور اعزازِ وحی سے سرفراز ہوئے۔ بیشتر سیرت نگار کہتے ہیں کہ یہ ربیع الاوّل کا مہینہ تھا، لیکن ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ رمضان کا مہینہ تھا، بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ رجب کا مہینہ تھا، (دیکھئے مختصر السیرہ از شیخ عبد اللہ ص ۷۵) ہمارے نزدیک دوسرا قول زیادہ صحیح ہے کہ یہ رمضان کا مہینہ تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ.. (۲: ۱۸۵) "رمضان کا مہینہ ہی وہ بابرکت مہینہ ہے، جس میں قرآن کریم نازل کیا گیا" اور ارشاد ہے اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ (۹۷: ۱) یعنی "ہم نے قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل کیا" اور معلوم ہے کہ لیلۃ القدر رمضان میں ہے۔ یہی لیلۃ القدر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں بھی مراد ہے اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۝ (۴۴: ۳) "ہم نے قرآن مجید کو ایک بابرکت رات میں اتارا ہم لوگوں کو عذاب کے خطرے سے آگاہ کرنے والے ہیں"

(باقی اگلے صفحہ پر)

آیئے اب ذرا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی اس واقعے کی تفصیلات سُنیں۔ یہ نوارِ لاہوت کا ایک ایسا شعلہ تھا جس سے کفر وضلالت کی تاریکیاں چھٹتی چلی گئیں، یہاں تک کہ زندگی کی رفتار بدل گئی اور تاریخ کا رُخ پلٹ گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، "رسول اللہ ﷺ پر وحی کی ابتدا نیند میں اچھے خواب سے ہُوئی۔ آپؐ جو بھی خواب دیکھتے تھے وہ سپیدۂ صبح کی طرح نمودار ہوتا تھا۔ پھر آپؐ کو تنہائی محبوب ہوگئی۔ چنانچہ آپؐ غارِ حرا میں خلوت اختیار فرماتے اور کئی کئی رات گھر تشریف لائے بغیر مصروفِ عبادت رہتے۔ اس کے لیے آپؐ توشہ لے جاتے۔ پھر (توشہ ختم ہونے پر) حضرت خدیجہؓ کے پاس واپس آتے اور تقریباً اتنے ہی دنوں کیلئے پھر توشہ لے جاتے۔ یہاں تک کہ آپؐ کے پاس حق آیا اور آپؐ غارِ حرا میں تھے یعنی آپؐ کے پاس فرشتہ آیا اور اس نے کہا پڑھو! آپؐ نے فرمایا' میَں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ اس پر اس نے مجھے پکڑ کر اس زور سے دبایا کہ میری قوت نچوڑ دی۔ پھر چھوڑ کر کہا' پڑھو! میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس نے دوبارہ پکڑ کر دبوچا۔ پھر چھوڑ کر کہا' پڑھو! میں نے پھر کہا مَیں پڑھا ہُوا نہیں ہوں۔ اس نے تیسری بار پکڑ کر دبوچا پھر چھوڑ کر کہا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ

(بقیہ نوٹ گزشتہ صفحہ) دوسرے قول کی ترجیح کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حرا میں رسول اللہ ﷺ کا قیام ماہِ رمضان میں ہوا کرتا تھا اور معلوم ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام حرا ہی میں تشریف لائے تھے۔

جو لوگ رمضان میں نزولِ وحی کے آغاز کے قائل ہیں ان میں پھر اختلاف ہے کہ اس دن رمضان کی کونسی تاریخ تھی۔ بعض سات کہتے ہیں، بعض سترہ اور بعض اٹھارہ (دیکھئے مختصر السیرہ ص۷۵ رحمۃ للعالمین ۱/۴۹) علامہ خضری کا اصرار ہے کہ یہ سترھویں تاریخ تھی۔ دیکھئے (تاریخ خضری ۱/۶۹، اور تاریخ التشریع الاسلامی ص۵-۶، ۷)

میں نے ۲۱ تاریخ کو اس بناء پر ترجیح دی ہے ــــ حالانکہ مجھے اس کا کوئی قائل نظر نہیں آیا ــــ کہ بیشتر سیرت نگاروں کا اتفاق ہے کہ آپ کی بعثت دوشنبہ کے روز ہوئی تھی اور اس کی تائید ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دوشنبہ کے دن کے روزے کی بابت دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ وہ دن ہے جسمیں مَیں پیدا ہوا۔ اور جس میں مجھے پیغمبر بنایا گیا۔ یا جس میں مجھ پر وحی نازل کی گئی۔ (صحیح مسلم ۱/۳۶۸، مسند احمد ۵/۲۹۷، ۲۹۹ بیہقی ۴/۲۸۶، ۳۰۰ حاکم ۲/۶۰۲) ــــ اور اس سال رمضان میں دوشنبہ کا دن ۷، ۱۴، ۲۱، اور ۲۸ تاریخوں کو پڑا تھا۔ اِدھر صحیح روایات سے یہ بات ثابت اور متعیّن ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں پڑتی ہے، اور ان ہی طاق راتوں میں منتقل بھی ہوتی رہتی ہے۔ اب ہم ایک طرف اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دیکھتے ہیں کہ ہم نے قرآن مجید کو لیلۃ القدر میں نازل کیا، دوسری طرف ابو قتادہؓ کی یہ روایت دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو دوشنبہ کے روز مبعوث فرمایا گیا، تیسری طرف تقویم کا حساب دیکھتے ہیں کہ اس سال رمضان میں دوشنبہ کا دن کن کن تاریخوں میں پڑا تھا تو متعین ہو جاتا ہے کہ نبی ﷺ کی بعثت اکیسویں رمضان کی رات میں ہوئی۔ اس لیے یہی نزولِ وحی کی پہلی تاریخ ہے۔

مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ ؎ "پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، انسان کو لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھو اور تمہارا رب نہایت کریم ہے"۔

ان آیات کے ساتھ رسول اللہ ﷺ پلٹے۔ آپ ﷺ کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ حضرت خدیجہؓ بنت خویلد کے پاس تشریف لائے اور فرمایا مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو۔ انہوں نے آپ ﷺ کو چادر اوڑھا دی یہاں تک کہ خوف جاتا رہا۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو واقعے کی اطلاع دیتے ہوئے فرمایا، یہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟ مجھے تو اپنی جان کا ڈر لگتا ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے کہا قطعاً نہیں، بخدا آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ رسوا نہ کرے گا۔ آپ ﷺ صلہ رحمی کرتے ہیں درماندوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، تہی دستوں کا بندوبست کرتے ہیں، مہمان کی میزبانی کرتے ہیں اور حق کے مصائب پر اعانت کرتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت خدیجہؓ آپؐ کو اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبد العزیٰ کے پاس لے گئیں۔ ورقہ دورِ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے اور عبرانی میں لکھنا جانتے تھے چنانچہ عبرانی زبان میں حسبِ توفیقِ الٰہی انجیل لکھتے تھے۔ اُس وقت بہت بوڑھے اور نابینا ہو چکے تھے۔ ان سے حضرت خدیجہؓ نے کہا بھائی جان! آپ اپنے بھتیجے کی بات سنیں۔ ورقہ نے کہا: بھتیجے! تم کیا دیکھتے ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ دیکھا تھا بیان فرمایا۔ اس پر ورقہ نے آپؐ سے کہا: یہ تو وہی ناموس ہے جسے اللہ نے موسیٰؑ پر نازل کیا تھا۔ کاش میں اس وقت توانا ہوتا۔ کاش میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپؐ کی قوم آپؐ کو نکال دے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اچھا! تو کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا، ہاں! جب بھی کوئی آدمی اس طرح کا پیغام لایا جیسا تم لائے ہو تو اس سے ضرور دشمنی کی گئی اور اگر میں نے تمہارا زمانہ پالیا تو تمہاری زبردست مدد کروں گا۔ اس کے بعد ورقہ جلد ہی فوت ہو گئے اور وحی رک گئی۔ ؎؎

طبری اور ابن ہشام کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اچانک وحی کی آمد کے بعد غارِ

؎ آیتیں عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ تک نازل ہوئی تھیں۔ (۹۶: ۱-۵)

؎؎ صحیح بخاری باب کیف کان بدء الوحی ۱/ ۲، ۳، الفاظ کے تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ یہ روایت صحیح بخاری کتاب التفسیر اور تعبیر الرویاء میں بھی مروی ہے۔

حرا سے نکلے تو پھر واپس آکر اپنی بقیہ مدت قیام پوری کی اس کے بعد مکہ تشریف لائے۔ طبری کی روایت سے آپ کے نکلنے کے سبب پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ روایت یہ ہے:

رسول اللہ ﷺ نے وحی کی آمد کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: "اللہ کی مخلوق میں شاعر اور پاگل سے بڑھ کر میرے نزدیک کوئی قابلِ نفرت نہ تھا۔ (میں شدّتِ نفرت سے) ان کی طرف دیکھنے کی تاب نہ رکھتا تھا۔ (اب جو وحی آئی تو، میں نے (اپنے جی میں) کہا کہ یہ ناکارہ — یعنی خود آپ — شاعر یا پاگل ہے، میرے بارے میں قریش ایسی بات کبھی نہ کہہ سکیں گے۔ میں پہاڑ کی چوٹی پر جا رہا ہوں وہاں سے اپنے آپ کو نیچے لڑھکا دوں گا اور اپنا خاتمہ کر لوں گا اور ہمیشہ کیلئے راحت پا جاؤں گا۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں یہی سوچ کر نکلا جب بیچ پہاڑ پر پہنچا تو آسمان سے ایک آواز سنائی دی "اے محمد! ﷺ تم اللہ کے رسول ہو اور میں جبریل ہوں آپ کہتے ہیں کہ میں نے آسمان کی طرف اپنا سر اٹھایا۔ دیکھا تو جبریلؑ ایک آدمی کی شکل میں اُفق کے اندر پاؤں جمائے کھڑے ہیں اور کہہ رہے ہیں: اے محمد! ﷺ تم اللہ کے رسول ہو اور میں جبریل ہوں، آپ فرماتے ہیں کہ میں وہیں ٹھہر کر جبریل کو دیکھنے لگا اور اس شغل نے مجھے میرے ارادے سے غافل کر دیا اب میں نہ آگے جا رہا تھا نہ پیچھے۔ البتہ اپنا چہرہ آسمان کے افق میں گھما رہا تھا اور اس کے جس گوشے پر بھی میری نظر پڑتی تھی جبریل اسی طرح دکھائی دیتے تھے۔ میں مسلسل کھڑا رہا۔ نہ آگے بڑھ رہا تھا نہ پیچھے یہاں تک کہ خدیجہؓ نے میری تلاش میں اپنے قاصد بھیجے اور وہ مکہ تک جا کر پلٹ آئے۔ لیکن میں اپنی جگہ کھڑا رہا۔ پھر جبریلؑ چلے گئے اور میں بھی اپنے اہل خانہ کی طرف پلٹ آیا اور خدیجہؓ کے پاس پہنچ کر ان کی ران کے پاس انہیں پر ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ انہوں نے کہا ابوالقاسم! آپ کہاں تھے؟ بخدا! میں نے آپ کی تلاش میں آدمی بھیجے اور وہ مکہ تک جا کر واپس آ گئے۔ (اس کے جواب میں) میں نے جو کچھ دیکھا تھا انہیں بتا دیا۔ انہوں نے کہا: چچا کے بیٹے! آپ خوش ہو جائیے اور آپ ثابت قدم رہیے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے میں اُمید کرتی ہوں کہ آپ اس اُمت کے نبی ہوں گے۔ اس کے بعد وہ ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔ انہیں ماجرا سنایا۔ انہوں نے کہا قدوس، قدوس اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں ورقہ کی جان ہے ان کے پاس وہی ناموسِ اکبر آیا ہے جو موسیٰؑ کے پاس آیا کرتا تھا۔ یہ اس اُمت کے نبی ہیں۔ ان سے کہو ثابت قدم رہیں۔ اس کے بعد حضرت خدیجہؓ نے واپس آکر آپ کو ورقہ کی بات بتائی۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ نے حرا میں اپنا قیام پورا کر لیا اور (مکہ) تشریف لاتے تو آپ سے ورقہ نے ملاقات کی اور

آپؐ کی زبانی تفصیلات سُن کر کہا، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے آپؐ اس اُمت کے نبی ہیں۔ آپؐ کے پاس وہی ناموسِ اکبر آیا ہے جو موسٰیؑ کے پاس آیا تھا[7]

وحی کی بندش

رہی یہ بات کہ وحی کتنے دنوں تک بند رہی تو اس سلسلے میں ابن سعد نے ابنِ عباسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ بندش چند دنوں کے لیے تھی اور سارے پہلوؤں پر نظر ڈالنے کے بعد یہی بات راجح بلکہ یقینی معلوم ہوتی ہے اور یہ جو مشہور ہے کہ وحی کی بندش تین سال یا ڈھائی سال تک رہی تو یہ قطعاً صحیح نہیں۔ البتہ یہاں دلائل پر بحث کی گنجائش نہیں[8]

وحی کی اس بندش کے عرصے میں رسول ﷺ حزین و غمگین رہے اور آپ پر حیرت و استعجاب طاری رہا۔ چنانچہ صحیح بخاری کتاب التعبیر کی روایت ہے کہ:

"وحی بند ہوگئی جس سے رسول اللہ ﷺ اس قدر غمگین ہوئے کہ کئی بار بلند و بالا پہاڑ کی چوٹیوں پر تشریف لے گئے کہ وہاں سے لڑھک جائیں لیکن جب کسی پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے کہ اپنے آپ کو لڑھکا لیں تو حضرت جبریلؑ نمودار ہوتے اور فرماتے "اے محمد ﷺ! آپ اللہ کے رسول برحق ہیں" اور اس کی وجہ سے آپ کا اضطراب تھم جاتا۔ نفس کو قرار آجاتا اور آپ واپس آجاتے۔ پھر جب آپؐ پر وحی کی بندش طول پکڑ جاتی تو آپ پھر اسی جیسے کام کے لیے نکلتے لیکن جب پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے تو حضرت جبریلؑ نمودار ہو کر پھر وہی بات دُہراتے"[9]

جبریلؑ دوبارہ وحی لاتے ہیں

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ (یعنی وحی کی چند روزہ بندش) اس لیے تھی تاکہ آپؐ پر جو خوف طاری ہو گیا تھا وہ رخصت ہو جائے اور دوبارہ وحی کی آمد کا شوق و انتظار پیدا ہو جائے[10] چنانچہ جب حیرت کے سائے سکڑ گئے حقیقت کے نقوش پختہ ہو گئے اور نبی ﷺ کو یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ آپؐ خدائے بزرگ و برتر کے نبی ہو چکے ہیں

---

[7] طبری ۲/۲۰۷، ابنِ ہشام ۱/۲۳۷، ۲۳۸ آخر کا تھوڑا سا حصہ ملخص کر دیا گیا ہے ہمیں اس روایت کی بیان کردہ تفصیلات کی صحت کے بارے میں قدرے تامّل ہے۔ صحیح بخاری کی روایت کے سیاق اور اس کی متعدد روایات کے تقابل کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مکہ کی طرف آپؐ کی واپسی اور حضرت ورقہ سے ملاقات نزولِ وحی کے بعد اسی دن ہو گئی تھی۔ اور پھر باقی ماندہ قیامِ حرا۔ کی تکمیل آپؐ نے مکہ سے پلٹ کر کی تھی۔

[8] تھوڑی سی توضیح حاشیہ نمبر ۱ میں آرہی ہے۔

[9] صحیح بخاری کتاب التعبیر باب اول ما بدیٔ بہ رسول اللہ ﷺ الرؤیا الصالحۃ ۲/۱۰۳۴ [10] فتح الباری ۱/۲۷

اور آپ کے پاس جو شخص آیا تھا وہ وحی کا سفیر اور آسمانی خبر کا ناقل ہے اور اس طرح وحی کے لیے آپ کا شوق و انتظار اس بات کا ضامن ہو گیا کہ آئندہ وحی کی آمد پہ آپ ثابت قدم رہیں گے اور اس بوجھ کو اٹھا لیں گے، تو حضرت جبریلؑ دوبارہ تشریف لاتے۔ صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زبانی بندشِ وحی کا واقعہ سنا آپؐ فرما رہے تھے:

"میں چلا جا رہا تھا کہ مجھے اچانک آسمان سے ایک آواز سنائی دی۔ میں نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ جو میرے پاس حرا میں آیا تھا آسمان و زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہے۔ میں اس سے خوف زدہ ہو کر زمین کی طرف جا جھکا۔ پھر میں نے اپنے اہل خانہ کے پاس آکر کہا مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو۔ انہوں نے مجھے چادر اوڑھا دی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ـــ وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ تک نازل فرمائی پھر (نزول) وحی میں گرمی آگئی اور وہ پیاپے نازل ہونے لگی[۱]"۔

وحی کی اقسام

اب ہم سلسلۂ بیان سے ذرا ہٹ کر یعنی رسالت و نبوت کی حیاتِ مبارکہ کی تفصیلات شروع کرنے سے پہلے وحی کی اقسام ذکر کر دینا چاہتے ہیں کیونکہ یہ رسالت کا مصدر اور دعوت کی کمک ہے۔ علامہ ابن قیمؒ نے وحی کے حسب ذیل مراتب ذکر کیے ہیں:

۱۔ سچا خواب: اسی سے نبی ﷺ کے پاس وحی کی ابتداء ہوئی۔

۲۔ فرشتہ آپؐ کو دکھلائی دیے بغیر آپ کے دل میں بات ڈال دیتا تھا، مثلاً نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِیْ رُوْعِیْ اَنَّہٗ لَنْ تَمُوْتَ نَفْسٌ حَتّٰی تَسْتَکْمِلَ رِزْقَھَا فَاتَّقُوا اللہَ وَاَجْمِلُوْا فِی الطَّلَبِ، وَلَا یَحْمِلَنَّکُمْ اِسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ

---

[۱] صحیح بخاری کتاب التفسیر باب والرجز فاہجر ۷۳۳/۲

اس روایت کے بعض طرق کے آغاز میں یہ اضافہ بھی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: میں نے حرا میں اعتکاف کیا۔ اور جب اپنا اعتکاف پورا کر چکا تو نیچے اترا۔ پھر جب میں بطنِ وادی سے گذر رہا تھا تو مجھے پکارا گیا۔ میں نے دائیں بائیں آگے پیچھے دیکھا، کچھ نظر نہ آیا۔ اوپر نگاہ اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ ...... الخ اہل سیر کی تمام روایات کے مجموعے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ نے تین سال حرا میں ماہ رمضان کا اعتکاف کیا تھا اور نزولِ وحی والا رمضان تیسرا یعنی آخری رمضان تھا، اور آپؐ کا دستور تھا کہ آپؐ رمضان کا اعتکاف مکمل کر کے پہلی شوال کو سویرے ہی مکہ آجاتے تھے۔ مذکورہ روایت کے ساتھ اس بات کو جوڑنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ والی وحی پہلی وحی کے دس دن بعد یکم شوال کو نازل ہوئی تھی یعنی بندشِ وحی کی کل مدت دس دن تھی۔ واللہ اعلم۔

عَلٰی اَنْ تَطْلُبُوْہُ بِمَعْصِیَۃِ اللّٰہِ فَاِنَّ مَاعِنْدَ اللّٰہِ لَا یُنَالُ اِلَّا بِطَاعَتِہٖ ۔

"رُوح القدس نے میرے دل میں یہ بات پھونکی کہ کوئی نفس مر نہیں سکتا یہاں تک کہ اپنا رزق پُورا پُورا حاصل کرلے۔ پس اللہ سے ڈرو اور طلب میں اچھائی اختیار کرو اور رزق کی تاخیر تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اُسے اللہ کی معصیت کے ذریعے تلاش کرو، کیونکہ اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کی اطاعت کے بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتا۔"

۳۔ فرشتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آدمی کی شکل اختیار کرکے آپ کو مخاطب کرتا پھر جو کچھ وہ کہتا اسے آپ یاد کر لیتے۔ اس صورت میں کبھی کبھی صحابہؓ بھی فرشتے کو دیکھتے تھے۔

۴۔ آپ کے پاس وحی گھنٹی کے ٹن ٹنانے کی طرح آتی تھی۔ وحی کی یہ سب سے سخت صورت ہوتی تھی۔ اس صورت میں فرشتہ آپ سے ملتا تھا اور وحی آتی تھی تو سخت جاڑے کے زمانے میں بھی آپ کی پیشانی سے پسینہ پھوٹ پڑتا تھا، اور آپ اونٹنی پر سوار ہوتے تو وہ زمین پر بیٹھ جاتی تھی۔ ایک بار اس طرح وحی آئی کہ آپ کی ران حضرت زید بن ثابتؓ کی ران پر تھی، تو ان پر اس قدر گراں بار ہوئی کہ معلوم ہوتا تھا ران کچل جائے گی۔

۵۔ آپ فرشتے کو اس کی اصلی اور پیدائشی شکل میں دیکھتے تھے اور اسی حالت میں وہ اللہ تعالیٰ کی حسبِ مشیّت آپ کی طرف وحی کرتا تھا۔ یہ صورت آپ کے ساتھ دو مرتبہ پیش آئی جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ النجم میں فرمایا ہے۔

۶۔ وہ وحی جو آپ پر معراج کی رات نماز کی فرضیت وغیرہ کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے اس وقت فرمائی، جب آپ آسمانوں کے اُوپر تھے۔

۷۔ فرشتے کے واسطے کے بغیر اللہ تعالیٰ کی آپ سے حجاب میں رہ کر براہِ راست گفتگو جیسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو فرمائی تھی۔ وحی کی یہ صُورت موسیٰ علیہ السلام کے لیے نصِّ قرآنی سے قطعی طور پر ثابت ہے۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس کا ثبوت (قرآن کی بجائے) معراج کی حدیث میں ہے۔

بعض لوگوں نے ایک آٹھویں شکل کا بھی اضافہ کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ رُو در رُو بغیر حجاب کے گفتگو کرے۔ لیکن یہ ایسی صُورت ہے جس کے بارے میں سلف سے لے کر خلف تک اختلاف چلا آیا ہے۔[۱۲]

---

[۱۲] زاد المعاد ۱/۱۸ پہلی اور آٹھویں صورت کے بیان میں اصل عبارت کے اندر تھوڑی تلخیص کر دی گئی ہے۔

تبلیغ کا حکم اور اُس کے مضمرات

سورۃ المدثر کی ابتدائی آیات ـــ یَاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ سے وَلِرَبِّکَ فَاصْبِرْ تک۔
میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی حکم دیئے گئے ہیں جو بظاہر تو بہت مختصر اور سادہ ہیں لیکن حقیقۃً بڑے دُور رَس مقاصد پر مشتمل ہیں اور حقائق پر ان کے گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں چنانچہ!

۱۔ اِنذار کی آخری منزل یہ ہے کہ عالمِ وجود میں اللہ کی مرضی کے خلاف جو بھی چل رہا ہو اسے اس کے پُرخطر انجام سے آگاہ کر دیا جائے اور وہ بھی اس طرح کہ عذاب الٰہی کے خوف سے اس کے دل و دماغ میں ہلچل اور اتھل پتھل مچ جائے۔

۲۔ رب کی بڑائی و کبریائی بجالانے کی آخری منزل یہ ہے کہ رُوئے زمین پر کسی اور کی کبریائی برقرار نہ رہنے دی جائے۔ بلکہ اس کی شوکت توڑ دی جائے، اور اسے اُلٹ کر رکھ دیا جائے یہاں تک کہ روئے زمین پر صرف اللہ کی بڑائی باقی رہے۔

۳۔ کپڑے کی پاکی اور گندگی سے دُوری کی آخری منزل یہ ہے کہ ظاہر و باطن کی پاکی اور تمام شوائب و آلوذات سے نفس کی صفائی کے سلسلے میں اس حد کمال کو پہنچ جائیں جو اللہ کی رحمت کے گھنے سائے میں اس کی حفاظت ونگہداشت اور ہدایت و نور کے تحت ممکن ہے، یہاں تک کہ انسانی معاشرے کا ایسا اعلیٰ ترین نمونہ بن جائیں کہ آپؐ کی طرف تمام قلب سلیم کھنچتے چلے جائیں اور آپؐ کی ہیبت و عظمت کا احساس تمام کج دلوں کو ہو جائے اور اس طرح ساری دنیا موافقت یا مخالفت میں آپؐ کے گرد مرتکز ہو جائے۔

۴۔ احسان کر کے اس پر کثرت نہ چاہنے کی آخری منزل یہ ہے کہ اپنی جد وجہد اور کارناموں کو بڑائی اور اہمیت نہ دیں بلکہ ایک کے بعد دوسرے عمل کے لیے جد وجہد کرتے جائیں۔ اور بڑے پیمانے پر قربانی اور جہد و مشقت کر کے اسے اس معنی میں فراموش کرتے جائیں کہ یہ ہمارا کوئی کارنامہ ہے یعنی اللہ کی یاد اور اس کے سامنے جوابدہی کا احساس اپنی جُہد و مشقت کے احساس پر غالب رہے۔

۵۔ آخری آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ کی طرف دعوت کا کام شروع کرنے کے بعد معاندین کی

جانب سے مخالفت، استہزاء، ہنسی اور ٹھٹھے کی شکلوں میں ایذا رسانی سے لے کر آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھیوں کو قتل کرنے اور آپؐ کے گرد جمع ہونے والے اہلِ ایمان کو نیست و نابود کرنے تک کی بھرپور کوششیں ہوں گی اور آپؐ کو ان سب سے سابقہ پیش آئے گا۔ اس صورت میں آپؐ کو بڑی پامردی اور پختگی سے صبر کرنا ہوگا۔ وہ بھی اس لیے نہیں کہ اس صبر کے بدلے کسی حَظِّ نفسانی کے حصول کی توقع ہو۔ بلکہ محض اپنے رب کی مرضی اور اس کے دین کی سربلندی کے لیے۔ (وَلِرَبِّکَ فَاصْبِرْ)

اللہ اکبر! یہ احکامات اپنی ظاہری شکل میں کتنے سادہ اور مختصر ہیں اور ان کے الفاظ کی بندش کتنی پرسکون اور پرکشش نغمگی لیے ہوئے ہے۔ لیکن عمل اور مقصد کے لحاظ سے یہ احکامات کتنے بھاری کتنے باعظمت اور کتنے سخت ہیں اور ان کے نتیجے میں کتنی سخت چوکھی آندھی بپا ہوگی جو ساری دنیا کے گوشے گوشے کو ہلا کر اور ایک کو دوسرے سے گتھم گتھا کر رکھ دے گی۔

ان ہی مذکورہ آیات میں دعوت و تبلیغ کا مواد بھی موجود ہے۔ انذار کا مطلب ہی یہ ہے کہ بنی آدم کے کچھ اعمال ایسے ہیں جن کا انجام بُرا ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ اس دنیا میں لوگوں کو نہ تو ان کے سارے اعمال کا بدلہ دیا جاتا ہے اور نہ دیا جا سکتا ہے، اس لیے انذار کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ دنیا کے دنوں کے علاوہ ایک دن ایسا بھی ہونا چاہیئے جس میں ہر عمل کا پورا پورا اور ٹھیک ٹھیک بدلہ دیا جا سکے۔ یہی قیامت کا دن، جزاء کا دن اور بدلے کا دن ہے۔ پھر اس دن بدلہ دیئے جانے کا لازمی تقاضا ہے کہ ہم دنیا میں جو زندگی گزار رہے ہیں اس کے علاوہ بھی ایک زندگی ہو۔

بقیہ آیات میں بندوں سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ توحید خالص اختیار کریں۔ اپنے سارے معاملات اللہ کو سونپ دیں۔ اور اللہ کی مرضی پر نفس کی خواہش اور لوگوں کی مرضی کو تج دیں۔ اس طرح دعوت و تبلیغ کے مواد کا خلاصہ یہ ہوا:

(الف) توحید

(ب) یومِ آخرت پر ایمان

(ج) تزکیۂ نفس کا اہتمام یعنی انجامِ بد تک لے جانے والے گندے اور فحش کاموں سے پرہیز اور فضائل و کمالات اور اعمالِ خیر پر کاربند ہونے کی کوشش۔

(د) اپنے سارے معاملات کی اللہ کو حوالگی و سپردگی۔

(ھ) پھر اس سلسلے کی آخری کڑی یہ ہے کہ یہ سب کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لا کر آپؐ

کی باعظمت قیادت اور رشد و ہدایت سے لبریز فرمودات کی روشنی میں انجام دیا جائے۔

پھر ان آیات کا مطلع اللہ بزرگ و برتر کی آواز میں ایک آسمانی ندا پر مشتمل ہے۔ جس میں نبی ﷺ کو اس عظیم و جلیل کام کے لیے اٹھنے اور نیند کی چادر پوشی اور بستر کی گرمی سے نکل کر جہاد و کفاح اور سعی و مشقت کے میدان میں آنے کے لیے کہا گیا ہے۔ یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ○ قُمْ فَاَنْذِرْ○ (۷۴: ۱، ۲)

اے چادر پوش اُٹھ اور ڈرا، گویا یہ کہا جا رہا ہے کہ جسے اپنے لیے جینا ہے وہ تو راحت کی زندگی گزار سکتا ہے۔ لیکن آپ، جو اس زبردست بوجھ کو اٹھا رہے ہیں، تو آپ کو نیند سے کیا تعلق؟ آپ کو راحت سے کیا سروکار؟ آپ کو گرم بستر سے کیا مطلب؟ پرسکون زندگی سے کیا نسبت؟ راحت بخش ساز و سامان سے کیا واسطہ؟ آپ اُٹھ جایئے اس کارِ عظیم کے لیے جو آپ کا منتظر ہے۔ اس بارِ گراں کے لیے جو آپ کی خاطر تیار ہے۔ اُٹھ جایئے جہد و مشقت کے لیے، تکان اور محنت کے لیے اٹھ جایئے! کہ اَب نیند اور راحت کا وقت گزر چکا، اب آج سے پیہم بیداری ہے اور طویل و پُرمشقت جہاد ہے اُٹھ جایئے! اور اس کام کے لیے مستعد اور تیار ہو جایئے ——

یہ بڑا عظیم اور پُرہیبت کلمہ ہے۔ اس نے نبی ﷺ کو پُرسکون گھر، گرم آغوش اور نرم بستر سے کھینچ کر تند طوفانوں اور تیز جھکڑوں کے درمیان اتھاہ سمندر میں پھینک دیا اور لوگوں کے ضمیر اور زندگی کے حقائق کی کشاکش کے درمیان لا کھڑا کیا۔

پھر —— رسول ﷺ اُٹھ گئے اور بیس سال سے زیادہ عرصے تک اُٹھے رہے۔ راحت و سکون تج دیا۔ زندگی اپنے لیے اور اہل و عیال کے لیے نہ رہی۔ آپؐ اُٹھے تو اٹھے ہی رہے۔ کام اللہ کی طرف دعوت دینا تھا۔ آپؐ نے یہ کمر توڑ بارِ گراں اپنے شانے پر کسی دباؤ کے بغیر اٹھا لیا۔ یہ بوجھ تھا اس روئے زمین پر امانتِ کبریٰ کا بوجھ۔ ساری انسانیت کا بوجھ، سارے عقیدے کا بوجھ اور مختلف میدانوں میں جہاد و دفاع کا بوجھ آپؐ نے بیس سال سے زیادہ عرصے تک پیہم اور ہمہ گیر معرکہ آرائی میں زندگی بسر کی اور اس پورے عرصے میں یعنی جب سے آپؐ نے وہ آسمانی ندائے جلیل سُنی اور یہ گراں بار ذمہ داری پائی آپ کو کوئی ایک حالت کسی دوسری حالت سے غافل نہ کر سکی۔ اللہ آپ کو ہماری طرف سے اور ساری انسانیت کی طرف سے بہترین جزا دے [۱۳]

اگلے صفحات رسُول اللہ ﷺ کے اسی طویل اور پُرمشقت جہاد کا ایک مختصر سا خاکہ ہیں۔

---

[۱۳] فی ظلال القرآن سورہ مزمل و مدثر پارہ ۲۹: ۱۶۸ تا ۱۷۱ و ۱۸۲

دعوت کے اَدْوار و مَراحِل

ہم نبی ﷺ کی پیغمبرانہ زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں جو ایک دوسرے سے مکمل طور پر نمایاں اور ممتاز تھے۔ وہ دونوں حصے یہ ہیں:

۱۔ مکّی زندگی ـــــ تقریباً تیرہ سال

۲۔ مدنی زندگی ـــــ دس سال

پھر ان میں سے ہر حصہ کئی مرحلوں پر مشتمل ہے اور یہ مرحلے بھی اپنی خصوصیات کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف اور ممتاز ہیں۔ اس کا اندازہ آپؐ کی پیغمبرانہ زندگی کے دونوں حصوں میں پیش آنے والے مختلف حالات کا گہرائی سے جائزہ لینے کے بعد ہو سکتا ہے۔

مکّی زندگی تین مرحلوں پر مشتمل تھی

۱۔ پسِ پردہ دعوت کا مرحلہ ـــــ تین برس ـــــ

۲۔ اہلِ مکہ میں کھلم کھلا دعوت و تبلیغ کا مرحلہ ـــ چوتھے سال نبوت کے آغاز سے دسویں سال کے اواخر تک۔

۳۔ مکہ کے باہر اسلام کی دعوت کی مقبولیت اور پھیلاؤ کا مرحلہ ـــــ دسویں سالِ نبوت کے اواخر سے ہجرت مدینہ تک۔

مدنی زندگی کے مراحل کی تفصیل اپنی جگہ آ رہی ہے۔

پہلا مرحلہ :

کاوشِ تبلیغ

خفیہ دعوت کے تین سال

یہ معلوم ہے کہ مکہ دینِ عرب کا مرکز تھا۔ یہاں کعبہ کے پاسبان بھی تھے اور ان بتوں کے نگہبان بھی جنہیں پورا عرب تقدیس کی نظر سے دیکھتا تھا، اس لیے کسی دور افتادہ مقام کی بہ نسبت مکہ میں مقصد اصلاح تک رسائی ذرا زیادہ دشوار تھی۔ یہاں ایسی عزیمت درکار تھی جسے مصائب و مشکلات کے جھٹکے اپنی جگہ سے نہ ہلا سکیں۔ اس کیفیت کے پیشِ نظر حکمت کا تقاضا تھا کہ پہلے پہل دعوت و تبلیغ کا کام پس پردہ انجام دیا جائے تاکہ اہل مکہ کے سامنے اچانک ایک ہیجان خیز صُورت حال نہ آجائے۔

اوّلین راہروانِ اسلام

یہ بالکل فطری بات تھی کہ رسُول اللہ ﷺ سب سے پہلے ان لوگوں پر اسلام پیش کرتے جن سے آپ کا سب سے گہرا ربط و تعلق تھا، یعنی اپنے گھر کے لوگوں اور دوستوں پر۔ چنانچہ آپ نے سب سے پہلے انہیں کو دعوت دی۔ اس طرح آپ نے ابتداء میں اپنی جان پہچان کے ان لوگوں کو حق کی طرف بلایا جن کے چہروں پر آپ بھلائی کے آثار دیکھ چکے تھے اور یہ جان چکے تھے کہ وہ حق اور خیر کو پسند کرتے ہیں، آپ کے صدق و صلاح سے واقف ہیں۔ پھر آپ نے جنہیں اسلام کی دعوت دی ان میں سے ایک ایسی جماعت نے جسے کبھی بھی رسول اللہ ﷺ کی عظمت، جلالتِ نفس اور سچائی پر شبہ نہ گذرا تھا، آپ کی دعوت قبول کرلی۔ یہ اسلامی تاریخ میں سابقین اولین کے وصف سے مشہور ہیں۔ ان میں سرفہرست آپ کی بیوی اُمّ المومنین حضرت خدیجہؓ بنتِ خُوَیلد، آپ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہؓ بن شرحبیل کلبی[1]، آپ کے چچیرے بھائی حضرت علیؓ بن ابی طالب جو ابھی آپ کے زیر کفالت بچے تھے اور آپ کے یارِ غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔ یہ سب کے سب پہلے ہی دن مسلمان ہوگئے تھے[2]۔ اس کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام کی تبلیغ میں سرگرم

۱؎ یہ جنگ میں قید ہو کر غلام بنا لیے گئے تھے۔ بعد میں حضرت خدیجہؓ ان کی مالک (باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

ہوگئے - وہ بڑے ہردلعزیز نرم خو، پسندیدہ خصال کے حامل با اخلاق اور دریا دل تھے، ان کے پاس ان کی مروت، دور اندیشی، تجارت اور حسن صحبت کی وجہ سے لوگوں کی آمد و رفت لگی رہتی تھی - چنانچہ انہوں نے اپنے پاس آنے جانے والوں اور اٹھنے بیٹھنے والوں میں سے جس کو قابل اعتماد پایا اسے اب اسلام کی دعوت دینی شروع کر دی - ان کی کوشش سے حضرت عثمانؓ حضرت زبیرؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ مسلمان ہوئے - یہ بزرگ اسلام کا ہراول دستہ تھے -

شروع شروع میں جو لوگ اسلام لائے انہی میں حضرت بلال حبشیؓ بھی ہیں - ان کے بعد امینِ اُمت حضرت ابوعبیدہؓ عامر بن جراحؓ، ابوسلمہ بن عبدالاسد، اَرقمؓ بن ابی الارقم عثمانؓ بن مظعونؓ اور ان کے دونوں بھائی قدامہؓ اور عبداللہؓ، اور عبیدہ بن حارث بن مطلب بن عبدمناف، سعید بن زید، اور ان کی بیوی یعنی حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہؓ بنت خطاب اور خبابؓ بن ارت، عبداللہ بن مسعودؓ اور دوسرے کئی افراد مسلمان ہوئے - یہ لوگ مجموعی طور پر قریش کی تمام شاخوں سے تعلق رکھتے تھے - ابن ہشام نے ان کی تعداد چالیس سے زیادہ بتائی ہے - (دیکھئے ۱/۲۴۵ تا ۲۶۲) لیکن ان میں سے بعض کو سابقین اولین میں شمار کرنا محلِ نظر ہے -

ابنِ اسحاق کا بیان ہے کہ اس کے بعد مرد اور عورتیں اسلام میں جماعت در جماعت داخل ہوئے - یہاں تک کہ مکہ میں اسلام کا ذکر پھیل گیا اور لوگوں میں اس کا چرچا ہو گیا[۳]

یہ لوگ چھپ چھپا کر مسلمان ہوئے تھے اور رسول اللہ ﷺ بھی چھپ چھپا کر ہی ان کی رہنمائی اور دینی تعلیم کے لیے ان کے ساتھ جمع ہوتے تھے کیونکہ تبلیغ کا کام ابھی تک انفرادی طور پر پس پردہ چل رہا تھا - ادھر سورہ مدثر کی ابتدائی آیات کے بعد وحی کی آمد پورے تسلسل اور گرم رفتاری کے ساتھ جاری تھی - اس دور میں چھوٹی چھوٹی آیتیں نازل ہو رہی تھیں - ان آیتوں

(بقیہ نوٹ پچھلا صفحہ) ہوئیں اور انہیں رسول اللہ ﷺ کو ہبہ کر دیا - اس کے بعد ان کے والد اور چچا انہیں گھر لے جانے کے لیے آئے لیکن انہوں نے باپ اور چچا کو چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہنا پسند کیا - اس کے بعد آپ نے عرب کے دستور کے مطابق انہیں اپنا متبنّیٰ (لے پالک) بنا لیا اور انہیں زید بن محمد کہا جانے لگا یہاں تک کہ اسلام نے اس رسم کا خاتمہ کر دیا -

[۲] رحمۃ للعالمین ۱/۵۰ [۳] سیرت ابن ہشام ۱/۲۶۲

کا خاتمہ یکساں قسم کے بڑے پُرکشش الفاظ پہ ہوتا تھا اور ان میں بڑی سکون بخش اور جاذبِ قلب نغمگی ہوتی تھی جو اس پرسکون اور رقّت آمیز فضا کے عین مطابق ہوتی تھی۔ پھر ان آیتوں میں تزکیۂ نفس کی خوبیاں اور آلائشِ دنیا میں لت پت ہونے کی برائیاں بیان کی جاتی تھیں اور جنت و جہنم کا نقشہ اس طرح کھینچا جاتا تھا کہ گویا وہ آنکھوں کے سامنے ہیں۔ یہ آیتیں اہلِ ایمان کو اس وقت کے انسانی معاشرے سے بالکل الگ ایک دوسری ہی فضا کی سیر کراتی تھیں۔

نماز ابتداءً جو کچھ نازل ہوا اسی میں نماز کا حکم بھی تھا۔ مُقاتل بن سلیمان کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابتدائے اسلام میں دو رکعت صبح اور دو رکعت شام کی نماز فرض کی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

..وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ○ (۴۰: ۵۵)

"صبح اور شام اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو"

ابنِ حجر کہتے ہیں کہ نبی ﷺ اور اسی طرح آپؐ کے صحابہ کرام واقعۂ معراج سے پہلے قطعی طور پر نماز پڑھتے تھے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ نماز پنجگانہ سے پہلے کوئی نماز فرض تھی یا نہیں؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ سورج کے طلوع اور غروب ہونے سے پہلے ایک ایک نماز فرض تھی۔

حارثؒ بن اُسامہ نے ابنِ لَہیعہ کے طریق سے موصولاً حضرت زید بن حارثہؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر ابتداءً جب وحی آئی تو آپؐ کے پاس حضرت جبریلؑ تشریف لاتے اور آپ کو وضو کا طریقہ سکھایا جب وضو سے فارغ ہوتے تو ایک چُلّو پانی لیکر شرمگاہ پر چھینٹا مارا۔ ابنِ ماجہ نے بھی اس مفہوم کی حدیث روایت کی ہے۔ براءؓ بن عازب اور ابنِ عباسؓ سے بھی اسی طرح کی حدیث مروی ہے۔ ابن عباسؓ کی حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ یہ (نماز) اولین فرائض میں سے تھی[۴]

ابن ہشام کا بیان ہے کہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام نماز کے وقت گھاٹیوں میں چلے جاتے تھے اور اپنی قوم سے چھُپ کر نماز پڑھتے تھے۔ ایک بار ابو طالب نے نبی ﷺ اور حضرت علیؓ کو نماز پڑھتے دیکھ لیا۔ پوچھا اور حقیقت معلوم ہوئی تو کہا کہ اس پر برقرار رہیں[۵]

---

۴ مختصر السیرۃ از شیخ عبداللہ ص ۸۸

۵ ابن ہشام ۱/ ۲۴۷

قریش کو اجمالی خبر

مختلف واقعات سے ظاہر ہے کہ اس مرحلے میں تبلیغ کا کام اگرچہ انفرادی طور پر چھپ چھپا کر کیا جا رہا تھا لیکن قریش کو اس کی سُن گُن لگ چکی تھی۔ البتہ انہوں نے اسے قابلِ توجہ نہ سمجھا۔

محمد غزالیؒ لکھتے ہیں کہ یہ خبریں قریش کو پہنچ چکی تھیں، لیکن قریش نے انہیں کوئی اہمیت نہ دی۔ غالباً انہوں نے محمد ﷺ کو بھی اسی طرح کا کوئی دینی آدمی سمجھا جو الوہیت اور حقوقِ الوہیت کے موضوع پر گفتگو کرتے ہیں۔ جیسا کہ اُمیّہ بن ابی الصّلت، قُس بن ساعدہ اور زید بن عَمرو بن نُفَیل وغیرہ نے کیا تھا۔ البتہ قریش نے آپ کی خبر کے پھیلاؤ اور اثر کے بڑھاؤ سے کچھ اندیشے ضرور محسوس کئے تھے اور ان کی نگاہیں رفتارِ زمانہ کے ساتھ آپ کے انجام اور آپ کی تبلیغ پر رہنے لگی تھیں[۵]۔

تین سال تک تبلیغ کا کام خفیہ اور انفرادی رہا اور اس دوران اہلِ ایمان کی ایک جماعت تیار ہوگئی جو اخوّت اور تعاون پر قائم تھی، اللہ کا پیغام پہنچا رہی تھی اور اس پیغام کو اس کا مقام دلانے کے لیے کوشاں تھی۔ اس کے بعد وحیٔ الٰہی نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ کو مکلّف کیا گیا کہ اپنی قوم کو کھلم کھلا دین کی دعوت دیں۔ انکے باطل سے ٹکرائیں اور ان کے بتوں کی حقیقت واشگاف کریں۔

---

۵ فقہ السیرۃ ص ۷۶۔

دوسرا مرحلہ :

کھلی تبلیغ

اظہارِ دعوت کا پہلا حکم اس بارے میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نازل ہوا وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (۲۶: ۲۱۴) آپؐ اپنے نزدیک ترین قرابتداروں کو (عذابِ الٰہی سے) ڈرایئے "، یہ سورہ شعراء کی آیت ہے، اور اس سورہ میں سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے یعنی یہ بتایا گیا ہے کہ کس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوّت کا آغاز ہوا، پھر آخر میں انہوں نے بنی اسرائیل سمیت ہجرت کرکے فرعون اور قوم فرعون سے نجات پائی اور فرعون و آلِ فرعون کو غرق کیا گیا۔ بلفظ دیگر یہ تذکرہ ان تمام مراحل پر مشتمل ہے جن سے حضرت موسیٰ علیہ السلام، فرعون اور قوم فرعون کو اللہ کے دین کی دعوت دیتے ہوئے گذرے تھے۔

میرا خیال ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو اپنی قوم کے اندر کھل کر تبلیغ کرنے کا حکم دیا گیا تو اس موقعے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے کی یہ تفصیل اس لیے بیان کر دی گئی تاکہ کھلم کھلا دعوت دینے کے بعد جس طرح کی تکذیب اور ظلم و زیادتی سے سابقہ پیش آنے والا تھا اس کا ایک نمونہ آپؐ اور صحابہ کرامؓ کے سامنے موجود رہے۔

دوسری طرف اس سورہ میں پیغمبروں کو جھٹلانے والی اقوام مثلاً فرعون اور قومِ فرعون کے علاوہ قومِ نوح، عاد، ثمود، قومِ ابراہیمؑ، قومِ لوط اور اصحاب الأیکہ کے انجام کا بھی ذکر ہے۔ اس کا مقصد غالباً یہ ہے کہ جو لوگ آپ کو جھٹلائیں انہیں معلوم ہو جائے کہ تکذیب پر اصرار کی صورت میں ان کا انجام کیا ہونے والا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کس قسم کے مواخذے سے دوچار ہوں گے۔ نیز اہلِ ایمان کو معلوم ہو جائے کہ اچھا انجام انھیں کا ہوگا، جھٹلانے والوں کا نہیں۔

قرابت داروں میں تبلیغ بہرحال اس آیت کے نزول کے بعد نبی ﷺ نے پہلا کام یہ کیا کہ بنی ہاشم کو جمع کیا ان کے ساتھ بنی مُطّلب بن عبد مناف کی بھی ایک جماعت تھی۔ کل پینتالیس آدمی تھے، لیکن ابولہب نے بات لپک لی اور بولا "دیکھو یہ تمہارے چچا اور چچیرے بھائی ہیں۔ بات کرو لیکن نادانی چھوڑ دو اور یہ سمجھ لو کہ تمہارا خاندان سارے عرب سے مقابلے کی تاب نہیں رکھتا

اور میں سب سے زیادہ حق دار ہوں کہ تمہیں پکڑوں پس تمہارے لیے تمہارے باپ کا خانوادہ ہی کافی ہے۔ اور اگر تم اپنی بات پر قائم رہے تو یہ بہت آسان ہوگا کہ قریش کے سارے قبائل تم پر ٹوٹ پڑیں اور بقیہ عرب بھی ان کی امداد کریں، پھر میں نہیں جانتا کہ کوئی شخص اپنے باپ کے خانوادے کے لیے تم سے بڑھ کر شر (اور تباہی) کا باعث ہوگا"۔ اس پر نبی ﷺ نے خاموشی اختیار کرلی اور اس مجلس میں کوئی گفتگو نہ کی ——

اس کے بعد آپؐ نے انہیں دوبارہ جمع کیا اور ارشاد فرمایا: "ساری حمد اللہ کے لیے ہے۔ میں اس کی حمد کرتا ہوں اور اس سے مدد چاہتا ہوں۔ اس پر ایمان رکھتا ہوں۔ اسی پر بھروسا کرتا ہوں اور یہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں۔ وہ تنہا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں"۔ پھر آپؐ نے فرمایا: "رہنما اپنے گھر کے لوگوں سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں میں تمہاری طرف خصوصاً اور لوگوں کی طرف عموماً اللہ کا رسول (فرستادہ) ہوں۔ بخدا! تم لوگ اسی طرح موت سے دوچار ہوگے جیسے سو جاتے ہو اور اسی طرح اٹھائے جاؤ گے جیسے سو کر جاگتے ہو۔ پھر جو کچھ تم کرتے ہو اس کا تم سے حساب لیا جائے گا۔ اس کے بعد یا تو ہمیشہ کے لیے جنّت ہے یا ہمیشہ کے لیے جہنّم"۔

اس پر ابوطالب نے کہا (نہ پوچھو) ہمیں تمہاری معاونت کس قدر پسند ہے! تمہاری نصیحت کس قدر قابلِ قبول ہے! اور ہم تمہاری بات کس قدر سچی جانتے مانتے ہیں اور یہ تمہارے والد کا خانوادہ جمع ہے۔ اور میں بھی ان کا ایک فرد ہوں۔ فرق اتنا ہے کہ میں تمہاری پسند کی تکمیل کے لیے ان سب سے پیش پیش ہوں، لہٰذا تمہیں جس بات کا حکم ہوا ہے اسے انجام دو۔ بخدا! میں تمہاری مسلسل حفاظت و اعانت کرتا رہوں گا۔ البتہ میری طبیعت عبدالمطّلب کا دین چھوڑنے پر راضی نہیں۔

ابولہب نے کہا: خدا کی قسم یہ برائی ہے۔ اس کے ہاتھ دوسروں سے پہلے تم لوگ خود ہی پکڑ لو۔

اس پر ابوطالب نے کہا: خدا کی قسم جب تک جان میں جان ہے۔ ہم ان کی حفاظت کرتے رہیں گے[1]

کوہِ صفا پر

جب نبی ﷺ نے اچھی طرح اطمینان کرلیا کہ اللہ کے دین کی تبلیغ کے دوران ابوطالب ان کی حمایت کریں گے تو ایک روز آپؐ نے کوہِ صفا پر چڑھ کر یہ آواز لگائی: یا صباحاہُ (ہائے صبح)![2] یہ پکار سُن کر قریش کے قبائل آپؐ کے پاس جمع ہوگئے اور آپؐ نے انہیں

[1] فقہ السیرۃ ص ۸۸ از ابن الاثیر۔ [2] اہل عرب کا دستور تھا کہ دشمن کے حملے سے آگاہ کرنے کیلئے کسی بلند مقام پر چڑھ کر انہیں الفاظ سے پکارتے تھے۔

خدا کی توحید، اپنی رسالت اور یومِ آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ اس واقعے کا ایک ٹکڑا صحیح بخاری میں ابنِ عباس رضی اللہ عنہ، سے اس طرح مروی ہے کہ:

جب وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ نازل ہوئی تو نبی ﷺ نے کوہِ صفا پر چڑھ کر بطونِ قریش کو آواز لگانی شروع کی' اے بنی فہر! اے بنی عدی! یہاں تک کہ سب کے سب اکٹھا ہوگئے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی آدمی خود نہ جا سکتا تھا تو اس نے اپنا قاصد بھیج دیا کہ دیکھے معاملہ کیا ہے؟ غرض قریش آگئے۔ ابولہب بھی آگیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: "تم لوگ یہ بتاؤ! اگر میں یہ خبر دوں کہ ادھر وادی میں شہسواروں کی ایک جماعت ہے جو تم پر چھاپہ مارنا چاہتی ہے تو کیا تم مجھے سچا مانو گے؟" لوگوں نے کہا' ہاں! ہم نے آپ پر سچ ہی کا تجربہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا، تو میں تمہیں ایک سخت عذاب سے پہلے خبردار کرنے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ اس پر ابولہب نے کہا، تو سارے دن غارت ہو، تو نے ہمیں اسی لیے جمع کیا تھا۔ اس پر سورہ تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ نازل ہوئی: ابولہب کے دونوں ہاتھ غارت ہوں اور وہ خود غارت ہو۔[1]

اس واقعے کا ایک اور ٹکڑا امام مسلم نے اپنی صحیح میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب آیت وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے پکار لگائی۔ یہ پکار عام بھی تھی اور خاص بھی۔ آپ نے کہا "اے جماعت قریش! اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ۔ اے بنی کعب! اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ۔ اے محمد کی بیٹی فاطمہ! اپنے آپ کو جہنم سے بچا کیونکہ میں تم لوگوں کو اللہ (کی گرفت) سے (بچانے کا) کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا۔ البتہ تم لوگوں سے نسب و قرابت کے تعلقات ہیں جنہیں میں باقی اور تر و تازہ رکھنے کی کوشش کروں گا۔"[2]

یہ بانگِ درا غایت تبلیغ تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے قریب ترین لوگوں پر واضح کر دیا تھا کہ اب اس رسالت کی تصدیق ہی پر تعلقات موقوف ہیں اور جس نسلی اور قبائلی عصبیت پر عرب قائم ہیں وہ اس خدائی انذار کی حرارت میں پگھل کر ختم ہو چکی ہے۔

حق کا واشگاف اعلان اور مشرکین کا ردِ عمل

اس آواز کی گونج ابھی مکے کے اطراف میں سنائی ہی دے رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ کا ایک اور حکم نازل ہوا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ○ (۹۴:۱۵)

---

[1] صحیح بخاری ۲/۷۰۲، ۷۴۳، صحیح مسلم ۱/۱۱۴ - [2] صحیح مسلم ۱/۱۱۴ نیز صحیح بخاری ۱/۳۸۵

"آپ کو جو حکم ملا ہے اسے کھول کر بیان کر دیجیے اور مشرکین سے رُخ پھیر لیجیے۔"

اس کے بعد رسُول اللہ ﷺ نے شرک کے خرافات واباطیل کا پردہ چاک کرنا اور بتوں کی حقیقت اور قدر وقیمت کو واشگاف کرنا شروع کر دیا۔ آپ مثالیں دے دے کر سمجھاتے کہ بت کس قدر عاجز وناکارہ ہیں اور دلائل سے واضح فرماتے کہ جو شخص انہیں پوجتا ہے اور ان کو اپنے اور اللہ کے درمیان وسیلہ بناتا ہے وہ کس قدر کھُلی ہوئی گمراہی میں ہے۔

مکّہ، ایک ایسی آواز سُن کر جس میں مشرکین اور بت پرستوں کو گمراہ کہا گیا تھا، احساس غضب سے پھٹ پڑا۔ اور شدید غم وغصّہ سے پیچ وتاب کھانے لگا، گویا بجلی کا کڑکا تھا جس نے پُرسکون فضا کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اسی لیے قریش اس اچانک پھٹ پڑنے والے "انقلاب" کی جڑ کاٹنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے کہ اس سے پُشتینی رسم ورواج کا صفایا ہوا چاہتا تھا۔

قریش اُٹھ پڑے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ غیر اللہ کی اُلوہیّت کے انکار اور رسالت وآخرت پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو مکمل طور پر اس رسالت کے حوالے کر دیا جائے اور اس کی بے چون وچرا اطاعت کی جائے، یعنی اس طرح کہ دُوسرے تو درکنار خود اپنی جان اور اپنے مال تک کے بارے میں کوئی اختیار نہ رہے اور اس کے معنی یہ تھے کہ مکہ والوں کو دینی رنگ میں اہل عرب پر جو بڑائی اور سرداری حاصل تھی اس کا صفایا ہو جائے گا اور اللہ اور اس کے رسُول کی مرضی کے مقابل میں انہیں اپنی مرضی پر عمل پیرا ہونے کا اختیار نہ رہے گا، یعنی نچلے طبقے پر انہوں نے جو مظالم روا رکھے تھے۔ اور صبح وشام جن بُرائیوں میں لت پت رہتے تھے۔ ان سے دستکش ہوتے ہی بنے گی —— قریش اس مطلب کو اچھی طرح سمجھ رہے تھے اس لیے ان کی طبیعت اس "رسوا کن" پوزیشن کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھی، لیکن کسی شرف اور خیر کے پیش نظر نہیں۔ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۝ (۷۵ : ۵) "بلکہ اس لیے کہ انسان چاہتا ہے کہ آئندہ بھی بُرائی کرتا رہے۔"

قریش یہ سب کچھ سمجھ رہے تھے لیکن مشکل یہ آن پڑی تھی کہ ان کے سامنے ایک ایسا شخص تھا جو صادق وامین تھا انسانی اقدار اور مکارم اخلاق کا اعلیٰ نمونہ تھا اور ایک طویل عرصے سے اُنہوں نے اپنے آباؤ اجداد کی تاریخ میں اس کی نظیر نہ دیکھی تھی اور نہ سُنی۔ آخر اس کے بالمقابل کریں تو کیا کریں قریش حیران تھے اور انہیں واقعی حیران ہونا چاہیے تھا۔

کافی غور وخوض کے بعد ایک راستہ سمجھ میں آیا کہ آپ کے چچا ابو طالب کے پاس جائیں

اور مطالبہ کریں کہ وہ آپ کو آپ کے کام سے روک دیں۔ پھر انہوں نے اس مطالبے کو حقیقت و واقعیت کا جامہ پہنانے کے لیے یہ دلیل تیار کی کہ ان کے معبودوں کو چھوڑنے کی دعوت دینا اور یہ کہنا کہ یہ معبود نفع و نقصان پہنچانے یا اور کچھ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، درحقیقت ان معبودوں کی سخت توہین اور بہت بری گالی ہے اور یہ ہمارے ان آباؤ اجداد کو احمق اور گمراہ قرار دینے کے بھی ہم معنی ہے جو اسی دین پر گزر چکے ہیں ـــــ قریش کو یہی راستا سمجھ میں آیا اور انہوں نے بڑی تیزی سے اس پر چلنا شروع کر دیا۔

قریش ابوطالب کی خدمت میں

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اشراف قریش سے چند آدمی ابوطالب کے پاس گئے اور بولے: "اے ابوطالب! آپ کے بھتیجے نے ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہا ہے، ہمارے دین کی عیب چینی کی ہے، ہماری عقلوں کو حماقت زدہ کہا ہے، اور ہمارے باپ دادا کو گمراہ قرار دیا ہے۔ لہذا یا تو آپ انہیں اس سے روک دیں، یا ہمارے اور ان کے درمیان سے ہٹ جائیں کیونکہ آپ بھی ہماری ہی طرح ان سے مختلف دین پر ہیں۔ ہم ان کے معاملے میں آپ کے لیے بھی کافی رہیں گے۔"

اس کے جواب میں ابوطالب نے نرم بات کہی اور رازدارانہ لب ولہجہ اختیار کیا۔ چنانچہ وہ واپس چلے گئے۔ اور رسول اللہ ﷺ اپنے سابقہ طریقے پر رواں دواں رہتے ہوئے اللہ کا دین پھیلانے اور اس کی تبلیغ کرنے میں مصروف رہے۔[۵]

حجاج کو روکنے کے لیے مجلس شوریٰ

ان ہی دنوں قریش کے سامنے ایک اور مشکل آن کھڑی ہوئی یعنی ابھی کھلم کھلا تبلیغ پر چند ہی مہینے گذرے تھے کہ موسم حج قریب آگیا۔ قریش کو معلوم تھا کہ اب عرب کے وفود کی آمد شروع ہوگی۔ اس لیے وہ ضروری سمجھتے تھے کہ نبی ﷺ کے متعلق کوئی ایسی بات کہیں کہ جس کی وجہ سے اہلِ عرب کے دلوں پر آپ کی تبلیغ کا اثر نہ ہو۔ چنانچہ وہ اس بات پر گفت و شنید کے لیے ولید بن مغیرہ کے پاس اکٹھے ہوئے۔ ولید نے کہا اس بارے میں تم سب لوگ ایک رائے اختیار کرلو تم میں باہم کوئی اختلاف نہیں ہونا چاہیے کہ خود تمہارا ہی ایک آدمی دوسرے آدمی کی تکذیب کردے اور ایک کی بات دوسرے کی بات کو کاٹ دے۔ لوگوں نے کہا آپ ہی کہئے۔ اس نے کہا، نہیں تم لوگ کہو، میں سنوں گا۔ اس

---

۵ ابن ہشام ۱/۲۶۵

پر چند لوگوں نے کہا ہم کہیں گے وہ کاہن ہے' ولید نے کہا' نہیں بخدا وہ کاہن نہیں ہے ہم نے کاہنوں کو دیکھا ہے۔ اس شخص کے اندر نہ کاہنوں جیسی گنگناہٹ ہے۔ نہ ان کے جیسی قافیہ گوئی اور تک بندی۔

اس پر لوگوں نے کہا، تب ہم کہیں گے کہ وہ پاگل ہے۔ ولید نے کہا، نہیں، وہ پاگل بھی نہیں۔ ہم نے پاگل بھی دیکھے ہیں اور ان کی کیفیت بھی۔ اس شخص کے اندر نہ پاگلوں جیسی دم گھٹنے کی کیفیت اور اُلٹی سیدھی حرکتیں ہیں اور نہ ان کے جیسی بہکی بہکی باتیں۔

لوگوں نے کہا، تب ہم کہیں گے کہ وہ شاعر ہے۔ ولید نے کہا وہ شاعر بھی نہیں۔ ہمیں رجز، ہجز، قریض، مقبوض، مبسوط سارے ہی اصنافِ سخن معلوم ہیں۔ اس کی بات بہر حال شعر نہیں ہے۔

لوگوں نے کہا، تب ہم کہیں گے کہ وہ جادوگر ہے۔ ولید نے کہا، یہ شخص جادوگر بھی نہیں۔ ہم نے جادوگر اور ان کا جادو بھی دیکھا ہے، یہ شخص نہ تو ان کی طرح جھاڑ پھونک کرتا ہے نہ گرہ لگاتا ہے۔

لوگوں نے کہا: تب ہم کیا کہیں گے ؟ ولید نے کہا، خدا کی قسم اس کی بات بڑی شیریں ہے۔ اس کی جڑ پائیدار ہے اور اس کی شاخ پھلدار تم جو بات بھی کہو گے لوگ اسے باطل سمجھیں گے البتہ اس کے بارے میں سب سے مناسب بات یہ کہہ سکتے ہو کہ وہ جادوگر ہے۔ اس نے ایسا کلام پیش کیا ہے جو جادو ہے۔ اس سے باپ بیٹے، بھائی بھائی، شوہر بیوی اور کنبے قبیلے میں پھوٹ پڑ جاتی ہے۔ بالآخر لوگ اسی تجویز پر متفق ہو کر وہاں سے رخصت ہوئے[۱]

بعض روایات میں یہ تفصیل بھی مذکور ہے کہ جب ولید نے لوگوں کی ساری تجویزیں رد کر دیں تو لوگوں نے کہا کہ پھر آپ ہی اپنی بے داغ رائے پیش کیجیے۔ اس پر ولید نے کہا: ذرا سوچ لینے دو۔ اس کے بعد وہ سوچتا رہا سوچتا رہا یہاں تک کہ اپنی مذکورہ بالا رائے ظاہر کی[۲]

اسی معاملے میں ولید کے متعلق سورہ مُدّثر کی سولہ آیات (۱۱ تا ۲۶) نازل ہوئیں جن میں سے چند آیات کے اندر اس کے سوچنے کی کیفیت کا نقشہ بھی کھینچا گیا چنانچہ ارشاد ہوا:

إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۝ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ نَظَرَ ۝ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۝ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۝ فَقَالَ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ۝ إِنْ هَٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۝ (۷۴: ۱۸-۲۵)

---

[۱] ابن ہشام ۱/۲۷۱ [۲] فی ظلال القرآن پارہ ۲۹/۱۸۸

"اس نے سوچا اور اندازہ لگایا۔ وہ غارت ہو۔ اس نے کیسا اندازہ لگایا، پھر غارت ہو اس نے کیسا اندازہ لگایا! پھر نظر دوڑائی۔ پھر پیشانی سکیڑی اور منہ بسورا۔ پھر پلٹا اور تکبر کیا۔ آخر کار کہا کہ یہ نرالا جادو ہے جو پہلے سے نقل ہوتا آرہا ہے۔ یہ محض انسان کا کلام ہے۔"

بہر حال یہ قرارداد طے پا چکی تو اسے جامۂ عمل پہنانے کی کارروائی شروع ہوئی۔ کچھ کفارِ مکہ عازمینِ حج کے مختلف راستوں پر بیٹھ گئے۔ اور وہاں سے ہر گذرنے والے کو آپؐ کے "خطرے" سے آگاہ کرتے ہوئے آپؐ کے متعلق تفصیلات بتانے لگے۔[۸]

اس کام میں سب سے زیادہ پیش پیش ابولہب تھا۔ وہ حج کے ایام میں لوگوں کے ڈیروں اور عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز کے بازاروں میں آپؐ کے پیچھے پیچھے لگا رہتا۔ آپؐ اللہ کے دین کی تبلیغ کرتے اور ابولہب پیچھے پیچھے یہ کہتا کہ اس کی بات نہ ماننا یہ جھوٹا بد دین ہے۔[۹]

اس دوڑ دھوپ کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ اس حج سے اپنے گھروں کو واپس ہوئے تو ان کے علم میں یہ بات آچکی تھی کہ آپؐ نے دعویٰ نبوت کیا ہے اور یوں ان کے ذریعے پورے دیارِ عرب میں آپؐ کا چرچا پھیل گیا۔

محاذ آرائی کے مختلف انداز جب قریش نے دیکھا کہ محمد ﷺ کو تبلیغ دین سے روکنے کی حکمت کارگر نہیں ہو رہی ہے تو ایک بار پھر انہوں نے غور و خوض کیا اور آپؐ کی دعوت کا قلع قمع کرنے کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے جن کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ ہنسی، ٹھٹھا، تحقیر، استہزاء اور تکذیب۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو بددل کر کے ان کے حوصلے توڑ دیئے جائیں۔ اس کے لیے مشرکین نے نبی ﷺ کو ناروا تہمتوں اور بیہودہ گالیوں کا نشانہ بنایا۔

چنانچہ وہ کبھی آپؐ کو پاگل کہتے جیسا کہ ارشاد ہے:

وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ○ (۱۵:۶)

"ان کفار نے کہا کہ اے وہ شخص جس پر قرآن نازل ہوا تو یقیناً پاگل ہے۔"

اور کبھی آپؐ پر جادوگر اور جھوٹے ہونے کا الزام لگاتے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

---

۸ ابنِ ہشام ۱/۲۷۱ ۹ ترمذی۔ مسند احمد ۳/۴۹۲۔ ۴/۳۴۱۔

وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ○ (۳۸:۴)

"انہیں حیرت ہے کہ خود انہیں میں سے ایک ڈرانیوالا آیا اور کافرین کہتے ہیں کہ یہ جادوگر ہے جھوٹا ہے۔"

یہ کفار آپ کے آگے پیچھے پُرغضب، منتقمانہ نگاہوں اور بھڑکتے ہُوئے جذبات کے ساتھ چلتے تھے۔ ارشاد ہے:

وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ○ (۵۱:۶۸)

"اور جب کفار اس قرآن کو سنتے ہیں تو آپؐ کو ایسی نگاہوں سے دیکھتے ہیں کہ گویا آپکے قدم اکھاڑ دیں گے اور کہتے ہیں کہ یہ یقیناً پاگل ہے۔"

اور جب آپؐ کسی جگہ تشریف فرما ہوتے اور آپ کے اردگرد کمزور اور مظلوم صحابہ کرامؓ موجود ہوتے تو انہیں دیکھ کر مشرکین استہزاء کرتے ہوئے کہتے:

..اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ (۶:۵۳)

"اچھا یہی حضرات ہیں جن پر اللہ نے ہمارے درمیان سے احسان فرمایا ہے!"

جواباً اللہ کا ارشاد ہے:

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ○ (۵۳:۶)

"کیا اللہ شکر گذاروں کو سب سے زیادہ نہیں جانتا!"

عام طور پر مشرکین کی کیفیت وہی تھی جس کا نقشہ ذیل کی آیات میں کھینچا گیا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ۟ۖ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ۟ۖ وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ۟ۖ وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ۙ وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ○ (۸۳: ۲۹-۳۳)

"جو مجرم تھے وہ ایمان لاتے والوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ اور جب ان کے پاس سے گذرتے تو آنکھیں مارتے تھے اور جب اپنے گھروں کو پلٹتے تو لطف اندوز ہوتے ہُوتے پلٹتے تھے۔ اور جب انہیں دیکھتے تو کہتے کہ یہی گمراہ ہیں، حالانکہ وہ ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔"

(۲) **محاذ آرائی کی دُوسری صُورت** آپ کی تعلیمات کو مسخ کرنا شکوک و شبہات پیدا کرنا جھوٹا پروپیگنڈہ کرنا۔ تعلیمات سے لے کر شخصیت تک کو واہیات اعتراضوں کا نشانہ بنانا اور یہ سب

اس کثرت سے کرنا کہ عوام کو آپ کی دعوت و تبلیغ پر غور کرنے کا موقع ہی نہ مل سکے۔ چنانچہ یہ مشرکین قرآن کے متعلق کہتے تھے :

.. اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ○ (۲۵: ۵)

" یہ پہلوں کے افسانے ہیں جنہیں آپ نے لکھوا لیا ہے۔ اب یہ آپ پر صبح و شام تلاوت کئے جاتے ہیں "

.. اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ (۲۵: ۴)

" یہ محض جھوٹ ہے جسے اس نے گھڑ لیا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس پر اس کی اعانت کی ہے "

مشرکین یہ بھی کہتے تھے کہ

.. اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ (۱۶: ۱۰۳)

یہ (قرآن) تو آپ کو ایک انسان سکھاتا ہے "

رسول اللہ ﷺ پر ان کا اعتراض یہ تھا:

.. مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ (۲۵: ۷)

یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا ہے۔ اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے!

قرآن شریف کے بہت سے مقامات پر مشرکین کا رد بھی کیا گیا ہے کہیں اعتراض نقل کر کے اور کہیں نقل کے بغیر۔

۳۔ محاذ آرائی کی تیسری صورت

پہلوں کے واقعات اور افسانوں سے قرآن کا مقابلہ کرنا اور لوگوں کو اسی میں الجھائے اور پھنسائے رکھنا۔

چنانچہ نضر بن حارث کا واقعہ ہے کہ اس نے ایک بار قریش سے کہا: "قریش کے لوگو! خدا کی قسم تم پر ایسی افتاد آن پڑی ہے کہ تم لوگ اب تک اس کا کوئی توڑ نہیں لا سکے۔ محمدؐ تم میں جوان تھے تو تمہارے سب سے پسندیدہ آدمی تھے۔ سب سے زیادہ سچے اور سب سے بڑھ کر امانت دار تھے۔ اب جبکہ ان کی کنپٹیوں پر سفیدی دکھائی پڑنے کو ہے (یعنی ادھیڑ ہو چلے ہیں) اور وہ تمہارے پاس کچھ باتیں لے کر آئے ہیں تو تم کہتے ہو کہ وہ جادوگر ہیں! نہیں بخدا وہ جادوگر نہیں۔ ہم نے جادوگر دیکھے ہیں۔ ان کی جھاڑ پھونک اور گرہ بندی بھی دیکھی ہے۔ اور تم لوگ کہتے ہو وہ کاہن ہیں۔ نہیں،

بخدا وہ کاہن بھی نہیں۔ ہم نے کاہن بھی دیکھے ہیں، ان کی اُلٹی سیدھی حرکتیں بھی دیکھی ہیں اور ان کی نفرہ بندیاں بھی سُنی ہیں۔ تم لوگ کہتے ہو وہ شاعر ہیں۔ نہیں بخدا وہ شاعر بھی نہیں، ہم نے شعر بھی دیکھا ہے اور اسکے سارے اصناف، ہجز، رجز، وغیرہ سنے ہیں۔ تم لوگ کہتے ہو وہ پاگل ہیں۔ نہیں، بخدا وہ پاگل بھی نہیں، ہم نے پاگل پن بھی دیکھا ہے۔ یہاں نہ اس طرح کی گھٹن ہے نہ ویسی بہکی بہکی باتیں اور نہ ان کے جیسی فریب کارانہ گفتگو۔ قریش کے لوگو! سوچو! خدا کی قسم تم پر زبردست افتاد آن پڑی ہے۔"

اس کے بعد نضر بن حارث حیرہ گیا۔ وہاں بادشاہوں کے واقعات اور رستم و اسفندیار کے قصے سیکھے۔ پھر واپس آیا تو جب رسول اللہ ﷺ کسی جگہ بیٹھ کر اللہ کی باتیں کرتے اور اس کی گرفت سے لوگوں کو ڈراتے تو آپ کے بعد یہ شخص وہاں پہنچ جاتا اور کہتا کہ بخدا! محمدؐ کی باتیں مجھ سے بہتر نہیں۔ اس کے بعد وہ فارس کے بادشاہوں اور رستم و اسفندیار کے قصے سناتا پھر کہتا: آخر کس بنا پر محمدؐ کی بات مجھ سے بہتر ہے؟[۱۰]

ابنِ عباس کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نضر نے چند لونڈیاں خرید رکھی تھیں اور جب وہ کسی آدمی کے متعلق سنتا کہ وہ نبی ﷺ کی طرف مائل ہے تو اس پر ایک لونڈی مُسلط کر دیتا، جو اسے کھلاتی پلاتی اور گانے سناتی یہاں تک کہ اسلام کی طرف اس کا جھکاؤ باقی نہ رہ جاتا اسی سلسلے میں یہ ارشادِ الٰہی نازل ہوا[۱۱]

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ .. (٣١:٦)

"کچھ لوگ ایسے ہیں جو کھیل کی بات خریدتے ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں" (۳۱-۶)

۴- محاذ آرائی کی چوتھی صورت

سودے بازیاں جن کے ذریعے مشرکین کی یہ کوشش تھی کہ اسلام اور جاہلیت دونوں بیچ راستے میں ایک دُوسرے سے جا ملیں یعنی کچھ لو اور کچھ دو کے اصول پر اپنی بعض باتیں مشرکین چھوڑ دیں اور بعض باتیں نبی ﷺ چھوڑ دیں۔ قرآن پاک میں اسی کے متعلق ارشاد ہے:

وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ ○ (٦٨:٩)

"وہ چاہتے ہیں کہ آپ ڈھیلے پڑ جائیں تو وہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں"

چنانچہ ابنِ جریر اور طبرانی کی ایک روایت ہے کہ مشرکین نے رسُول اللہ ﷺ کو یہ تجویز

---

۱۰ ابن ہشام ۱/۲۹۹، ۳۰۰، ۳۵۸ مختصر السیرہ شیخ عبداللہ ص ۱۱۷، ۱۱۸۔

۱۱ فتح القدیر للشوکانی ۴/۲۳۶ و دیگر کتب تفسیر۔

پیش کی کہ ایک سال آپؐ ان کے معبودوں کی پوجا کیا کریں اور ایک سال وہ آپؐ کے رب کی عبادت کیا کریں گے۔ عبد بن حُمَید کی ایک روایت اس طرح ہے کہ مشرکین نے کہا اگر آپؐ ہمارے معبودوں کو قبول کر لیں تو ہم بھی آپؐ کے خدا کی عبادت کریں گے۔[۱۲]

ابنِ اسحاق کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ اسود بن مُطّلب بن اسد بن عبدالعزّیٰ، ولید بن مغیرہ، اُمیّہ بن خلف اور عاص بن وائل سہمی آپؐ کے سامنے آئے یہ سب اپنی قوم کے بڑے لوگ تھے۔ بولے! اے محمدؐ آؤ جسے تم پوجتے ہو اسے ہم بھی پوجیں۔ اور جسے ہم پوجتے ہیں اسے تم بھی پوجو۔ اس طرح ہم اور تم اس کام میں مشترک ہو جائیں۔ اب اگر تمہارا معبود ہمارے معبود سے بہتر ہے تو ہم اس سے اپنا حصہ حاصل کر چکے ہوں گے اور اگر ہمارا معبود تمہارے معبود سے بہتر ہوا تو تم اس سے اپنا حصہ حاصل کر چکے ہوگے"۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے پوری سورہ قُلْ يَآ اَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ الخ نازل فرمائی، جس میں اعلان کیا گیا کہ جسے تم لوگ پوجتے ہو اسے میں نہیں پوج سکتا[۱۳] اور اس فیصلہ کُن جواب کے ذریعے ان کی مضحکہ خیز گفت و شنید کی جڑ کاٹ دی گئی۔ روایتوں میں اختلاف غالباً اس لیے ہے کہ اس سودے بازی کی کوشش بار بار کی گئی۔

ظُلم وجور ۔۔۔ سنہ ۴ نبوت میں جب پہلی بار اسلامی دعوت منظر عام پر آئی تو مشرکین نے اسے دبانے کے لیے وہ کارروائیاں انجام دیں جن کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔ یہ کارروائیاں تھوڑی تھوڑی اور درجہ بدرجہ عمل میں لائی گئیں اور ہفتوں بلکہ مہینوں مشرکین نے اس سے آگے قدم نہیں بڑھایا اور ظلم و زیادتی شروع نہیں کی لیکن جب دیکھا کہ یہ کارروائیاں اسلامی دعوت کی راہ روکنے میں مؤثر ثابت نہیں ہو رہی ہیں تو ایک بار پھر جمع ہوئے اور ۲۵ سردارانِ قریش کی ایک کمیٹی تشکیل دی جس کا سربراہ رسول اللہ ﷺ کا چچا ابولہب تھا۔ اس کمیٹی نے باہمی مشورے اور غور و خوض کے بعد رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے خلاف ایک فیصلہ کن قرارداد منظور کی۔ یعنی یہ طے کیا کہ اسلام کی مخالفت، پیغمبر اسلام کی ایذارسانی اور اسلام لانے والوں کو طرح طرح کے جور و ستم اور ظلم و تشدد کا نشانہ بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جائے۔[۱۴]

---

[۱۲] فتح القدیر للشوکانی ۵/۵۰۸، [۱۳] ابن ہشام ۱/۳۶۲

[۱۴] دیکھئے رحمۃ للعالمین ۱/۵۹، ۶۰

مشرکین نے یہ قرارداد طے کر کے اسے رُو بہ عمل لانے کا عزم مصمم کر لیا۔ مسلمانوں اور خصوصاً کمزور مسلمانوں کے اعتبار سے تو یہ کام بہت آسان تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ کے لحاظ سے بڑی مشکلات تھیں۔ آپؐ ذاتی طور پر پُرشکوہ، باوقار اور منفرد شخصیت کے مالک تھے۔ دوست دشمن سبھی آپؐ کو تعظیم کی نظر سے دیکھتے تھے۔ آپؐ جیسی شخصیت کا سامنا اکرام واحترام ہی سے کیا جاسکتا تھا اور آپؐ کے خلاف کسی نیچ اور ذلیل حرکت کی جرائت کوئی رذیل اور احمق ہی کر سکتا تھا۔ اس ذاتی عظمت کے علاوہ آپؐ کو ابوطالب کی حمایت وحفاظت بھی حاصل تھی اور ابوطالب مکّے کے اُن گنے چُنے لوگوں میں سے تھے جو اپنی ذاتی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں سے اتنے باعظمت تھے کہ کوئی شخص ان کا عہد توڑنے اور ان کے خانوادے پر ہاتھ ڈالنے کی جسارت نہیں کر سکتا تھا۔ اس صورت حال نے قریش کو سخت قلق، پریشانی اور کشمکش سے دوچار کر رکھا تھا۔ مگر سوال یہ ہے کہ جو دعوت ان کی مذہبی پیشوائی اور دنیاوی سربراہی کی جڑ کاٹ دینا چاہتی تھی آخر اس پر اتنا لمبا صبر کب تک؟ بالآخر مشرکین نے ابولہب کی سربراہی میں نبی ﷺ اور مسلمانوں پر ظلم وجور کا آغاز کر دیا۔ درحقیقت نبی ﷺ کے متعلق ابولہب کا موقف روزِ اوّل ہی سے جبکہ ابھی قریش نے اس طرح کی بات سوچی بھی نہ تھی یہی تھا۔ اس نے بنی ہاشم کی مجلس میں جو کچھ کیا، پھر کوہِ صفا پر جو حرکت کی اس کا ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے۔ بعض روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ اس نے کوہِ صفا پر نبی ﷺ کو مارنے کے لیے ایک پتھر بھی اٹھایا تھا۔[۱۵]

بعثت سے پہلے ابولہب نے اپنے دو بیٹوں عُتبہ اور عُتَیبہ کی شادی نبی ﷺ کی دو صاحبزادیوں رقیہؓ اور اُم کلثومؓ سے کی تھی لیکن بعثت کے بعد اس نے نہایت سختی اور درشتی سے ان دونوں کو طلاق دلوا دی۔[۱۶]

اسی طرح جب نبی ﷺ کے دوسرے صاحبزادے عبداللہ کا انتقال ہوا تو ابولہب کو اس قدر خوشی ہوئی کہ وہ دوڑتا ہوا اپنے رفقاء کے پاس پہنچا اور انہیں یہ "خوشخبری" سنائی کہ محمد ﷺ ابتر (نسل بریدہ) ہو گئے ہیں۔[۱۷]

ہم یہ بھی ذکر کر چکے ہیں کہ ایام حج میں ابولہب نبی ﷺ کی تکذیب کے لیے بازاروں اور اجتماعات میں آپؐ کے پیچھے پیچھے لگا رہتا تھا۔ طارق بن عبداللہ مُحارِبی کی روایت سے معلوم ہوتا

---

۱۵ ترمذی۔ ۱۶ فی ظلال القرآن ۳۰/۲۸۲، تفہیم القرآن ۶/۵۲۲۔
۱۷ تفہیم القرآن ۶/۴۹۰۔

ہے کہ یہ شخص صرف تکذیب ہی پر بس نہیں کرتا تھا بلکہ پتھر بھی مارتا رہتا تھا جس سے آپ کی ایڑیاں خون آلود ہو جاتی تھیں [۱۸]

ابو لہب کی بیوی اُمِ جمیل جس کا نام اَرْوٰی تھا اور جو حرب بن اُمیّہ کی بیٹی اور ابوسفیان کی بہن تھی، وہ بھی نبی ﷺ کی عداوت میں اپنے شوہر سے پیچھے نہ تھی، چنانچہ وہ نبی ﷺ کے راستے میں اور دروازے پر رات کو کانٹے ڈال دیا کرتی تھی۔ خاصی بدزبان اور مفسدہ پرداز بھی تھی۔ چنانچہ نبی ﷺ کے خلاف بدزبانی کرنا، لمبی چوڑی دسیسہ کاری و افترا پردازی سے کام لینا، فتنے کی آگ بھڑکانا، اور خوفناک جنگ بپا رکھنا اس کا شیوہ تھا۔ اسی لیے قرآن نے اس کو حَمَّالَةَ الْحَطَبِ (لکڑی ڈھونے والی) کا لقب عطا کیا۔

جب اسے معلوم ہوا کہ اس کی اور اس کے شوہر کی مذمت میں قرآن نازل ہوا ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ کو تلاش کرتی ہوئی آئی۔ آپ خانہ کعبہ کے پاس مسجد حرام میں تشریف فرما تھے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی ہمراہ تھے۔ یہ مٹھی بھر پتھر لیے ہوئے تھی۔ سامنے کھڑی ہوئی تو اللہ نے اس کی نگاہ پکڑ لی اور وہ رسول اللہ ﷺ کو نہ دیکھ سکی۔ صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے سامنے پہنچتے ہی سوال کیا، ابوبکر تمہارا ساتھی کہاں ہے؟ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ میری ہجو کرتا ہے۔ بخدا اگر میں اسے پا گئی تو اس کے منہ پر یہ پتھر دے ماروں گی۔ دیکھو! خدا کی قسم میں بھی شاعرہ ہوں پھر اس نے یہ شعر سنایا۔

مُذَمَّمًا عَصَيْنَا [۱۹] وَاَمْرَهُ اَبَيْنَا وَدِيْنَهُ قَلَيْنَا

" ہم نے مذمم کی نافرمانی کی۔ اس کے امر کو تسلیم نہ کیا اور اس کے دین کو نفرت و حقارت سے چھوڑ دیا۔

اس کے بعد واپس چلی گئی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا! یا رسول اللہ! ﷺ کیا اس نے آپ کو دیکھا نہیں۔ ؟ آپ نے فرمایا نہیں؟ اس نے مجھے نہیں دیکھا۔ اللہ نے اس کی نگاہ پکڑ لی تھی [۲۰]

ابوبکر بزار نے بھی یہ واقعہ روایت کیا ہے اور اس میں اتنا مزید اضافہ ہے کہ جب وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑی ہوئی تھی تو اس نے یہ بھی کہا " ابوبکر! تمہارے ساتھی نے ہماری ہجو کی ہے۔ ابوبکرؓ نے کہا، نہیں اس عمارت کے رب کی قسم نہ وہ شعر کہتے ہیں نہ اسے زبان پر لاتے ہیں۔ اس نے کہا تم سچ کہتے ہو۔

---

[۱۸] جامع الترمذی۔ [۱۹] مشرکین جل کر نبی ﷺ کو مُحَمَّد کے بجائے مُذَمَّم کہتے تھے جس کا معنی مُحَمَّد کے معنی کے بالکل برعکس ہے مُحَمَّد: وہ شخص ہے جس کی تعریف کی جائے۔ مذمم: وہ شخص ہے جس کی مذمت اور برائی کی جائے۔ [۲۰] ابن ہشام ۱/ ۳۳۵، ۳۳۶

ابولہب اس کے باوجود یہ ساری حرکتیں کر رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا چچا اور پڑوسی تھا۔ اس کا گھر آپؐ کے گھر سے متصل تھا۔ اسی طرح آپؐ کے دوسرے پڑوسی بھی آپؐ کو گھر کے اندر ستاتے تھے۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جو گروہ گھر کے اندر رسولِ اللہ ﷺ کو اذیت دیا کرتا تھا وہ یہ تھا۔ ابولہب، حکم بن ابی العاص بن اُمیہ، عقبہ بن ابی مُعیط، عدی بن حمرا ثقفی، ابن الاصداء ھذلی۔ یہ سب کے سب آپؐ کے پڑوسی تھے اور ان میں سے حکم بن[۲۱] ابی العاص کے علاوہ کوئی بھی مسلمان نہ ہوا۔ ان کے ستانے کا طریقہ یہ تھا کہ جب آپؐ نماز پڑھتے تو کوئی شخص بکری کی بچہ دانی اس طرح ٹکا کر پھینکتا کہ وہ ٹھیک آپؐ کے اوپر گرتی چولھے پر ہانڈی چڑھائی جاتی تو بچہ دانی اس طرح پھینکتے کہ سیدھے ہانڈی میں جا گرتی۔ آپؐ نے مجبور ہو کر ایک گھروندا بنا لیا تاکہ نماز پڑھتے ہوئے ان سے بچ سکیں۔

بہر حال جب آپؐ پر یہ گندگی پھینکی جاتی تو آپؐ اسے لکڑی پر لے کر نکلتے اور دروازے پر کھڑے ہو کر فرماتے: "اے بنی عبدِ مناف! یہ کیسی ہمسائگی ہے؟ پھر اسے راستے میں ڈال دیتے۔[۲۲]

عُقبہ بن ابی مُعیط اپنی بدبختی اور خباثت میں اور بڑھا ہوا تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ بیت اللہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ اور ابوجہل اور اس کے کچھ رفقاء بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں بعض نے بعض سے کہا، کون ہے جو بنی فلاں کے اُونٹ کی اوجھڑی لائے اور جب محمد ﷺ سجدہ کریں تو ان کی پیٹھ پر ڈال دے؟ اس پر قوم کا بدبخت ترین آدمی ——— عقبہ بن ابی معیط[۲۳] ——— اٹھا اور اوجھ لا کر انتظار کرنے لگا جب نبی ﷺ سجدے میں تشریف لے گئے تو اسے آپؐ کی پیٹھ پر دونوں کندھوں کے درمیان ڈال دیا۔ میں سارا ماجرا دیکھ رہا تھا۔ مگر کچھ کر نہیں سکتا تھا۔ کاش میرے اندر بچانے کی طاقت ہوتی۔

حضرت ابنِ مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد وہ ہنسی کے مارے ایک دوسرے پر گرنے لگے اور رسُول اللہ ﷺ سجدے ہی میں پڑے رہے۔ سر نہ اُٹھایا۔ یہاں تک کہ فاطمہؓ آئیں اور آپ کی پیٹھ سے اوجھ ہٹا کر پھینکی تب آپؐ نے سر اُٹھایا۔ پھر تین بار فرمایا اَللّٰھُمَّ عَلَیْکَ بِقُرَیْشٍ "اے اللہ تو قریش کو پکڑ لے"۔ جب آپؐ نے بد دعا کی تو ان پر بہت گراں گذری۔ کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ اس شہر میں دعائیں قبول کی جاتی ہیں۔ اس کے بعد آپؐ نے نام لے لے کر بد دعا کی: اے

---

[۲۱] یہ اُموی خلیفہ مروان بن حکم کے باپ ہیں۔ [۲۲] ابن ہشام ۱/۴۱۶۔

[۲۳] خود صحیح بخاری ہی کی ایک دوسری روایت میں اس کی صراحت آگئی ہے۔ دیکھئے ۱/۵۴۳۔

اللہ! ابوجہل کو پکڑلے۔ اور عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، اُمیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط کو پکڑلے ____

انہوں نے ساتویں کا بھی نام گنایا۔ لیکن راوی کو یاد نہ رہا ____ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں نے دیکھا کہ جن لوگوں کے نام رسول اللہ ﷺ نے گن گن کر لیے تھے۔ سب کے سب بدر کے کنویں میں مقتول پڑے ہوئے تھے[24]

اُمیہ بن خلف کا وطیرہ تھا کہ وہ جب رسول اللہ ﷺ کو دیکھتا تو لعن طعن کرتا۔ اسی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ وَیْلٌ لِّکُلِّ ھُمَزَةٍ لُّمَزَةِ (۱۰۴:۱) ہر لعن طعن اور برائیاں کرنے والے کیلئے تباہی ہے" ابنِ ہشام کہتے ہیں کہ ہُمَزَہ وہ شخص ہے جو علانیہ گالی بکے اور آنکھیں ٹیڑھی کرکے اشارے کرے۔ اور لُمَزَہ وہ شخص ہے جو پیٹھ پیچھے لوگوں کی بُرائیاں کرے اور انہیں اذیت دے[25]

اُمیہ کا بھائی اُبی بن خلف، عقبہ بن ابی معیط کا گہرا دوست تھا۔ ایک بار عقبہ نے نبی ﷺ کے پاس بیٹھ کر کچھ سنا۔ اُبی کو معلوم ہوا تو اس نے عقبہ کو سخت سُست کہا، عتاب کیا اور اس سے مطالبہ کیا کہ وہ جاکر رسول اللہ ﷺ کے منہ پر تھوک آئے۔ آخر عقبہ نے ایسا ہی کیا۔ خود اُبی بن خلف نے ایک مرتبہ ایک بوسیدہ ہڈی لاکر توڑی اور ہوا میں پھونک کر رسول اللہ ﷺ کی طرف اُڑا دی[26]

اَخنس بن شریق ثقفی بھی رسول اللہ ﷺ کے ستانے والوں میں تھا۔ قرآن میں اس کے نو اوصاف بیان کئے گئے ہیں جس سے اس کے کردار کا اندازہ ہوتا ہے۔ ارشاد ہے،

وَلَا تُطِعْ کُلَّ حَلَّافٍ مَّھِیْنٍ ۝ ھَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِیْمٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ مُعْتَدٍ اَثِیْمٍ ۝ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِکَ زَنِیْمٍ ۝ (۶۸: ۱۰-۱۳)

"تم بات نہ مانو کسی قسم کھانے والے ذلیل کی جو لعن طعن کرتا ہے، چغلیاں کھاتا ہے۔ بھلائی سے روکتا ہے، حد درجہ ظالم، بد عمل اور جفا کار ہے۔ اور اس کے بعد بداصل بھی ہے۔"

ابوجہل کبھی رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر قرآن سنتا تھا لیکن بس سنتا ہی تھا۔ ایمان و اطاعت اور ادب وخشیت اختیار نہیں کرتا تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی بات سے اذیت

---

[24] صحیح البخاری کتاب الوضوء باب اذا القی علی المصلی قذر او جیفۃ ۱/۳۷۔

[25] ابن ہشام ۱/۳۵۶، ۳۵۷۔ [26] ابنِ ہشام ۱/۳۶۱، ۳۶۲

پہنچاتا اور اللہ کی راہ سے روکتا تھا۔ پھر اپنی اس حرکت اور بُرائی پر ناز اور فخر کرتا ہُوا جاتا تھا۔ گویا اس نے کوئی قابلِ ذکر کارنامہ انجام دے دیا ہے۔ قرآنِ مجید کی یہ آیات اسی شخص کے بارے میں نازل ہوئیں:

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی الخ (۷۵: ۳۱) "نہ اس نے صدقہ دیا نہ نماز پڑھی، بلکہ جھٹلایا اور پیٹھ پھیری۔ پھر وہ اکڑتا ہوا اپنے گھر والوں کے پاس گیا۔ تیرے خوب لائق ہے۔ خوب لائق ہے۔"

اس شخص نے پہلے دن جب نبی ﷺ کو نماز پڑھتے ہُوئے دیکھا تو اسی دن سے آپ کو نماز سے روکتا رہا۔ ایک بار نبی ﷺ مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھ رہے تھے کہ اس کا گذر ہوا۔ دیکھتے ہی بولا، محمدؐ! کیا میں نے تجھے اس سے منع نہیں کیا تھا؟ ساتھ ہی دھمکی بھی دی۔ رسُول اللہ ﷺ نے بھی ڈانٹ کر سختی سے جواب دیا۔ اس پر وہ کہنے لگا۔ اے محمدؐ! مجھے کاہے کی دھمکی دے رہے ہو، دیکھو! خدا کی قسم! اس وادی (مکہ) میں میری محفل سب سے بڑی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ[۲۸] اچھا! تو وہ بلالے اپنی محفل کو (ہم بھی سزا کے فرشتوں کو بلائے دیتے ہیں۔)

ایک روایت میں مذکور ہے کہ رسُول اللہ ﷺ نے اس کا گریبان گلے کے پاس سے پکڑ لیا اور جھنجھوڑتے ہُوئے فرمایا۔

اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۝ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۝ (۷۵: ۳۴/۳۵)

"تیرے لیے بہت ہی موزوں ہے۔ تیرے لیے بہت ہی موزوں ہے۔"

اس پر اللہ کا یہ دشمن کہنے لگا: "اے محمدؐ! مجھے دھمکی دے رہے ہو؟ خُدا کی قسم تم اور تمہارا پروردگار میرا کچھ نہیں کر سکتے۔ میں مکّے کی دونوں پہاڑیوں کے درمیان چلنے پھرنے والوں میں سب سے زیادہ معزز ہوں[۲۹]۔"

بہرحال اس ڈانٹ کے باوجود ابوجہل اپنی حماقت سے باز آنے والا نہ تھا بلکہ اس کی بدبختی میں کچھ اور اضافہ ہی ہو گیا، چنانچہ صحیح مُسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار سرداران قریش سے ابوجہل نے کہا کہ محمدؐ آپ حضرات کے رُوبرُو اپنا چہرہ خاک آلود کرتا ہے؟ جواب دیا گیا۔ ہاں! اس نے کہا لات و عُزّیٰ کی قسم! اگر میں نے اس حالت میں اسے دیکھ لیا تو اس کی گردن روند دوں گا۔ اور اس کا چہرہ مٹی پر رگڑ دوں گا۔ اسکے بعد اس نے رسُول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے ہُوئے

---

[۲۷] فی ظلال القرآن ۲۹/۲۱۲ [۲۸] فی ظلال القرآن ۳۰/۲۰۸ [۲۹] ایضاً ۲۹/۲۱۲۔

دیکھ لیا اور اس زعم میں چلا کہ آپؐ کی گردن روند دے گا، لیکن لوگوں نے اچانک کیا دیکھا کہ وہ ایڑی کے بَل پلٹ رہا ہے اور دونوں ہاتھ سے بچاؤ کر رہا ہے۔ لوگوں نے کہا، ابوالحکم! تمہیں کیا ہوا؟ اس نے کہا: میرے اور اس کے درمیان آگ کی ایک خندق ہے۔ ہولناکیاں ہیں اور پَر ہیں۔ رسُول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کا ایک ایک عضو اچک لیتے[۳۰]

جوروستم کی یہ کارروائیاں نبی ﷺ کے ساتھ ہو رہی تھیں اور عوام وخواص کے نفوس میں آپؐ کی منفرد شخصیّت کا جو وقار واحترام تھا اور آپؐ کو مکّے کے سب سے محترم اور عظیم انسان ابوطالب کی جو حمایت وحفاظت حاصل تھی اس کے باوجود ہو رہی تھیں۔ باقی رہیں وہ کارروائیاں جو مسلمانوں اور خصوصاً ان میں سے بھی کمزور افراد کی ایذارسانی کے لیے کی جارہی تھیں تو وہ کچھ زیادہ ہی سنگین اور تلخ تھیں۔ ہر قبیلہ اپنے مسلمان ہونے والے افراد کو طرح طرح کی سزائیں دے رہا تھا اور جس شخص کا کوئی قبیلہ نہ تھا ان پر اوباشوں اور سرداروں نے ایسے ایسے جوروستم روا رکھے تھے جنہیں سُن کر مضبوط انسان کا دل بھی بے چینی سے تڑپنے لگتا ہے۔

ابوجہل جب کسی معزز اور طاقتور آدمی کے مسلمان ہونے کی خبر سنتا تو اسے بُرا بھلا کہتا ذلیل و رسوا کرتا اور مال وجاہ کو سخت خسارے سے دوچار کرنے کی دھمکیاں دیتا اور اگر کوئی کمزور آدمی مسلمان ہوتا تو اسے مارتا اور دوسروں کو بھی برانگیختہ کرتا[۳۱]

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا چچا انہیں کھجور کی چٹائی میں لپیٹ کر نیچے سے دھواں دیتا[۳۲]

حضرت مُصعَب بن عُمَیر رضی اللہ عنہ کی ماں کو ان کے اسلام لانے کا علم ہوا تو ان کا دانہ پانی بند کر دیا اور انہیں گھر سے نکال دیا۔ یہ بڑے ناز ونعمت میں پلے تھے۔ حالات کی شدّت سے دوچار ہوئے تو کھال اس طرح ادھڑ گئی جیسے سانپ کینچلی چھوڑتا ہے[۳۳]

حضرت بلالؓ، اُمیّہ بن خلف جُمَحی کے غلام تھے۔ اُمیّہ انکی گردن میں رسّی ڈال کر لڑکوں کو دے دیتا تھا اور وہ انہیں مکّے کے پہاڑوں میں گھماتے پھرتے تھے یہاں تک کہ گردن پر رسی کا نشان پڑجاتا تھا۔ خود اُمیّہ بھی انہیں باندھ کر ڈنڈے سے مارتا تھا اور چلچلاتی دھوپ میں جبراً بٹھائے رکھتا تھا۔ کھانا پانی بھی نہ دیتا بلکہ بھوکا پیاسا رکھتا تھا اور اس سے کہیں بڑھ کر یہ ظلم کرتا تھا

---

۳۰ صحیح مسلم۔ ۳۱ ابن ہشام ۱/۳۲۰ ۳۲ رحمۃ للعالمین ۱/۵۷
۳۳ ایضاً ۱/۵۸ و تلقیح فہوم اہل الاثر ۴

کہ جب دوپہر کی گرمی شباب پر ہوتی تو مکہ کے پتھریلے کنکروں پر لٹا کر سینے پر بھاری پتھر رکھوا دیتا۔ پھر کہتا خدا کی قسم! تو اسی طرح پڑا رہے گا یہاں تک کہ مرجائے، یا محمدؐ کے ساتھ کفر کرے۔ حضرت بلالؓ اس حالت میں بھی فرماتے اَحَد، اَحَد۔ ایک روز یہی کارروائی کی جارہی تھی کہ ابوبکرؓ کا گذر ہوا۔ انہوں نے حضرت بلالؓ کو ایک کالے غلام کے بدلے، اور کہا جاتا ہے کہ دوسو درہم (۷۳۵ گرام چاندی) یا دوسو اسی درہم (ایک کیلو سے زائد چاندی) کے بدلے خرید کر آزاد کر دیا۔[۳۴]

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بنو مخزوم کے غلام تھے۔ انہوں نے اور ان کے والدین نے اسلام قبول کیا تو ان پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ مشرکین جن میں ابوجہل پیش پیش تھا سخت دھوپ کے وقت انہیں پتھریلی زمین پر لے جاکر اس کی تپش سے سزا دیتے۔ ایک بار انہیں اسی طرح سزا دی جارہی تھی کہ نبی ﷺ کا گذر ہوا۔ آپؐ نے فرمایا: "آلِ یاسر صبر کرنا۔ تمہارا ٹھکانا جنت ہے"۔ آخرکار یاسر ظلم کی تاب نہ لا کر وفات پاگئے اور سُمیّہؓ جو حضرت عمارؓ کی والدہ تھیں، ان کی شرمگاہ میں ابوجہل نے نیزہ مارا، اور وہ دم توڑ گئیں۔ یہ اسلام میں پہلی شہیدہ ہیں۔ حضرت عمارؓ پر سختی کا سلسلہ جاری رہا۔ انہیں کبھی دھوپ میں تپایا جاتا تو کبھی ان کے سینے پر سرخ پتھر رکھ دیا جاتا اور کبھی پانی میں ڈبویا جاتا۔ ان سے مشرکین کہتے تھے کہ جب تک تم محمدؐ کو گالی نہ دو گے یا لات وعزیٰ کے بارے میں کلمۂ خیر نہ کہو گے ہم تمہیں چھوڑ نہیں سکتے۔ حضرت عمارؓ نے مجبوراً ان کی بات مان لی۔ پھر نبی ﷺ کے پاس روتے اور معذرت کرتے ہوئے تشریف لائے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

مَنْ كَفَرَ بِاللهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ.. (۱۶:۱۰۶)

جس نے اللہ پر ایمان لانے کے بعد کفر کیا (اس پر اللہ کا غضب اور عذابِ عظیم ہے) لیکن جسے مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو (اس پر کوئی گرفت نہیں ہے)۔[۳۵]

حضرت فُکَیْہہ جن کا نام اَفلح تھا، بنی عبدالدار کے غلام تھے۔ ان کے یہ مالکان ان کا پاؤں رسی سے باندھ کر انہیں زمین پر گھسیٹتے تھے۔[۳۶]

حضرت خَبّابؓ بن اَرَت، قبیلہ خُزاعہ کی ایک عورت اُمِّ اَنمار کے غلام تھے۔ مشرکین انہیں طرح طرح کی سزائیں دیتے تھے۔ ان کے سر کے بال نوچتے تھے اور سختی سے گردن مروڑتے

---

۳۴ رحمۃ للعالمین ۱/۵۷، تلقیح فہوم صفحہ ۶۱، ابن ہشام ۱/۳۱۷، ۳۱۸۔

۳۵ ابن ہشام ۱/۳۱۹، ۳۲۰، فقہ السیرۃ محمد غزالی ص ۸۲۔ عوفی نے ابن عباس سے اس کا بعض ٹکڑا روایت کیا ہے۔ دیکھئے تفسیر ابن کثیر زیر آیت مذکورہ

۳۶ رحمۃ للعالمین ۱/۵۷، بحوالہ اعجاز التنزیل ص ۵۳

تھے۔ انہیں کئی بار دہکتے انگاروں پر لٹا کر اوپر سے پتھر رکھ دیا کہ وہ اُٹھ نہ سکیں[۳۷]

زِنّیرہؓ[۳۸] اور نَہدِیہؓ اور ان کی صاحبزادی اور اُمّ عُبَیسؓ یہ سب لونڈیاں تھیں۔ انہوں نے اسلام قبول کیا اور مشرکین کے ہاتھوں اسی طرح کی سنگین سزاؤں سے دوچار ہوئیں جن کے چند نمونے ذکر کیے جا چکے ہیں۔ قبیلہ بنی عَدِی کے ایک خانوادے بنی مؤمل کی ایک لونڈی مسلمان ہوئیں تو انہیں حضرت عُمَر بن خطاب ـــــ جو بنی عدی سے تعلق رکھتے تھے اور ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے ـــ اس قدر مارتے تھے کہ مارتے مارتے خُود تھک جاتے تھے اور اس کے بعد کہتے تھے کہ میں نے تجھے کسی مروت کی وجہ سے نہیں بلکہ محض، تھک جانے کی وجہ سے چھوڑا ہے[۳۹]

آخر کار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلالؓ اور عامر بن فُہَیرہ کی طرح ان لونڈیوں کو بھی خرید کر آزاد کر دیا[۴۰]

مشرکین نے سزا کی ایک شکل یہ بھی اختیار کی تھی کہ بعض بعض صَحابہ کو اونٹ اور گائے کی کچی کھال میں لپیٹ کر دھوپ میں ڈال دیتے تھے اور بعض کو لوہے کی زرہ پہنا کر جلتے ہوئے پتھر پر لٹا دیتے تھے[۴۱] درحقیقت اللہ کی راہ میں ظلم و جور کا نشانہ بننے والوں کی فہرست بڑی لمبی ہے اور بڑی تکلیف دہ بھی۔ حالت یہ تھی کہ جس کسی کے مسلمان ہونے کا پتہ چل جاتا تھا مشرکین اس کے درپئے آزار ہو جاتے تھے۔

دارِ اَرقم

ان ستم رانیوں کے مقابل حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ رسُول اللہ ﷺ مسلمانوں کو قولاً اور عملاً دونوں طرح اسلام کے اظہار سے روک دیں اور ان کے ساتھ خفیہ طریقے پر اکٹھے ہوں کیونکہ اگر آپ ان کے ساتھ کھُلم کھُلا اکٹھا ہوتے تو مشرکین آپؐ کے تزکیۂ نفس اور تعلیم کتاب و حکمت کے کام میں یقیناً رکاوٹ ڈالتے اور اس کے نتیجے میں فریقین کے درمیان تصادم ہو سکتا تھا بلکہ عملاً ۵ نبوت میں ہو بھی چکا تھا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ صحابہ کرام گھاٹیوں میں اکٹھے ہو کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ ایک بار کفار قریش کے کچھ لوگوں نے دیکھ لیا تو گالم گلوچ اور لڑائی جھگڑے پر اتر آئے۔ جواباً حضرت سعدؓ بن ابی وَقّاص نے ایک شخص کو ایسی ضرب لگائی کہ اس کا خون بہ پڑا اور یہ پہلا خون تھا جو اسلام میں بہایا گیا[۴۲]

---

۳۷ رحمۃ للعالمین ۱/۵۷ تلقیح الفہوم ص ۶۰ ۳۸ زنیرہ بروزن سکینہ، یعنی ز کو زیر اور نون کو زیر اور تشدید
۳۹ رحمۃ للعالمین ۱/۵۷، ابن ہشام ۱/۳۱۹ - ۴۰ ابن ہشام ۱/۳۱۸، ۳۱۹
۴۱ رحمۃ للعالمین ۱/۵۸ - ۴۲ ابن ہشام ۱/۲۶۳ مختصر السیرہ محمد بن عبدالوہاب ص ۶۱

یہ واضح ہی ہے کہ اگر اس طرح کا ٹکراؤ بار بار ہوتا اور طول پکڑ جاتا تو مسلمانوں کے خاتمے کی نوبت آسکتی تھی لہذا حکمت کا تقاضا یہی تھا کہ کام پس پردہ کیا جائے۔ چنانچہ عام صحابہ کرام اپنا اسلام اپنی عبادت، اپنی تبلیغ اور اپنے باہمی اجتماعات سب کچھ پس پردہ کرتے تھے۔ البتہ رسول اللہ ﷺ تبلیغ کا کام بھی مشرکین کے روبرو کھلم کھلا انجام دیتے تھے اور عبادت کا کام بھی۔ کوئی چیز آپؐ کو اس سے روک نہیں سکتی تھی، تاہم آپ بھی مسلمانوں کے ساتھ خود ان کی مصلحت کے پیش نظر خفیہ طور سے جمع ہوتے تھے۔ ادھر ارقمؓ بن ابی الارقم مخزومی کا مکان کوہِ صفا پر سرکشوں کی نگاہوں اور ان کی مجلسوں سے دور الگ تھلگ واقع تھا۔ اس لیے آپؐ نے پانچویں سنہ نبوت سے اسی مکان کو اپنی دعوت اور مسلمانوں کے ساتھ اپنے اجتماع کا مرکز بنا لیا۔[۴۳]

پہلی ہجرت حبشہ

جور و ستم کا مذکورہ سلسلہ نبوت کے چوتھے سال کے درمیان یا آخر میں شروع ہوا تھا اور ابتداءً معمولی تھا مگر دن بدن اور ماہ بماہ بڑھتا گیا یہاں تک کہ نبوت کے پانچویں سال کا وسط آتے آتے اپنے شباب کو پہنچ گیا حتیٰ کہ مسلمانوں کے لیے مکہ میں رہنا دوبھر ہو گیا۔ اور انہیں ان پیہم ستم رانیوں سے نجات کی تدبیر سوچنے کے لیے مجبور ہو جانا پڑا۔ ان ہی سنگین اور تاریک حالات میں سورۂ کہف نازل ہوئی۔ یہ اصلاً تو مشرکین کے پیش کردہ سوالات کے جواب میں تھی لیکن اس میں جو تین واقعات بیان کیے گئے ان واقعات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے مومن بندوں کے لیے مستقبل کے بارے میں نہایت بلیغ اشارات تھے چنانچہ اصحاب کہف کے واقعے میں یہ درس موجود ہے کہ جب دین و ایمان خطرے میں ہو تو کفر و ظلم کے مراکز سے ہجرت کے لیے تن بہ تقدیر نکل پڑنا چاہیئے، ارشاد ہے:

وَإِذِ اعْتَزَلْتُمُوهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ فَأْوُوا إِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ مِرْفَقًا ۝ (۱۸:۱۶)

"اور جب تم ان سے اور اللہ کے سوا ان کے دوسرے معبودوں سے الگ ہوگئے تو غار میں پناہ گیر ہو جاؤ، تمہارا رب تمہارے لیے اپنی رحمت پھیلائے گا۔ اور تمہارے کام کے لیے تمہاری سہولت کی چیز تمہیں مہیا کرے گا۔"

موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے واقعے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نتائج ہمیشہ ظاہری حالات کے مطابق نہیں ہوتے بلکہ بسا اوقات ظاہری حالات کے بالکل برعکس ہوتے ہیں لہذا اس واقعے

---

[۴۳] مختصر السیرہ محمد بن عبدالوہاب ص ۶۱۔

میں اس بات کی طرف لطیف اشارہ پنہاں ہے کہ مسلمانوں کے خلاف اس وقت جو ظلم و تشدد برپا ہے اس کے نتائج بالکل برعکس نکلیں گے اور یہ سرکش مشرکین اگر ایمان نہ لائے تو آئندہ ان ہی مقہور و مجبور مسلمانوں کے سامنے سرنگوں ہو کر اپنی قسمت کے فیصلے کے لیے پیش ہوں گے۔

ذُوالقرنَین کے واقعے میں چند خاص باتوں کی طرف اشارہ ہے۔

۱- یہ کہ زمین اللہ کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے۔

۲- یہ کہ فلاح و کامرانی ایمان ہی کی راہ میں ہے، کفر کی راہ میں نہیں۔

۳- یہ کہ اللہ تعالیٰ رہ رہ کر اپنے بندوں میں سے ایسے افراد کھڑے کرتا رہتا ہے جو مجبور و مقہور انسانوں کو اس دَور کے یاجوج و ماجوج سے نجات دلاتے ہیں۔

۴- یہ کہ اللہ کے صالح بندے ہی زمین کی وراثت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔

پھر سورہ کہف کے بعد سورۂ زُمَر کا نزول ہوا اور اس میں ہجرت کی طرف اشارہ کیا گیا۔ اور بتایا گیا کہ اللہ کی زمین تنگ نہیں ہے:

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ۭ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ (۳۹: ۱۰)

"جن لوگوں نے اس دنیا میں اچھائی کی ان کے لیے اچھائی ہے اور اللہ کی زمین کشادہ ہے۔ صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بلا حساب دیا جائے گا۔"

ادھر رسول اللہ ﷺ کو معلوم تھا کہ اَصحَمَہ نجاشی شاہ حبش ایک عادل بادشاہ ہے۔ وہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا اس لیے آپؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ فتنوں سے اپنے دین کی حفاظت کے لیے حبشہ ہجرت کر جائیں۔ اس کے بعد ایک طے شدہ پروگرام کے مطابق رجب ۵ نبوی میں صحابہ کرامؓ کے پہلے گروہ نے حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ اس گروہ میں بارہ مرد اور چار عورتیں تھیں۔ حضرت عثمانؓ بن عفان ان کے امیر تھے اور ان کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ بھی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کے بعد یہ پہلا گھرانہ ہے جس نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی ہے[۴۴]

یہ لوگ رات کی تاریکی میں چپکے سے نکل کر اپنی نئی منزل کی جانب روانہ ہوئے۔ رازداری

---

۴۴ مختصر السیرہ شیخ عبداللہ صـ ۹۲، ۹۳ زاد المعاد ۱/۲۴ رحمۃ للعالمین ۱/۶۱۔

کا مقصد یہ تھا کہ قریش کو اس کا علم نہ ہو سکے۔ رُخ بحر احمر کی بندرگاہ شُعَیبَہ کی جانب تھا۔ خوش قسمتی سے وہاں دو تجارتی کشتیاں موجود تھیں جو انہیں اپنے دامنِ عافیت میں لے کر سمندر پار حبشہ چلی گئیں۔ قریش کو کسی قدر بعد میں ان کی روانگی کا علم ہو سکا۔ تاہم انہوں نے پیچھا کیا اور ساحل تک پہنچے لیکن صحابۂ کرام آگے جا چکے تھے' اس لیے نامراد واپس آ گئے۔ ادھر مسلمانوں نے حبشہ پہنچ کر بڑے چین کا سانس لیا۔[۴۵] اسی سال رمضان شریف میں یہ واقعہ پیش آیا کہ نبی ﷺ ایک بار حرم تشریف لے گئے۔ وہاں قریش کا بہت بڑا مجمع تھا۔ ان کے سردار اور بڑے بڑے لوگ جمع تھے۔ آپؐ نے ایک دم اچانک کھڑے ہو کر سورہ نجم کی تلاوت شروع کر دی۔ ان کفار نے اس سے پہلے عموماً قرآن سنا نہ تھا کیونکہ ان کا دائمی وطیرہ قرآن کے الفاظ میں یہ تھا کہ:

لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝ (۴۱:۲۶)

"اس قرآن کو مت سنو اور اس میں خلل ڈالو۔ (اودھم مچاؤ) تاکہ تم غالب رہو"

لیکن جب نبی ﷺ نے اچانک اس سورہ کی تلاوت شروع کر دی۔ اور ان کے کانوں میں ایک ناقابلِ بیان رعنائی و دلکشی اور عظمت لیے ہوئے کلامِ الٰہی کی آواز پڑی تو انہیں کچھ ہوش نہ رہا۔ سب کے سب گوش بر آواز ہو گئے کسی کے دل میں کوئی اور خیال ہی نہ آیا۔ یہاں تک کہ جب آپؐ نے سورہ کے اواخر میں دل ہلا دینے والی آیات تلاوت فرما کر اللہ کا یہ حکم سنایا کہ:

فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ۝ (۵۳:۶۲)

"اللہ کے لیے سجدہ کرو اور اس کی عبادت کرو"

اور اس کے ساتھ ہی سجدہ فرمایا تو کسی کو اپنے آپ پر قابو نہ رہا اور سب کے سب سجدے میں گر پڑے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس موقع پر حق کی رعنائی و جلال نے متکبرین و مُستہزئین کی ہٹ دھرمی کا پردہ چاک کر دیا تھا اس لیے انہیں اپنے آپ پر قابو نہ رہ گیا تھا اور وہ بے اختیار سجدے میں گر پڑے تھے۔[۴۶]

بعد میں جب انہیں احساس ہوا کہ کلامِ الٰہی کے جلال نے ان کی لگام موڑ دی۔ اور وہ ٹھیک وہی کام کر بیٹھے جسے مٹانے اور ختم کرنے کے لیے انہوں نے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگا رکھا

---

۴۵ رحمۃ للعالمین ۱/۶۱، زاد المعاد ۱/۲۴

۴۶ صحیح بخاری میں اس سجدے کا واقعہ ابنِ مسعود اور ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مختصراً مروی ہے۔ (باقی اگلے صفحہ ملاحظہ فرمائیں)

تھا اور اس کے ساتھ ہی اس واقعے میں غیر موجود مشرکین نے ان پر ہر طرف سے عتاب اور ملامت کی بوچھاڑ شروع کی تو ان کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے اور انہوں نے اپنی جان چھڑانے کے لیے رسُول اللہ ﷺ پر یہ افترا پردازی کی اور یہ جھوٹ گھڑا کہ آپؐ نے ان کے بتوں کا ذکر عزّت و احترام سے کرتے ہُوئے یہ کہا تھا کہ:

تِلْكَ الْغَرَانِيقُ الْعُلٰى، وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى

"یہ بلند پایہ دیویاں ہیں۔ اور ان کی شفاعت کی اُمید کی جاتی ہے۔"

حالانکہ یہ صریح جھوٹ تھا جو محض اس لیے گھڑ لیا گیا تھا تاکہ نبی ﷺ کے ساتھ سجدہ کرنے کی جو "غلطی" ہو گئی ہے اس کے لیے ایک "معقول" عذر پیش کیا جا سکے۔ اور ظاہر ہے کہ جو لوگ نبی ﷺ پر ہمیشہ جھُوٹ گھڑتے اور آپؐ کے خلاف ہمیشہ دسیسہ کاری اور افترا پردازی کرتے رہے تھے وہ اپنا دامن بچانے کے لیے اس طرح کا جھوٹ کیوں نہ گھڑتے۔[۴۳]

بہر حال مشرکین کے سجدہ کرنے کے اس واقعے کی خبر حبشہ کے مہاجرین کو بھی معلوم ہُوئی لیکن اپنی اصل صورت سے بالکل ہٹ کر یعنی انہیں یہ معلوم ہوا کہ قریش مسلمان ہو گئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ماہِ شوّال میں مکّہ واپسی کی راہ لی لیکن جب اتنے قریب آ گئے کہ مکہ ایک دن سے بھی کم فاصلے پر رہ گیا تو حقیقت حال آشکارا ہوئی۔ اس کے بعد کچھ لوگ تو سیدھے حبشہ پلٹ گئے اور کچھ لوگ چھپ چھپا کر یا قریش کے کسی آدمی کی پناہ لیکر مکّے میں داخل ہُوئے۔[۴۴]

دوسری ہجرت حبشہ

اس کے بعد ان مہاجرین پر خصوصاً اور مسلمانوں پر عموماً قریش کا ظلم و تشدد اور جور و ستم اور بڑھ گیا اور ان کے خاندان والوں نے انہیں خوب ستایا کیونکہ قریش کو ان کے ساتھ نجاشی کے حسنِ سلوک کی جو خبر ملی تھی اس پر وہ نہایت چیں بہ جبیں تھے۔ ناچار رسُول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو پھر ہجرتِ حبشہ کا مشورہ دیا، لیکن یہ دوسری ہجرت پہلی ہجرت کے بالمقابل اپنے دامن میں زیادہ مشکلات لیے ہُوئے تھی۔ کیونکہ اب کی بار قریش پہلے سے ہی چوکنا تھے اور ایسی کسی کوشش کو ناکام بنانے کا تہیہ کیے ہوئے تھے۔ لیکن مسلمان ان سے کہیں زیادہ مستعد ثابت ہُوئے اور اللہ نے ان کے لیے سفر آسان بنا دیا چنانچہ وہ قریش کی گرفت میں آنے سے پہلے ہی شاہ حبش کے پاس پہنچ گئے۔

(گذشتہ سے پیوستہ) دیکھئے باب سجدۃ النجم اور باب سجود المسلمین والمشرکین ۱/۱۴۶ اور باب ما لقی النبی ﷺ واصحابہ بمکۃ ۱/۵۴۳

[۴۳] محققین نے اس روایت کے تمام طُرق کے تحلیل و تجزیے کے بعد یہی نتیجہ اخذ کیا ہے۔

[۴۴] زاد المعاد ۱/۲۴، ۲/۴۴، ابن ہشام ۱/۳۶۴۔

اس دفعہ کل ۸۲ یا ۸۳ مردوں نے ہجرت کی (حضرت عمار کی ہجرت مختلف فیہ ہے) اور اٹھارہ یا انیس عورتوں نے[49] علامہ منصور پوری نے یقین کے ساتھ عورتوں کی تعداد اٹھارہ لکھی ہے[50]

مہاجرینِ حبشہ کے خلاف قریش کی سازش

مشرکین کو سخت قلق تھا کہ مسلمان اپنی جان اور اپنا دین بچا کر ایک پُرامن جگہ بھاگ گئے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ کو جو گہری سُوجھ بُوجھ کے مالک تھے اور ابھی مسلمان نہیں ہُوئے تھے ایک اہم سفارتی مہم کے لیے منتخب کیا اور ان دونوں کو نجاشی اور بطریقوں کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے بہترین تحفے اور ہدیے دے کر حبش روانہ کیا۔ ان دونوں نے پہلے حبش پہنچ کر بطریقوں کو تحائف پیش کئے۔ پھر انہیں اپنے ان دلائل سے آگاہ کیا جن کی بنیاد پہ وہ مسلمانوں کو حبش سے نکلوانا چاہتے تھے۔ جب بطریقوں نے اس بات سے اتفاق کر لیا کہ وہ نجاشی کو مسلمانوں کے نکال دینے کا مشورہ دیں گے تو یہ دونوں نجاشی کے حضور حاضر ہُوئے اور تحفے تحائف پیش کر کے اپنا مدعا یوں عرض کیا:

"اے بادشاہ! آپ کے ملک میں ہمارے کچھ ناسمجھ نوجوان بھاگ آئے ہیں۔ انہوں نے اپنی قوم کا دین چھوڑ دیا ہے لیکن آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہُوئے ہیں بلکہ ایک نیا دین ایجاد کیا ہے جسے نہ ہم جانتے ہیں نہ آپ۔ ہمیں آپکی خدمت میں انہی کی بابت ان کے والدین چچاؤں اور کنبے قبیلے کے عمائدین نے بھیجا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ آپ انہیں ان کے پاس واپس بھیجدیں کیونکہ وہ لوگ ان پر کڑی نگاہ رکھتے ہیں اور ان کی خامی اور عتاب کے اسباب کو بہتر طور پر سمجھتے ہیں۔" جب یہ دونوں اپنا مدعا عرض کر چکے تو بطریقوں نے کہا:

"بادشاہ سلامت! یہ دونوں ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں۔ آپ ان جوانوں کو ان دونوں کے حوالے کر دیں۔ یہ دونوں انہیں ان کی قوم اور ان کے ملک میں واپس پہنچا دیں گے۔"

لیکن نجاشی نے سوچا کہ اس قضیے کو گہرائی سے کھنگالنا اور اس کے تمام پہلوؤں کو سننا ضروری ہے۔ چنانچہ اس نے مسلمانوں کو بلا بھیجا۔ مسلمان یہ تہیّہ کر کے اس کے دربار میں آئے کہ ہم سچ ہی بولیں گے خواہ نتیجہ کچھ بھی ہو۔ جب مسلمان آگئے تو نجاشی نے پوچھا "یہ کونسا دین ہے جس کی بنیاد پر تم نے اپنی قوم سے علیحدگی اختیار کر لی ہے، لیکن میرے دین میں بھی داخل نہیں ہوتے ہو۔ اور نہ ان ملتوں ہی میں سے کسی کے دین میں داخل ہوتے ہو؟"

مسلمانوں کے ترجمان حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا: "اے بادشاہ! ہم ایسی

---

[49] زاد المعاد ۱/۲۴ رحمۃ للعالمین ۱/۶۱ [50] ایضاً رحمۃ للعالمین۔

قوم تھے جو جاہلیت میں مبتلا تھی۔ ہم بُت پوجتے تھے، مُردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے۔ قرابتداروں سے تعلق توڑتے تھے، ہمسایوں سے بدسلوکی کرتے تھے اور ہم میں سے طاقتور کمزور کو کھا رہا تھا۔ ہم اسی حالت میں تھے کہ اللہ نے ہم ہی میں سے ایک رسول بھیجا اس کی عالی نسبی، سچائی، امانت اور پاکدامنی ہمیں پہلے سے معلوم تھی۔ اس نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا اور سمجھایا کہ ہم صرف ایک اللہ کو مانیں اور اسی کی عبادت کریں اور اس کے سوا جن پتھروں اور بُتوں کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے، انہیں چھوڑ دیں۔ اس نے ہمیں سچ بولنے، امانت ادا کرنے، قرابت جوڑنے، پڑوسی سے اچھا سلوک کرنے اور حرام کاری و خونریزی سے باز رہنے کا حکم دیا۔ اور فواحش میں ملوث ہونے، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال کھانے اور پاکدامن عورتوں پر جھوٹی تہمت لگانے سے منع کیا۔ اس نے ہمیں یہ بھی حکم دیا کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اس نے ہمیں نماز، روزہ اور زکوٰۃ کا حکم دیا" —— اسی طرح حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اسلام کے کام گنائے، پھر کہا:

"ہم نے اس پیغمبر کو سچا مانا، اس پر ایمان لائے، اور اس کے لائے ہوئے دینِ خداوندی میں اس کی پیروی کی۔ چنانچہ ہم نے صرف اللہ کی عبادت کی، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا اور جن باتوں کو اس پیغمبرؐ نے حرام بتایا انہیں حرام مانا، اور جن کو حلال بتایا انہیں حلال جانا۔ اس پر ہماری قوم ہم سے بگڑ گئی۔ اس نے ہم پر ظلم و ستم کیا اور ہمیں ہمارے دین سے پھیرنے کے لیے فتنے اور سزاؤں سے دوچار کیا تاکہ ہم اللہ کی عبادت چھوڑ کر بُت پرستی کی طرف پلٹ جائیں۔ اور جن گندی چیزوں کو حلال سمجھتے تھے انہیں پھر حلال سمجھنے لگیں۔ جب انہوں نے ہم پر بہت قہر و ظلم کیا، زمین تنگ کر دی اور ہمارے درمیان اور ہمارے دین کے درمیان روک بن کر کھڑے ہو گئے تو ہم نے آپ کے ملک کی راہ لی۔ اور دوسروں پر آپ کو ترجیح دیتے ہوئے آپ کی پناہ میں رہنا پسند کیا۔ اور یہ امید کی کہ اے بادشاہ! آپ کے پاس ہم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔"

نجاشی نے کہا: "وہ پیغمبر جو کچھ لائے ہیں اس میں سے کچھ تمہارے پاس ہے؟"

حضرت جعفرؓ نے کہا: "ہاں!"

نجاشی نے کہا: "ذرا مجھے بھی پڑھ کر سناؤ۔"

حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کی ابتدائی آیات تلاوت فرمائیں۔ نجاشی اس قدر رویا کہ اس کی داڑھی تر ہوگئی۔ نجاشی کے تمام اسقف بھی حضرت جعفرؓ کی تلاوت سن کر اس قدر روئے کہ ان کے صحیفے تر ہوگئے۔ پھر نجاشی نے کہا کہ یہ کلام اور وہ کلام جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے۔ دونوں ایک ہی شمع دان سے نکلے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد نجاشی نے عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ کو مخاطب کر کے کہا کہ تم دونوں چلے جاؤ۔ میں ان لوگوں کو تمہارے حوالے نہیں کر سکتا اور نہ یہاں ان کے خلاف کوئی چال چلی جا سکتی ہے۔

اس حکم پر وہ دونوں وہاں سے نکل گئے۔ لیکن پھر عمرو بن عاص نے عبداللہ بن ربیعہ سے کہا: "خدا کی قسم! کل ان کے متعلق ایسی بات لاؤں گا کہ ان کی ہریالی کی جڑ کاٹ کر رکھ دوں گا۔" عبداللہ بن ربیعہ نے کہا: "نہیں۔ ایسا نہ کرنا۔ ان لوگوں نے اگرچہ ہمارے خلاف کیا ہے۔ لیکن ہیں بہرحال ہمارے اپنے ہی کنبے قبیلے کے لوگ"۔ مگر عمرو بن عاص اپنی رائے پر اڑے رہے۔

اگلا دن آیا تو عمرو بن عاص نے نجاشی سے کہا: "اے بادشاہ! یہ لوگ عیسیٰ بن مریمؑ کے بارے میں ایک بڑی بات کہتے ہیں"۔ اس پر نجاشی نے مسلمانوں کو پھر بلا بھیجا۔ وہ پوچھنا چاہتا تھا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بارے میں مسلمان کیا کہتے ہیں۔ اس دفعہ مسلمانوں کو گھبراہٹ ہوئی۔ لیکن انہوں نے طے کیا کہ سچ ہی بولیں گے۔ نتیجہ خواہ کچھ بھی ہو۔ چنانچہ جب مسلمان نجاشی کے دربار میں حاضر ہوئے اور اس نے سوال کیا تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"ہم عیسٰی علیہ السلام کے بارے میں وہی بات کہتے ہیں جو ہمارے نبی ﷺ لے کر آئے ہیں۔ یعنی حضرت عیسٰیؑ اللہ کے بندے، اس کے رسول، اس کی روح اور اس کا وہ کلمہ ہیں جسے اللہ نے کنواری پاکدامن حضرت مریم علیہا السلام کی طرف القا کیا تھا۔"

اس پر نجاشی نے زمین سے ایک تنکہ اٹھایا اور بولا: "خدا کی قسم! جو کچھ تم نے کہا ہے حضرت عیسٰی علیہ السلام اس سے اس تنکے کے برابر بھی بڑھ کر نہ تھے"۔ اس پر بطریقوں نے "ہونہہ" کی آواز لگائی۔ نجاشی نے کہا! اگرچہ تم لوگ "ہونہہ" کہو۔

اس کے بعد نجاشی نے مسلمانوں سے کہا: "جاؤ! تم لوگ میرے قلمرو میں امن و امان سے ہو۔ جو تمہیں گالی دے گا اس پر تاوان لگایا جائے گا۔ مجھے گوارا نہیں کہ تم میں سے میں کسی آدمی کو

سناؤں اور اس کے بدلے مجھے سونے کا پہاڑ مل جائے۔"

اس کے بعد اس نے اپنے حاشیہ نشینوں سے مخاطب ہو کر کہا: "ان دونوں کو ان کے ہدیے واپس کر دو۔ مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ نے جب مجھے میرا ملک واپس کیا تھا تو مجھ سے کوئی رشوت نہیں لی تھی کہ میں اس کی راہ میں رشوت لوں۔ نیز اللہ نے میرے بارے میں لوگوں کی بات قبول نہ کی تھی کہ میں اللہ کے بارے میں لوگوں کی بات مانوں۔"

حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا جنہوں نے اس واقعے کو بیان کیا ہے، کہتی ہیں اس کے بعد وہ دونوں اپنے ہدیے تحفے لیے بے آبرو ہو کر واپس چلے گئے۔ اور ہم نجاشی کے پاس ایک اچھے ملک میں ایک اچھے پڑوسی کے زیرِ سایہ مقیم رہے۔ [۵۱]

یہ ابنِ اسحاق کی روایت ہے۔ دوسرے سیرت نگاروں کا بیان ہے کہ نجاشی کے دربار میں حضرت عمرو بن عاصؓ کی حاضری جنگِ بدر کے بعد ہوئی تھی۔ بعض لوگوں نے تطبیق کی یہ صورت بیان کی ہے کہ حضرت عمرو بن عاصؓ نجاشی کے دربار میں مسلمانوں کی واپسی کے لیے دو مرتبہ گئے تھے، لیکن جنگ بدر کے بعد کی حاضری کے ضمن میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور نجاشی کے درمیان سوال و جواب کی جو تفصیلات بیان کی جاتی ہیں وہ تقریباً وہی ہیں جو ابنِ اسحاق نے ہجرتِ حبشہ کے بعد کی حاضری کے سلسلے میں بیان کی ہیں۔ پھر ان سوالات کے مضامین سے واضح ہوتا ہے کہ نجاشی کے پاس یہ معاملہ ابھی پہلی بار پیش ہوا تھا، اس لیے ترجیح اس بات کو حاصل ہے کہ مسلمانوں کو واپس لانے کی کوشش صرف ایک بار ہوئی تھی۔ اور وہ ہجرتِ حبشہ کے بعد تھی۔

بہرحال مشرکین کی چال ناکام ہو گئی اور ان کی سمجھ میں آ گیا کہ وہ اپنے جذبۂ عداوت کو اپنے دائرۂ اختیار ہی میں آسودہ کر سکتے ہیں، لیکن اس کے نتیجے میں انہوں نے ایک خوفناک بات سوچنی شروع کر دی۔ درحقیقت انہیں اچھی طرح احساس ہو گیا تھا کہ اس "مصیبت" سے نمٹنے کے لیے اب ان کے سامنے دو ہی راستے رہ گئے ہیں، یا تو رسول اللہ ﷺ کو تبلیغ سے بزورِ طاقت روک دیں یا پھر آپؐ کے وجود ہی کا صفایا کر دیں۔ لیکن دوسری صورت حد درجہ مشکل تھی کیونکہ ابو طالب آپؐ کے محافظ تھے اور مشرکین کے عزائم کے سامنے

---

[۵۱] ابنِ ہشام ملخصاً ۱/۳۳۴ تا ۳۳۸

آہنی دیوار بنے ہوئے تھے۔ اس لیے یہی مفید سمجھا گیا کہ ابوطالب سے دو دو باتیں ہو جائیں۔

ابوطالب کو قریش کی دھمکی

اس تجویز کے بعد سردارانِ قریش ابوطالب کے پاس حاضر ہوئے اور بولے: "ابوطالب! آپ ہمارے اندر سن و شرف اور اعزاز کے مالک ہیں۔ ہم نے آپ سے گذارش کی کہ اپنے بھتیجے کو روکیے۔ لیکن آپ نے نہیں روکا۔ آپ یاد رکھیں ہم اسے برداشت نہیں کر سکتے کہ ہمارے آباؤ اجداد کو گالیاں دی جائیں، ہماری عقل و فہم کو حماقت زدہ قرار دیا جائے اور ہمارے خداؤں کی عیب چینی کی جائے۔ آپ روک دیجیے ورنہ ہم آپ سے اور اُن سے ایسی جنگ چھیڑ دیں گے کہ ایک فریق کا صفایا ہو کر رہے گا۔"

ابوطالب پر اس زوردار دھمکی کا بہت زیادہ اثر ہوا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو بلا کر کہا: "بھتیجے! تمہاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے تھے اور ایسی ایسی باتیں کہہ گئے ہیں۔ اب مجھ پر اور خود اپنے آپ پر رحم کرو اور اس معاملے میں مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جو میرے بس سے باہر ہے۔"

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے سمجھا کہ اب آپؐ کے چچا بھی آپؐ کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ اور وہ بھی آپؐ کی مدد سے کمزور پڑ گئے ہیں۔ اس لیے فرمایا: "چچا جان! خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں کہ میں اس کام کو اس حد تک پہنچائے بغیر چھوڑ دوں کہ یا تو اللہ اسے غالب کر دے یا مَیں اسی راہ میں فنا ہو جاؤں تو نہیں چھوڑ سکتا۔"

اس کے بعد آپ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ آپؐ رو پڑے اور اُٹھ گئے۔ جب واپس ہونے لگے تو ابوطالب نے پکارا اور سامنے تشریف لائے تو کہا: "بھتیجے! جاؤ جو چاہو کہو، خدا کی قسم میں تمہیں کبھی بھی کسی بھی وجہ سے چھوڑ نہیں سکتا۔"[۵۲] اور یہ اشعار کہے:[۵۳]

وَاللّٰهِ لَنْ يَّصِلُوْا اِلَيْكَ بِجَمْعِهِمْ ۔۔۔ حَتّٰى اُوَسَّدَ فِى التُّرَابِ دَفِيْنَا

فَاصْدَعْ بِاَمْرِكَ مَا عَلَيْكَ غَضَاضَةٌ ۔۔۔ وَابْشِرْ وَقَرَّ بِذَاكَ مِنْكَ عُيُوْنَا

"بخدا وہ لوگ تمہارے پاس اپنی جمعیت سمیت بھی ہرگز نہیں پہنچ سکتے۔ یہاں تک کہ میں

---

۵۲ ابن ہشام ۱/ ۲۶۵، ۲۶۶ ۵۳ مختصر السیرہ شیخ محمد بن عبدالوہاب ص ۶۸

مٹی میں دفن کر دیا جاؤں۔ تم اپنی بات کھلم کھلا کہو۔ تم پر کوئی قدغن نہیں، تم خوش ہو جاؤ اور تمہاری آنکھیں اس سے ٹھنڈی ہو جائیں۔"

قریش ایک بار پھر ابوطالب کے سامنے

پچھلی دھمکی کے باوجود جب قریش نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنا کام کیے جا رہے ہیں تو ان کی سمجھ میں آ گیا کہ ابوطالب رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ نہیں سکتے، بلکہ اس بارے میں قریش سے جدا ہونے اور ان کی عداوت مول لینے کو تیار ہیں چنانچہ وہ لوگ ولید بن مغیرہ کے لڑکے عُمارہ کو ہمراہ لے کر ابوطالب کے پاس پہنچے اور ان سے یوں عرض کیا:

"اے ابوطالب! یہ قریش کا سب سے بانکا اور خوبصورت نوجوان ہے۔ آپ اسے لے لیں۔ اس کی دیت اور نصرت کے آپ حقدار ہوں گے۔ آپ اسے اپنا لڑکا بنا لیں۔ یہ آپ کا ہو گا اور آپ اپنے اس بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دیں جس نے آپ کے آباء و اجداد کے دین کی مخالفت کی ہے، آپ کی قوم کا شیرازہ منتشر کر رکھا ہے اور ان کی عقلوں کو حماقت سے دوچار بتلایا ہے۔ ہم اسے قتل کریں گے۔ بس یہ ایک آدمی کے بدلے ایک آدمی کا حساب ہے۔"

ابوطالب نے کہا: "خدا کی قسم! کتنا بُرا سودا ہے جو تم لوگ مجھ سے کر رہے ہو! تم اپنا بیٹا مجھے دیتے ہو کہ میں اسے کھلاؤں پلاؤں۔ پالوں پوسوں اور میرا بیٹا مجھ سے طلب کرتے ہو کہ اسے قتل کر دو۔ خدا کی قسم! یہ نہیں ہو سکتا۔"

اس پر نَوفل بن عبدِ مَناف کا پوتا مُطعِم بن عَدِی بولا: "خدا کی قسم! اے ابوطالب! تم سے تمہاری قوم نے انصاف کی بات کہی ہے۔ اور جو صورت تمہیں ناگوار ہے اس سے بچنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم ان کی کسی بات کو قبول نہیں کرنا چاہتے۔"

جواب میں ابوطالب نے کہا: "بخدا تم لوگوں نے مجھ سے انصاف کی بات نہیں کی ہے بلکہ تم بھی میرا ساتھ چھوڑ کر میرے مخالف لوگوں کی مدد پر تُلے بیٹھے ہو تو ٹھیک ہے جو چاہو کرو۔"[۵۴]

سیرت کے مآخذ میں پچھلی دونوں گفتگو کے زمانے کی تعیین نہیں ملتی لیکن قرائن و شواہد

---

[۵۴] ابنِ ہشام ۱/ ۲۶۶، ۲۶۷

سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں گفتگوئیں ۶ سنہ نبوی کے وسط میں ہوئی تھیں اور دونوں کے درمیان فاصلہ مختصر ہی تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی تجویز

ان دونوں گفتگوؤں کی ناکامی کے بعد قریش کا جذبہ جور وستم اور بھی بڑھ گیا اور ایذا رسانی کا سلسلہ پہلے سے فزوں تر اور سخت تر ہوگیا۔ ان ہی دنوں قریش کے سرکشوں کے دماغ میں نبی ﷺ کے خاتمے کی ایک تجویز اُبھری لیکن یہی تجویز اور یہی سختیاں مکہ کے جانبازوں میں سے دو نادرۂ روزگار سرفروشوں، یعنی حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے اور ان کے ذریعے اسلام کو تقویت پہنچانے کا سبب بن گئیں۔

جور وجفا کے سلسلۂ دراز کے ایک دو نمونے یہ ہیں کہ ایک روز ابو لہب کا بیٹا عُتَیْبَہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور بولا: "میں وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ اور ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ کے ساتھ کفر کرتا ہوں"۔ اس کے بعد وہ آپؐ پر ایذا رسانی کے ساتھ مسلط ہوگیا۔ آپؐ کا کرتا پھاڑ دیا اور آپؐ کے چہرے پر تھوک دیا۔ اگرچہ تھوک آپؐ پر نہ پڑا۔ اسی موقع پر نبی ﷺ نے بددعا کی کہ اے اللہ اس پر اپنے کتوں میں سے کوئی کتا مسلط کر دے۔ نبی ﷺ کی یہ بددُعا قبول ہوئی۔ چنانچہ عُتَیْبَہ ایک بار قریش کے کچھ لوگوں کے ہمراہ سفر میں گیا۔ جب انہوں نے ملک شام کے مقام زَرْقاء میں پڑاؤ ڈالا تو رات کے وقت شیر نے ان کا چکر لگایا۔ عُتَیْبَہ نے دیکھتے ہی کہا: "ہائے میری تباہی! یہ خدا کی قسم مجھے کھا جائے گا۔ جیسا کہ محمد ﷺ نے مجھ پر بددُعا کی ہے۔ دیکھو میں شام میں ہوں۔ لیکن اس نے مکہ میں رہتے ہوئے مجھے مار ڈالا"۔ احتیاطاً لوگوں نے عُتَیْبَہ کو اپنے اور جانوروں کے گھیرے کے بیچوں بیچ سلایا۔ لیکن رات کو شیر سب کو پھلانگتا ہوا سیدھا عُتَیْبَہ کے پاس پہنچا۔ اور سر پکڑ کر ذبح کر ڈالا۔[۵۵]

ایک بار عُقبہ بن ابی مُعَیط نے رسول اللہ ﷺ کی گردن حالت سجدہ میں اس زور سے روندی کہ معلوم ہوتا تھا دونوں آنکھیں نکل آئیں گی۔[۵۶]

ابن اسحاق کی ایک طویل روایت سے بھی قریش کے سرکشوں کے اس ارادے پر

---

۵۵ مختصر السیرۃ شیخ عبد اللہ ص ۱۳۵، استیعاب، اصابہ، دلائل النبوۃ، الروض الانف

۵۶ ایضاً مختصر السیرہ ص ۱۱۳

روشنی پڑتی ہے کہ وہ نبی ﷺ کے خاتمے کے چکر میں تھے، چنانچہ اس روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک بار ابوجہل نے کہا:

"برادرانِ قریش! آپ دیکھتے ہیں کہ محمد ﷺ ہمارے دین کی عیب چینی ہمارے آباء و اجداد کی بدگوئی، ہماری عقلوں کی تخفیف اور ہمارے معبودوں کی تذلیل سے باز نہیں آتا۔ اس لیے میں اللہ سے عہد کر رہا ہوں کہ ایک بہت بھاری اور بمشکل اٹھنے والا پتھر لے کر بیٹھوں گا اور جب وہ سجدہ کرے گا تو اسی پتھر سے اس کا سر کچل دوں گا۔ اب اس کے بعد چاہے تم لوگ مجھ کو بے یار و مددگار چھوڑ دو، چاہے میری حفاظت کرو۔ اور بنو عبدِ مناف بھی اس کے بعد جو جی چاہے کریں"۔ لوگوں نے کہا: "نہیں واللہ ہم تمہیں کبھی کسی معاملے میں بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتے۔ تم جو کرنا چاہتے ہو کر گزرو۔"

صبح ہوئی تو ابوجہل ویسا ہی ایک پتھر لے کر رسول اللہ ﷺ کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ رسول اللہ ﷺ حسبِ دستور تشریف لائے اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ قریش بھی اپنی اپنی مجلسوں میں آچکے تھے۔ اور ابوجہل کی کارروائی دیکھنے کے منتظر تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ سجدے میں تشریف لے گئے تو ابوجہل نے پتھر اٹھایا۔ پھر آپؐ کی جانب بڑھا۔ لیکن جب قریب پہنچا تو شکست خوردہ حالت میں واپس بھاگا۔ اس کا رنگ فق تھا اور وہ اس قدر مرعوب تھا کہ اس کے دونوں ہاتھ پتھر پر چپک کر رہ گئے تھے۔ وہ بمشکل ہاتھ سے پتھر پھینک سکا۔ ادھر قریش کے کچھ لوگ اٹھ کر اس کے پاس آئے اور کہنے لگے: "ابوالحکم! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟"۔ اس نے کہا: "میں نے رات جو بات کہی تھی وہی کرنے جا رہا تھا لیکن جب اس کے قریب پہنچا تو ایک اونٹ آڑے آگیا۔ بخدا میں نے کبھی کسی اونٹ کی ویسی کھوپڑی ویسی گردن اور ویسے دانت دیکھے ہی نہیں۔ وہ مجھے کھا جانا چاہتا تھا۔"

ابنِ اسحاق کہتے ہیں: "مجھے بتایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یہ جبریل علیہ السلام تھے۔ اگر ابوجہل قریب آتا تو اسے دھر پکڑتے۔"[۵۵]

اس کے بعد ابوجہل نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف ایک ایسی حرکت کی جو حضرت

---

۵۵ ابنِ ہشام ۱/ ۲۹۸، ۲۹۹

حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا سبب بن گئی۔ تفصیل آرہی ہے۔

جہاں تک قریش کے دوسرے بدمعاشوں کا تعلق ہے تو ان کے دلوں میں بھی نبی ﷺ کے خاتمے کا خیال برابر پک رہا تھا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے ابنِ اسحاق نے ان کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ ایک بار مشرکین حطیم میں جمع تھے۔ میں بھی موجود تھا۔ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کا ذکر چھیڑا اور کہنے لگے "اس شخص کے معاملے میں ہم نے جیسا صبر کیا ہے اس کی مثال نہیں۔ درحقیقت ہم نے اس کے معاملے میں بہت ہی بڑی بات پر صبر کیا ہے"۔ یہ گفتگو چل ہی رہی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نمودار ہوگئے۔ آپؐ نے تشریف لاکر پہلے حجرِ اسود کو چُوما پھر طواف کرتے ہوئے مشرکین کے پاس سے گذرے۔ انھوں نے کچھ کہہ کر طعنہ زنی کی جس کا اثر میں نے آپؐ کے چہرے پر دیکھا۔ اس کے بعد جب دوبارہ آپؐ کا گذر ہُوا تو مشرکین نے پھر اسی طرح کی لعن طعن کی۔ میں نے اس کا بھی اثر آپؐ کے چہرے پر دیکھا۔ اس کے بعد آپؐ سہ بارہ گذرے تو مشرکین نے پھر آپؐ پر لعن طعن کی۔ اب کی بار آپؐ ٹھہر گئے اور فرمایا:

"قریش کے لوگو! سُن رہے ہو؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تمہارے پاس (تمہارے) قتل و ذبح (کا حکم) لے کر آیا ہوں"۔

آپؐ کے اس ارشاد نے لوگوں کو پکڑ لیا۔ (ان پر ایسا سکتہ طاری ہُوا کہ) گویا ہر آدمی کے سر پر چڑیا ہے۔ یہاں تک کہ جو آپؐ پر سب سے زیادہ سخت تھا وہ بھی بہتر سے بہتر لفظ جو پا سکتا تھا اس کے ذریعے آپؐ سے طلب گارِ رحمت ہوتے ہوئے کہنے لگا کہ "ابوالقاسم! واپس جائیے۔ خدا کی قسم! آپؐ کبھی بھی نادان نہ تھے"۔

دوسرے دن قریش پھر اسی طرح جمع ہو کر آپؐ کا ذکر کر رہے تھے کہ آپؐ نمودار ہوئے۔ دیکھتے ہی سب (یکجان ہو کر) ایک آدمی کی طرح آپؐ پر پل پڑے اور آپؐ کو گھیر لیا۔ پھر میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس نے گلے کے پاس سے آپؐ کی چادر پکڑ لی۔ (اور بل دینے لگا۔) ابوبکرؓ آپؐ کے بچاؤ میں لگ گئے۔ وہ روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے:

"اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلاً اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ؟ کیا تم لوگ ایک آدمی کو اس لیے قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے؟" اس کے بعد وہ لوگ آپؐ کو چھوڑ کر پلٹ گئے۔ عبداللہ

بن عمرو بن عاصؓ کہتے ہیں کہ یہ سب سے سخت ترین ایذا رسانی تھی جو میں نے قریش کو کبھی کرتے ہوئے دیکھی۔[58] انتہی ملخصا

صحیح بخاری میں حضرت عُروہ بن زُبیر رضی اللہ عنہ سے ان کا بیان مروی ہے کہ میں نے عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ مشرکین نے نبی ﷺ کے ساتھ جو سب سے سخت ترین بد سلوکی کی تھی آپ مجھے اس کی تفصیل بتایئے؟ — انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ خانہ کعبہ کے پاس حطیم میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عُقبہ بن ابی مُعیط آگیا۔ اُس نے آتے ہی اپنا کپڑا آپؐ کی گردن میں ڈال کر نہایت سختی کے ساتھ آپؐ کا گلا گھونٹا۔ اتنے میں ابو بکرؓ آپہنچے۔ اور انہوں نے اس کے دونوں کندھے پکڑ کر دھکا دیا اور اسے نبی ﷺ سے دُور کرتے ہوئے فرمایا "اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰہُ" تم لوگ ایک آدمی کو اس لیے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے؟"[59]

حضرت اسماءؓ کی روایت میں مزید تفصیل ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے پاس یہ چیخ پہنچی کہ اپنے ساتھی کو بچاؤ۔ وہ جھٹ ہمارے پاس سے نکلے۔ ان کے سر پر چار چوٹیاں تھیں۔ وہ یہ کہتے ہوئے گئے کہ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰہُ؟ تم لوگ ایک آدمی کو محض اس لیے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔ مشرکین نبی ﷺ کو چھوڑ کر ابو بکرؓ پر پل پڑے۔ وہ واپس آئے تو حالت یہ تھی کہ ہم ان کی چوٹیوں کا جو بال بھی چھوتے تھے، وہ ہماری (چٹکی) کے ساتھ چلا آتا تھا۔[60]

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

مکہ کی فضا ظلم و جور کے ان سیاہ بادلوں سے گھمبیر تھی کہ اچانک ایک بجلی چمکی اور مقہوروں کا راستہ روشن ہوگیا، یعنی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہوگئے۔ ان کے اسلام لانے کا واقعہ ۶ نبوی کے اخیر کا ہے۔ اور اغلب یہ ہے کہ وہ ماہ ذی الحجہ میں مسلمان ہوئے تھے ان کے اسلام لانے کا سبب یہ ہے کہ ایک روز ابو جہل کوہ صفا کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گذرا تو آپؐ کو ایذا پہنچائی اور سخت سُست کہا۔ رسول اللہ ﷺ

---

[58] ابن ہشام ۱/ ۲۸۹، ۲۹۰ [59] صحیح بخاری باب ذکر مالقی النبی ﷺ من المشرکین بمکۃ ۱/ ۵۴۴ [60] مختصر السیرہ شیخ عبد اللہ ص ۱۱۳

خاموش رہے، اور کچھ بھی نہ کہا لیکن اس کے بعد اس نے آپؐ کے سر پر ایک پتھر دے مارا، جس سے ایسی چوٹ آئی کہ خون بہ نکلا۔ پھر وہ خانۂ کعبہ کے پاس قریش کی مجلس میں جا بیٹھا۔ عبد اللہ بن جُدعان کی ایک لونڈی کوہِ صَفا پر واقع اپنے مکان سے یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کمان حمائل کئے شکار سے واپس تشریف لائے تو اس نے ان سے ابوجہل کی ساری حرکت کہہ سنائی۔ حضرت حمزہؓ غصّے سے بھڑک اُٹھے ــــ یہ قریش کے سب سے طاقتور اور مضبوط جوان تھے۔ ماجرا سن کر کہیں ایک لمحہ رُکے بغیر دوڑتے ہوئے اور یہ تہیہ کئے ہوئے آئے کہ جوں ہی ابوجہل کا سامنا ہوگا، اس کی مرمت کر دیں گے۔

چنانچہ مسجد حرام میں داخل ہو کر سیدھے اس کے سر پر جا کھڑے ہوئے اور بولے: "او سرین پر خوشبو لگانے والے بزدل! تو میرے بھتیجے کو گالی دیتا ہے حالانکہ میں بھی اسی کے دین پر ہوں"۔ اس کے بعد کمان سے اس زور کی مار ماری کہ اس کے سر پر بدترین قسم کا زخم آگیا۔ اس پر ابوجہل کے قبیلے بنو مخزوم اور حضرت حمزہؓ کے قبیلے بنو ہاشم کے لوگ ایک دوسرے کے خلاف بھڑک اُٹھے۔ لیکن ابوجہل نے یہ کہہ کر انہیں خاموش کر دیا کہ ابو عمارہ کو جانے دو۔ میں نے واقعی اس کے بھتیجے کو بہت بُری گالی دی تھی۔[61]

ابتداءً حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا اسلام محض اس حمیت کے طور پر تھا کہ ان کے عزیز کی توہین کیوں کی گئی۔ لیکن پھر اللہ نے ان کا سینہ کھول دیا۔ اور انہوں نے اسلام کا کڑا مضبوطی سے تھام لیا[62] اور مسلمانوں نے ان کی وجہ سے بڑی عزت و قوت محسوس کی۔

حضرت عمرؓ کا قبولِ اسلام

ظلم وطغیان کے سیاہ بادلوں کی اسی گمبھیر فضا میں ایک اور برقِ تاباں کا جلوہ نمودار ہوا جس کی چمک پہلے سے زیادہ خیرہ کن تھی، یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے۔ ان کے اسلام لانے کا واقعہ ۶ نبوی کا ہے۔[63] وہ حضرت حمزہؓ کے صرف تین دن بعد مسلمان ہوئے تھے اور نبی ﷺ نے ان کے اسلام لانے کے لیے دُعا کی تھی۔ چنانچہ امام ترمذیؒ نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے اور اسے صحیح بھی قرار دیا ہے۔ اسی طرح طبرانی نے حضرت ابن مسعودؓ

---

[61] مختصر السیرہ شیخ محمد بن عبد الوہابؒ ص ۶۶ رحمۃ للعالمین ۱/۶۸، ابنِ ہشام ۱/۲۹۱، ۲۹۲

[62] اس کا اندازہ مختصر السیرہ شیخ عبد اللہ میں مذکور ایک روایت سے ہوتا ہے۔ دیکھئے ص ۱۰۱

[63] تاریخ عمرؓ بن الخطاب لابن جوزی ص ۱۱

اور حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِاَحَبِّ الرَّجُلَیْنِ اِلَیْکَ بعمر بن الخطاب اَوْ بِاَبِیْ جھل بن ھشام۔

"اے اللہ! عمر بن خطاب اور ابوجہل بن ہشام میں سے جو شخص تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہے اس کے ذریعے سے اسلام کو قوت پہنچا۔"

اللہ نے یہ دعا قبول فرمائی اور حضرت عمرؓ مسلمان ہو گئے۔ اللہ کے نزدیک ان دونوں میں زیادہ محبوب حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔[۶۴]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے متعلق جملہ روایات پر مجموعی نظر ڈالنے سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے دل میں اسلام رفتہ رفتہ جاگزیں ہوا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان روایات کا خلاصہ پیش کرنے سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مزاج اور جذبات و احساسات کی طرف بھی مختصراً اشارہ کر دیا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی تند مزاجی اور سخت خوئی کے لیے مشہور تھے۔ مسلمانوں نے طویل عرصے تک ان کے ہاتھوں طرح طرح کی سختیاں جھیلی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں متضاد قسم کے جذبات باہم دست و گریباں تھے، چنانچہ ایک طرف تو وہ آباء و اجداد کی ایجاد کردہ رسموں کا بڑا احترام کرتے تھے اور بلا نوشی اور لہو و لعب کے دلدادہ تھے لیکن دوسری طرف وہ ایمان و عقیدے کی راہ میں مسلمانوں کی پختگی اور مصائب کے سلسلے میں ان کی قوتِ برداشت کو خوشگوار حیرت و پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ پھر ان کے اندر کسی بھی عقلمند آدمی کی طرح شکوک و شبہات کا ایک سلسلہ تھا جو رہ رہ کر ابھرا کرتا تھا کہ اسلام جس بات کی دعوت دے رہا ہے غالباً وہی زیادہ برتر اور پاکیزہ ہے۔ اسی لیے ان کی کیفیت دم میں ماشہ دم میں تولہ کی سی تھی کہ ابھی بھڑکے اور ابھی ڈھیلے پڑ گئے۔[۶۵]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے متعلق تمام روایات کا خلاصہ مع جمع و تطبیق ــــ یہ ہے کہ ایک دفعہ انہیں گھر سے باہر رات گذارنی پڑی۔ وہ حرم تشریف لائے اور خانۂ کعبہ کے پردے میں گھس گئے۔ اس وقت نبی ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ اور سورہ

---

۶۴ ترمذی ابواب المناقب، مناقب ابی حفص عمر بن الخطاب ۲/۲۰۹

۶۵ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حالات کا یہ تجزیہ شیخ محمد غزالی نے کیا ہے۔ فقہ السیرہ ص ۹۲، ۹۳

الحاقہ کی تلاوت فرما رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قرآن سننے لگے اور اس کی تالیف پر حیرت زدہ رہ گئے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے اپنے جی میں کہا: "خدا کی قسم یہ تو شاعر ہے جیسا کہ قریش کہتے ہیں"۔ لیکن اتنے میں آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۙ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۚ قَلِيلًا مَا تُؤْمِنُونَ ۝ (۶۹: ۴۰/۴۱)

"یہ ایک بزرگ رسول کا قول ہے۔ یہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے۔ تم لوگ کم ہی ایمان لاتے ہو۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے ـــــ اپنے جی میں ـــــ کہا: (او ہو) "یہ تو کاہن ہے"۔ لیکن اتنے میں آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۚ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ ۝ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝ (۶۹: ۴۲/۴۳)

(إلى آخر السورة)

"یہ کسی کاہن کا قول بھی نہیں۔ تم لوگ کم ہی نصیحت قبول کرتے ہو۔ یہ اللہ رب العالمین کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔"

(اخیر سورۃ تک)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس وقت میرے دل میں اسلام جاگزیں ہو گیا۔[۶۶]

یہ پہلا موقع تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں اسلام کا بیج پڑا، لیکن ابھی ان کے اندر جاہلی جذبات، تقلیدی عصبیت اور آباء و اجداد کے دین کی عظمت کے احساس کا چھلکا اتنا مضبوط تھا کہ نہاں خانۂ دل کے اندر مچلنے والی حقیقت کے مغز پر غالب رہا، اس لیے وہ اس چھلکے کی تہ میں چھپے ہوئے شعور کی پروا کیے بغیر اپنے اسلام دشمن عمل میں سرگرداں رہے۔

ان کی طبیعت کی سختی اور رسول اللہ ﷺ سے فرطِ عداوت کا یہ حال تھا کہ ایک روز خود جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا کام تمام کرنے کی نیت سے تلوار لے کر نکل پڑے

---

۶۶ تاریخ عمرؓ بن الخطاب لابن الجوزی ص ۶۔ ابن اسحاق نے عطاء اور مجاہد سے بھی تقریباً یہی بات نقل کی ہے البتہ اس کا آخری ٹکڑا اس سے مختلف ہے۔ دیکھئے سیرۃ ابن ہشام ۱/۳۴۶، ۳۴۸۔ اور خود ابن جوزی نے بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اسی کے قریب قریب روایت نقل کی ہے لیکن اس کا آخری حصہ بھی اس روایت سے مختلف ہے۔ دیکھئے تاریخ عمرؓ بن الخطاب ص ۹-۱۰

لیکن ابھی راستے ہی میں تھے کہ نعیم بن عبداللہ النحام عدوی[۶۷] سے یا بنی زہرہ[۶۸] یا بنی مخزوم[۶۹] کے کسی آدمی سے ملاقات ہوگئی۔ اُس نے تیور دیکھ کر پوچھا "عمر! کہاں کا ارادہ ہے؟" انہوں نے کہا: "محمد ﷺ کو قتل کرنے جارہا ہوں"۔ اس نے کہا: "محمد ﷺ کو قتل کرکے بنو ہاشم اور بنو زہرہ سے کیسے بچ سکو گے؟" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: "معلوم ہوتا ہے تم بھی اپنا پچھلا دین چھوڑ کر بے دین ہو چکے ہو"۔ اس نے کہا: "عمرؓ! ایک عجیب بات نہ بتادوں! تمہاری بہن اور بہنوئی بھی تمہارا دین چھوڑ کر بے دین ہو چکے ہیں"۔ یہ سُن کر عمر غصے سے بے قابو ہوگئے اور سیدھے بہن بہنوئی کا رُخ کیا۔ وہاں انہیں حضرت خبابؓ بن ارتؓ سورہ طٰہٰ پر مشتمل ایک صحیفہ پڑھا رہے تھے اور قرآن پڑھانے کے لیے وہاں آنا جانا حضرت خبابؓ کا معمول تھا۔ جب حضرت خبابؓ نے حضرت عمرؓ کی آہٹ سنی تو گھر کے اندر چھپ گئے۔ ادھر حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہؓ نے صحیفہ چھپا دیا؛ لیکن حضرت عمرؓ گھر کے قریب پہنچ کر حضرت خبابؓ کی قراءت سن چکے تھے؛ چنانچہ پوچھا کہ یہ کیسی دھیمی دھیمی سی آواز تھی جو تم لوگوں کے پاس میں نے سنی تھی؟ انہوں نے کہا "کچھ بھی نہیں۔ بس ہم آپس میں باتیں کر رہے تھے"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: "غالباً تم دونوں بے دین ہو چکے ہو؟" بہنوئی نے کہا: "اچھا عمر! یہ بتاؤ اگر حق تمہارے دین کے بجائے کسی اور دین میں ہو تو؟" حضرت عمرؓ کا اتنا سننا تھا کہ اپنے بہنوئی پر چڑھ بیٹھے اور اُنہیں بُری طرح کچل دیا۔ ان کی بہن نے لپک کر انہیں اپنے شوہر سے الگ کیا تو بہن کو ایسا چانٹا مارا کہ چہرہ خون آلود ہوگیا۔ ابنِ اسحاق کی روایت ہے کہ ان کے سر میں چوٹ آئی۔ بہن نے جوشِ غضب میں کہا: "عمر! اگر تیرے دین کے بجائے دوسرا ہی دین برحق ہو تو؟ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ میں شہادت دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں اور میں شہادت دیتی ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں"۔

یہ سُن کر حضرت عمرؓ پر مایوسی کے بادل چھاگئے اور انہیں اپنی بہن کے چہرے پر خون دیکھ کر شرم و ندامت بھی محسوس ہوئی۔ کہنے لگے "اچھا یہ کتاب جو تمہارے پاس ہے ذرا مجھے بھی پڑھنے کو دو"۔

---

[۶۷] یہ ابنِ اسحاق کی روایت ہے۔ دیکھئے ابنِ ہشام ۱/۳۴۴

[۶۸] یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ دیکھئے تاریخ عمرؓ بن الخطاب لابن الجوزی، ص ۱۰۔ ومختصر السیرۃ از شیخ عبداللہ ص ۱۰۲

[۶۹] یہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ دیکھئے مختصر السیرۃ ایضاً ص ۱۰۲

بہن نے کہا "تم ناپاک ہو۔ اس کتاب کو صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔ اٹھو غسل کرو" حضرت عمرؓ نے اٹھ کر غسل کیا۔ پھر کتاب لی اور بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھی۔ کہنے لگے "یہ تو بڑے پاکیزہ نام ہیں" اس کے بعد طٰہٰ سے اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ○ (۲۰:۱۴-۱) تک قراءت کی۔ کہنے لگے "یہ تو بڑا عمدہ اور بڑا محترم کلام ہے۔ مجھے محمد ﷺ کا پتا بتا دو!"

حضرت خبابؓ حضرت عمرؓ کے یہ فقرے سن کر اندر سے باہر آ گئے۔ کہنے لگے "عمر خوش ہو جاؤ۔ مجھے امید ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعرات کی رات تمہارے متعلق جو دعا کی تھی (کہ اے اللہ! عمرؓ بن خطاب یا ابوجہل بن ہشام کے ذریعے اسلام کو قوت پہنچا) یہ وہی ہے۔ اور اس وقت رسول اللہ ﷺ کوہ صفا کے پاس والے مکان میں تشریف فرما ہیں۔"

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار حمائل کی اور اس گھر کے پاس آ کر دروازے پر دستک دی۔ ایک آدمی نے اُٹھ کر دروازے کی دراز سے جھانکا تو دیکھا کہ عمر تلوار حمائل کئے موجود ہیں۔ لپک کر رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی اور سارے لوگ سمٹ کر یکجا ہو گئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا "کیا بات ہے"؟ لوگوں نے کہا "عمرؓ ہیں" حضرت حمزہؓ نے کہا: بس! عمرؓ ہے دروازہ کھول دو۔ اگر وہ خیر کی نیت سے آیا ہے تو اسے ہم خیر عطا کریں گے۔ اور اگر کوئی بُرا ارادہ لے کر آیا ہے تو ہم اسی کی تلوار سے اُس کا کام تمام کر دیں گے۔" ادھر رسول اللہ ﷺ اندر تشریف فرما تھے۔ آپؐ پر وحی نازل ہو رہی تھی۔ وحی نازل ہو چکی تو حضرت عمرؓ کے پاس تشریف لائے۔ بیٹھک میں ان سے ملاقات ہوئی۔ آپؐ نے انکے کپڑے اور تلوار کا پرتلا سمیٹ کر پکڑا اور سختی سے جھٹکتے ہوئے فرمایا: "عمر! کیا تم اس وقت تک باز نہیں آؤ گے جب تک کہ اللہ تعالےٰ تم پر بھی ویسی ہی ذلّت و رسوائی اور عبرتناک سزا نازل نہ فرما دے جیسی ولید بن مغیرہ پر نازل ہو چکی ہے؟ یا اللہ! یہ عمر بن خطاب ہے۔ یا اللہ! اسلام کو عمر بن خطاب کے ذریعے قوت و عزت عطا فرما"۔ آپؐ کے اس ارشاد کے بعد حضرت عمرؓ نے حلقہ بگوش اسلام ہوتے ہوئے کہا:

أشهد أن لّا إله الّا الله و إنّك رسول الله۔

"مَیں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً اللہ کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں اور یقیناً آپؐ اللہ کے رسُول ہیں۔"

یہ سُن کر گھر کے اندر موجود صحابہؓ نے اس زور سے تکبیر کہی کہ مسجد حرام والوں

سنائی پڑی[۱] معلوم ہے کہ حضرت عمرؓ کی زور آوری کا حال یہ تھا کہ کوئی اُن سے مقابلے کی جرأت نہ کرتا تھا اس لیے ان کے مسلمان ہو جانے سے مُشرکین میں کہرام مچ گیا اور انہیں بڑی ذلّت و رسوائی محسوس ہوئی۔ دوسری طرف ان کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو بڑی عزّت و قوت، شرف و اعزاز اور مسرّت و شادمانی حاصل ہوئی چنانچہ ابنِ اسحاق نے اپنی سند سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان روایت کیا ہے کہ جب میں مسلمان ہُوا تو میں نے سوچا کہ مکّے کا کون شخص رسول اللہ ﷺ کا سب سے بڑا اور سخت ترین دشمن ہے؟ پھر مَیں نے جی ہی جی میں کہا' یہ ابوجہل ہے۔ اس کے بعد میں نے اس کے گھر جا کر اس کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ باہر آیا اور دیکھ کر بولا؛ اھلاً و سھلاً (خوش آمدید، خوش آمدید) کیسے آنا ہُوا؟ میں نے کہا "تمہیں یہ بتانے آیا ہوں کہ مَیں اللہ اور اُس کے رسول محمد ﷺ پر ایمان لا چکا ہوں اور جو کچھ وہ لے کر آئے ہیں اس کی تصدیق کر چکا ہوں"۔ حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ (یہ سنتے ہی) اس نے میرے رُخ پر دروازہ بند کر لیا اور بولا! "اللہ تیرا بُرا کرے اور جو کچھ تو لے کر آیا ہے اس کا بھی بُرا کرے"۔[۲]

امام ابنِ جوزی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب کوئی شخص مسلمان ہو جاتا تو لوگ اس کے پیچھے پڑ جاتے۔ اسے زدوکوب کرتے۔ اور وہ بھی انہیں مارتا، اس لیے جب مَیں مسلمان ہُوا تو اپنے ماموں عاصی بن ہاشم کے پاس گیا اور اُسے خبر دی۔ وہ گھر کے اندر گھس گیا۔ پھر قریش کے ایک بڑے آدمی کے پاس گیا۔ شاید ابوجہل کی طرف اشارہ ہے —— اور اسے خبر دی وہ بھی گھر کے اندر گھس گیا۔[۳]

ابنِ ہشام اور ابنِ جوزی کا بیان ہے کہ جب حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے تو جمیل بن معمر جمحی کے پاس گئے۔ یہ شخص کسی بات کا ڈھول پیٹنے میں پورے قریش کے اندر سب سے زیادہ ممتاز تھا۔ حضرت عمرؓ نے اسے بتایا کہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ اس نے سنتے ہی نہایت بلند آواز سے چیخ کر کہا کہ خطاب کا بیٹا بے دین ہو گیا ہے۔ حضرت عمرؓ اس کے پیچھے ہی تھے۔ بولے "یہ جھوٹ کہتا ہے۔ مَیں مسلمان ہو گیا ہوں"۔ بہرحال لوگ حضرت عمرؓ پر ٹوٹ پڑے اور مار پیٹ شروع ہو گئی۔ لوگ حضرت عمرؓ کو مار رہے تھے اور حضرت عمرؓ لوگوں کو مار رہے تھے یہاں تک کہ سورج

---

[۱] تاریخ عمر بن الخطاب ص ۷، ۱۰، ۱۱، مختصر السیرۃ شیخ عبداللہ ص ۱۰۲، ۱۰۳، سیرت ابن ہشام ۱/ ۳۴۲ تا ۳۴۶
[۲] ابنِ ہشام ۱/ ۳۴۹، ۳۵۰ [۳] تاریخ عمر بن الخطاب ص ۸

سر پہ آ گیا اور حضرت عمرؓ تھک کر بیٹھ گئے۔ لوگ سر پر سوار تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا جو بن پڑے کر لو۔ خدا کی قسم اگر ہم لوگ تین سو کی تعداد میں ہوتے تو پھر مکّے میں یا تم ہی رہتے یا ہم ہی رہتے۔ ۳؎

اس کے بعد مشرکین نے اس ارادے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھر پر ہلّہ بول دیا کہ انہیں جان سے مار ڈالیں، چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ خوف کی حالت میں گھر کے اندر تھے کہ اس دوران ابو عمرو عاص بن وائل سہمی آ گیا۔ وہ دھاری دار یمنی چادر کا جوڑا اور ریشمی گوٹے سے آراستہ کُرتا زیب تن کیے ہوئے تھا۔ اس کا تعلق قبیلہ سَہم سے تھا اور یہ قبیلہ جاہلیت میں ہمارا حلیف تھا۔ اس نے پوچھا کیا بات ہے؟ حضرت عمرؓ نے کہا مَیں مسلمان ہو گیا ہوں، اس لیے آپ کی قوم مجھے قتل کرنا چاہتی ہے۔ عاص نے کہا "یہ ممکن نہیں"۔ عاص کی یہ بات سن کر مجھے اطمینان ہو گیا۔ اس کے بعد عاص وہاں سے نکلا اور لوگوں سے ملا۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ لوگوں کی بھیڑ سے وادی کچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ عاص نے پوچھا۔ کہاں کا ارادہ ہے؟" لوگوں نے کہا "یہی خطاب کا بیٹا مطلوب ہے جو بے دین ہو گیا ہے"۔ عاص نے کہا: "اس کی طرف کوئی راہ نہیں"۔ یہ سُنتے ہی لوگ واپس چلے گئے۔ ۴؎ ابن اسحاق کی ایک روایت میں ہے کہ واللہ ایسا لگتا تھا گویا وہ لوگ ایک کپڑا تھے جسے اس کے اُوپر سے جھٹک کر پھینک دیا گیا۔ ۵؎

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے پر یہ کیفیت تو مشرکین کی ہوئی تھی۔ باقی رہے مُسلمان تو ان کے احوال کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مجاہد نے ابنِ عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ مَیں نے عمرؓ بن الخطاب سے دریافت کیا کہ کس وجہ سے آپ کا لقب فاروق پڑا؟ تو انہوں نے کہا مجھ سے تین دن پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے۔ پھر حضرت عمرؓ نے ان کے اسلام لانے کا واقعہ بیان کر کے اخیر میں کہا کہ پھر جب مَیں مسلمان ہُوا تو ــــــ مَیں نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! کیا ہم حق پر نہیں ہیں خواہ زندہ رہیں خواہ مریں؟ آپؐ نے فرمایا کیوں نہیں۔ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم لوگ حق پر ہو خواہ زندہ رہو خواہ موت سے دوچار ہو ــــ

۳؎ ایضاً ص ۸۔ ابنِ ہشام ۱/ ۳۴۸، ۳۴۹

۴؎ صحیح بخاری باب اسلام عمرؓ بن الخطاب ۱/ ۵۴۵ ۵؎ ابنِ ہشام ۱/ ۳۴۹

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ تب میں نے کہا کہ پھر چھپنا کیسا؟ اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے ہم ضرور باہر نکلیں گے۔ چنانچہ ہم دو صفوں میں آپؐ کو ہمراہ لے کر باہر آئے۔ ایک صف میں حمزہؓ تھے اور ایک میں میں تھا۔ ہمارے چلنے سے چکی کے آٹے کی طرح ہلکا ہلکا غبار اُڑ رہا تھا، یہاں تک کہ ہم مسجد حرام میں داخل ہوگئے۔ حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ قریش نے مجھے اور حمزہؓ کو دیکھا تو ان کے دلوں پر ایسی چوٹ لگی کہ اب تک نہ لگی تھی۔ اسی دن رسول اللہ ﷺ نے میرا لقب فاروق رکھ دیا۔ [۷۶]

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ہم خانۂ کعبہ کے پاس نماز پڑھنے پر قادر نہ تھے۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا۔ [۷۷]

حضرت صُہَیب بن سنان رُومی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو اسلام پردے سے باہر آیا۔ اس کی علانیہ دعوت دی گئی۔ ہم حلقے لگا کر بیت اللہ کے گرد بیٹھے بیت اللہ کا طواف کیا، اور جس نے ہم پر سختی کی اس سے انتقام لیا اور اس کے بعض مظالم کا جواب دیا۔ [۷۸]

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب سے حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا تب سے ہم برابر طاقتور اور باعزت رہے۔ [۷۹]

قریش کا نمائندہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے حضور میں

ان دونوں بطل جلیل یعنی حضرت حمزہ بن عبد المطلب اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما کے مسلمان ہوجانے کے بعد ظلم وطغیان کے بادل چھٹنا شروع ہوگئے اور مسلمانوں کو جور وستم کا تختۂ مشق بنانے کے لیے مُشرکین پر جو بدمستی چھائی تھی اس کی جگہ سُوجھ بوجھ نے لینی شروع کی۔ چنانچہ مشرکین نے یہ کوشش کی کہ اس دعوت سے نبی ﷺ کا جو منشا اور مقصود ہوسکتا ہے اسے فراواں مقدار میں فراہم کرنے کی پیشکش کرکے آپؐ کو آپؐ کی دعوت وتبلیغ سے باز رکھنے کے لیے سودے بازی کی جائے لیکن ان غریبوں کو پتہ نہ تھا کہ وہ پوری کائنات جس پر سورج طلوع ہوتا ہے، آپ کی دعوت کے مقابل پرِ کاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتی اس لیے انہیں اپنے اس منصوبے میں ناکام و نامراد ہونا پڑا۔

---

[۷۶] تاریخ عمرؓ بن الخطاب لابن الجوزی ص ۶، ۷ [۷۷] مختصر السیرہ للشیخ عبد اللہ ص ۱۰۳
[۷۸] تاریخ عمرؓ بن الخطاب لابن الجوزی ص ۱۳
[۷۹] صحیح البخاری: باب اسلام عمرؓ بن الخطاب ۵۴۵/۱

ابنِ اسحاق نے یزید بن زیاد کے واسطے سے محمد بن کعب قرظی کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ مجھے بتایا گیا کہ عُتبہ بن رَبیعہ نے جو سردارِ قوم تھا، ایک روز قریش کی محفل میں کہا ــــــ اور اس وقت رسول اللہ ﷺ مسجدِ حرام میں ایک جگہ تن تنہا تشریف فرما تھے ــــــ کہ قریش کے لوگو! کیوں نہ میں محمدؐ کے پاس جا کر ان سے گفتگو کروں، اور ان کے سامنے چند امور پیش کروں، ہو سکتا ہے وہ کوئی چیز قبول کر لیں۔ تو جو کچھ وہ قبول کر لیں گے، اسے دے کر ہم انہیں اپنے آپ سے باز رکھیں گے؟ ــــــ یہ اس وقت کی بات ہے۔ جب حضرت حمزہؓ مسلمان ہو چکے تھے اور مشرکین نے یہ دیکھ لیا تھا کہ مسلمانوں کی تعداد برابر بڑھتی ہی جا رہی ہے ــــــ

مشرکین نے کہا ابوالولید! آپ جایئے اور ان سے بات کیجئے۔ اس کے بعد عتبہ اُٹھا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ پھر بولا: "بھتیجے! ہماری قوم میں تمہارا جو مرتبہ ومقام ہے اور جو بلند پایہ نسب ہے وہ تمہیں معلوم ہی ہے۔ اور اب تم اپنی قوم میں ایک بڑا معاملہ لے کر آئے ہو جس کی وجہ سے تم نے ان کی جماعت میں تفرقہ ڈال دیا، ان کی عقلوں کو حماقت سے دوچار قرار دیا۔ ان کے معبودوں اور ان کے دین کی عیب چینی کی۔ اور ان کے جو آبا وَ اجداد گذر چکے ہیں انہیں کافر ٹھہرایا۔ لہٰذا میری بات سنو! میں تم پر چند باتیں پیش کر رہا ہوں، ان پر غور کرو۔ ہو سکتا ہے کوئی بات قبول کر لو"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ابوالولید کہو! میں سنوں گا"۔ ابوالولید نے کہا:

"بھتیجے! یہ معاملہ جسے تم لے کر آئے ہو اگر اس سے تم یہ چاہتے ہو کہ مال حاصل کرو تو ہم تمہارے لیے اتنا مال جمع کیے دیتے ہیں کہ تم ہم میں سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ؛ اور اگر تم یہ چاہتے ہو کہ اعزاز و مرتبہ حاصل کرو تو ہم تمہیں اپنا سردار بنائے لیتے ہیں یہاں تک کہ تمہارے بغیر کسی معاملہ کا فیصلہ نہ کریں گے؛ اور اگر تم چاہتے ہو کہ بادشاہ بن جاؤ تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنائے لیتے ہیں؛ اور اگر یہ جو تمہارے پاس آتا ہے کوئی جن بھوت ہے جسے تم دیکھتے ہو لیکن اپنے آپ سے دفع نہیں کر سکتے تو ہم تمہارے لیے اس کا علاج تلاش کیے دیتے ہیں اور اس سلسلے میں ہم اپنا اتنا مال خرچ کرنے کو تیار ہیں کہ تم شفایاب ہو جاؤ، کیونکہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جن بھوت انسان پر غالب آ جاتا ہے اور اس کا علاج کروانا پڑتا ہے"۔

عُتبہ یہ باتیں کہتا رہا۔ اور رسول اللہ ﷺ سُنتے رہے۔ جب فارغ ہو چکا تو آپؐ نے فرمایا: "ابوالولید تم فارغ ہو گئے؟" اُس نے کہا: "ہاں"۔ آپؐ نے فرمایا: "اچھا اب میری سنو!" اس نے

کہا: ٹھیک ہے سنوں گا۔ آپؐ نے فرمایا:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حٰمٓ ○ تَنْزِیْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ کِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُہٗ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ○ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا فَاَعْرَضَ اَکْثَرُھُمْ فَھُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ○ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْٓ اَکِنَّۃٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْہِ .. (۴۱ : ۱ - ۵)

"حم۔ یہ رحمٰن و رحیم کی طرف سے نازل کی ہوئی ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں کھول کھول کر بیان کر دی گئی ہیں۔ عربی قرآن ان لوگوں کیلیے جو علم رکھتے ہیں۔ بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہے۔ لیکن اکثر لوگوں نے اعراض کیا اور وہ سنتے نہیں۔ کہتے ہیں کہ جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس کیلیے ہمارے دلوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ الخ"

رسول اللہ ﷺ آگے پڑھتے جا رہے تھے۔ اور عتبہ اپنے دونوں ہاتھ پیچھے زمین پر ٹیکے چپ چاپ سنتا جا رہا تھا۔ جب آپؐ سجدے کی آیت پر پہنچے تو آپؐ نے سجدہ کیا پھر فرمایا:

"ابوالولید! تمہیں جو کچھ سننا تھا سن چکے اب تم جانو اور تمہارا کام جانے۔"

عُتبہ اٹھا اور سیدھا اپنے ساتھیوں کے پاس آیا۔ اُسے آتا دیکھ کر مشرکین نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا: "خدا کی قسم! ابوالولید تمہارے پاس وہ چہرہ لے کر نہیں آ رہا ہے جو چہرہ لے کر گیا تھا" پھر جب ابوالولید آ کر بیٹھ گیا تو لوگوں نے پوچھا: "ابوالولید! پیچھے کی کیا خبر ہے؟" اس نے کہا: "پیچھے کی خبر یہ ہے کہ میں نے ایک ایسا کلام سنا ہے کہ ویسا کلام واللہ میں نے کبھی نہیں سنا۔ خدا کی قسم وہ نہ شعر ہے نہ جادو، نہ کہانت، قریش کے لوگو! میری بات مانو اور اس معاملے کو مجھ پر چھوڑ دو۔ (میری رائے یہ ہے کہ) اس شخص کو اس کے حال پر چھوڑ کر الگ تھلگ بیٹھ رہو۔ خدا کی قسم میں نے اس کا جو قول سنا ہے اس سے کوئی زبردست واقعہ رونما ہو کر رہے گا۔ پھر اگر اس شخص کو عرب نے مار ڈالا تو تمہارا کام دوسروں کے ذریعے انجام پا جائے گا۔ اور اگر یہ شخص عرب پر غالب آ گیا تو اس کی بادشاہت تمہاری بادشاہت اور اس کی عزت تمہاری عزت ہوگی: اور اس کا وجود سب سے بڑھ کر تمہارے لیے سعادت کا باعث ہوگا۔" لوگوں نے کہا: "ابوالولید! خدا کی قسم تم پر بھی اس کی زبان کا جادو چل گیا۔" عُتبہ نے کہا: "اس شخص کے بارے میں میری رائے یہی ہے اب تمہیں جو ٹھیک معلوم ہو کرو۔" ؎۵۰

؎۵۰ ابن ہشام ۱/ ۲۹۳، ۲۹۴

ایک دوسری روایت میں یہ مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے جب تلاوت شروع کی تو عُتبہ چُپ چاپ سنتا رہا، جب آپؐ اللہ تعالٰے کے اس قول پر پہنچے:

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ ۝ (۴۱:۱۳)

پس اگر وہ روگردانی کریں تو تم کہدو کہ میں تمہیں عاد و ثمود کی کڑک جیسی ایک کڑک کے خطرے سے آگاہ کر رہا ہوں۔

تو عتبہ تھرا کر کھڑا ہو گیا اور یہ کہتے ہوئے اپنا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے منہ پر رکھ دیا کہ میں آپؐ کو اللہ کا اور قرابت کا واسطہ دیتا ہوں (کہ ایسا نہ کریں) اسے خطرہ تھا کہیں یہ ڈراوا آن نہ پڑے۔ اس کے بعد وہ قوم کے پاس گیا اور مذکورہ گفتگو ہوئی۔ [۸۱]

ابوطالب بنی ہاشم اور بنی مُطَّلِب کو جمع کرتے ہیں

حالات کی رفتار بدل چکی تھی۔ گردوپیش کے ماحول میں فرق آچکا تھا، لیکن ابوطالب کے اندیشے برقرار تھے۔ انہیں مشرکین کی طرف سے اپنے بھتیجے کے متعلق برابر خطرہ محسوس ہو رہا تھا۔ وہ پچھلے واقعات پر برابر غور کر رہے تھے۔ مشرکین نے انہیں مقابلہ آرائی کی دھمکی دی تھی۔ پھر ان کے بھتیجے کو عمارہ بن ولید کے عوض حاصل کر کے قتل کرنے کے لیے سودے بازی کی کوشش کی تھی۔ ابوجہل ایک بھاری پتھر لے کر ان کے بھتیجے کا سر کچلنے اٹھا تھا۔ عُقبَہ بن ابی مُعَیط نے چادر لپیٹ کر گلا گھونٹنے اور مار ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ خطاب کا بیٹا تلوار لے کر ان کا کام تمام کرنے نکلا تھا۔ ابوطالب ان واقعات پر غور کرتے تو انہیں ایک ایسے سنگین خطرے کی بُو محسوس ہوتی جس سے ان کا دل کانپ اٹھتا۔ انہیں یقین ہو چکا تھا کہ مشرکین ان کا عہد توڑنے اور ان کے بھتیجے کو قتل کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں۔ اور ان حالات میں خدانخواستہ اگر کوئی مشرک اچانک آپؐ پر ٹوٹ پڑا تو حمزہؓ یا عمرؓ یا اور کوئی شخص کیا کام دے سکے گا۔

ابوطالب کے نزدیک یہ بات یقینی تھی۔ اور بہرحال صحیح بھی تھی کیونکہ مشرکین اعلانیہ رسول اللہ ﷺ کے قتل کا فیصلہ کر چکے تھے۔ اور ان کے اسی فیصلے کی طرف اللہ تعالٰے کے اس قول میں اشارہ ہے:

---

[۸۱] تفسیر ابن کثیر ۶/ ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱

اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ○ (۴۳ : ۷۹)

"اگر انہوں نے ایک بات کا تہیہ کر رکھا ہے تو ہم بھی تہیہ کئے ہوئے ہیں۔"

اب سوال یہ تھا کہ ان حالات میں ابو طالب کو کیا کرنا چاہیئے! انہوں نے جب دیکھا کہ قریش ہر جانب سے ان کے بھتیجے کی مخالفت پر تُل پڑے ہیں تو انہوں نے اپنے جدِّ اعلیٰ عبدِ مناف کے دو صاحبزادوں ہاشم اور مُطَّلِب سے وجود میں آنے والے خاندانوں کو جمع کیا اور انہیں دعوت دی کہ اب تک وہ اپنے بھتیجے کی حفاظت و حمایت کا جو کام تنہا انجام دیتے رہے ہیں اب اسے سب مل کر انجام دیں۔ ابو طالب کی یہ بات عربی حَمیّت کے پیشِ نظر ان دونوں خاندانوں کے سارے مسلم اور کافر افراد نے قبول کی۔ البتہ صرف ابو طالب کا بھائی ابو لہب ایک ایسا فرد تھا جس نے اُسے منظور نہ کیا اور سارے خاندان سے الگ ہو کر مشرکینِ قریش سے جا ملا اور اُن کا ساتھ دیا۔ [۸۲]

○

[۸۲] ابنِ ہشام ۱/۲۶۹ ۔ مختصر السیرہ للشیخ عبداللہ ص ۱۰۶

مکمّل بائیکاٹ

صرف چار ہفتے یا اس سے بھی کم مدت میں مشرکین کو چار بڑے بڑے دھچکے لگ چکے تھے، یعنی حضرت حمزہؓ نے اسلام قبول کیا، پھر حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے، پھر محمد ﷺ نے ان کی پیش کش یا سودے بازی مسترد کی، پھر قبیلہ بنی ہاشم و بنی مُطّلب کے سارے ہی مسلم و کافر افراد نے ایک ہو کر نبی ﷺ کی حفاظت کا عہد و پیمان کیا۔ اس سے مشرکین چکرا گئے اور انہیں چکرانا ہی چاہیئے تھا کیونکہ ان کی سمجھ میں آ گیا کہ اگر انہوں نے نبی ﷺ کے قتل کا اقدام کیا تو آپؐ کی حفاظت میں مکہ کی وادی مشرکین کے خون سے لالہ زار ہو جائے گی۔ بلکہ ممکن ہے ان کا مکمّل صفایا ہی ہو جائے، اس لیے انہوں نے قتل کا منصوبہ چھوڑ کر ظلم کی ایک اور راہ تجویز کی۔ جو ان کی اب تک کی تمام ظالمانہ کارروائیوں سے زیادہ سنگین تھی۔

ظلم و ستم کا پیمان

اس تجویز کے مطابق مشرکین وادیٔ مُحَصَّب میں خَیفِ بنی کنانہ کے اندر جمع ہوئے اور آپس میں بنی ہاشم اور بنی مطلب کے خلاف یہ عہد و پیمان کیا کہ نہ ان سے شادی بیاہ کریں گے، نہ خرید و فروخت کریں گے، نہ ان کے ساتھ اُٹھیں بیٹھیں گے، نہ ان سے میل جول رکھیں گے، نہ ان کے گھروں میں جائیں گے، نہ ان سے بات چیت کریں گے جب تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے لیے ان کے حوالے نہ کر دیں۔ مشرکین نے اس بائیکاٹ کی دستاویز کے طور پر ایک صحیفہ لکھا جس میں اس بات کا عہد و پیمان کیا گیا تھا کہ وہ بنی ہاشم کی طرف سے کبھی بھی کسی صلح کی پیش کش قبول نہ کریں گے نہ ان کے ساتھ کسی طرح کی مُروّت برتیں گے جب تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے لیے مشرکین کے حوالے نہ کر دیں۔

ابنِ قیم کہتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ یہ صحیفہ منصور بن عکرمہ بن عامر بن ہاشم نے لکھا تھا اور بعض کے نزدیک نضر بن حارث نے لکھا تھا، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ لکھنے والا بغیض بن عامر بن ہاشم تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے اس پر بددُعا کی اور اس کا ہاتھ شل ہوگیا۔ [1]

بہرحال یہ عہد و پیمان طے پاگیا اور صحیفہ خانہ کعبہ کے اندر لٹکا دیا گیا۔ اس کے نتیجے میں ابولہب کے سوا بنی ہاشم اور بنی مُطّلِب کے سارے افراد خواہ مسلمان رہے ہوں یا کافر سمٹ سمٹا کر شعبِ ابی طالب میں محبوس ہوگئے۔ یہ نبی ﷺ کی بعثت کے ساتویں سال محرم کی چاند رات کا واقعہ ہے۔

تین سال شعب ابی طالب میں

اس بائیکاٹ کے نتیجے میں حالات نہایت سنگین ہوگئے۔ غلّے اور سامانِ خور و نوش کی آمد بند ہوگئی کیونکہ مکّے میں جو غلّہ یا فروختنی سامان آتا تھا اسے مشرکین لپک کر خرید لیتے تھے۔ اس لیے محصورین کی حالت نہایت پتلی ہوگئی۔ انہیں پتّے اور چمڑے کھانے پڑے۔ فاقہ کشی کا حال یہ تھا کہ بھوک سے بلکتے ہوئے بچّوں اور عورتوں کی آوازیں گھاٹی کے باہر سنائی پڑتی تھیں۔ ان کے پاس بمشکل ہی کوئی چیز پہنچ پاتی تھی، وہ بھی پسِ پردہ۔ وہ لوگ حرمت والے مہینوں کے علاوہ باقی ایّام میں اشیائے ضرورت کی خرید کے لیے گھاٹی سے باہر نکلتے بھی نہ تھے۔ وہ اگرچہ قافلوں سے سامان خرید سکتے تھے جو باہر سے مکّہ آتے تھے لیکن ان کے سامان کے دام بھی مکّے والے اس قدر بڑھا کر خریدنے کے لیے تیار ہوجاتے تھے کہ محصُورین کے لیے کچھ خریدنا مشکل ہوجاتا تھا۔

حکیم بن حزام جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بھتیجا تھا کبھی کبھی اپنی پھوپھی کے لیے گیہوں بھجوا دیتا تھا۔ ایک بار ابوجہل سے سابقہ پڑگیا۔ وہ غلّہ روکنے پر اَڑ گیا لیکن ابوالبختری نے مداخلت کی، اور اسے اپنی پھوپھی کے پاس گیہوں بھجوانے دیا۔

ادھر ابوطالب کو رسول اللہ ﷺ کے بارے میں برابر خطرہ لگا رہتا تھا، اس لیے جب لوگ اپنے اپنے بستروں پر جاتے تو وہ رسول اللہ ﷺ سے کہتے کہ تم اپنے بستر پر سو رہو۔ مقصد یہ ہوتا کہ اگر کوئی شخص آپؐ کو قتل کرنے کی نیّت رکھتا ہو تو دیکھ لے کہ آپؐ کہاں سو رہے ہیں۔ پھر جب لوگ سو جاتے تو ابوطالب آپؐ کی جگہ بدل دیتے۔ یعنی اپنے بیٹوں، بھائیوں یا بھتیجوں میں سے کسی کو رسول اللہ ﷺ کے بستر پر سلا دیتے۔ اور رسول اللہ ﷺ سے کہتے کہ تم اس کے بستر پر چلے جاؤ۔

---

[1] زاد المعاد ۲/۴۶

اس محصوری کے باوجود رسول اللہ ﷺ اور دوسرے مسلمان حج کے ایام میں باہر نکلتے تھے اور حج کے لیے آنے والوں سے مل کر انہیں اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ اس موقع پر ابولہب کی جو حرکت ہُوا کرتی تھی اس کا ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے۔

صحیفہ چاک کیا جاتا ہے

ان حالات پر پورے تین سال گزر گئے۔ اس کے بعد محرّم سنہ ۱۰ نبوت[1] میں صحیفہ چاک کئے جانے اور اس ظالمانہ عہد و پیمان کو ختم کئے جانے کا واقعہ پیش آیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شروع ہی سے قریش کے کچھ لوگ اگر اس عہد و پیمان سے راضی تھے تو کچھ ناراض بھی تھے اور ان ہی ناراض لوگوں نے اس صحیفے کو چاک کرنے کی تگ و دَو کی۔

اس کا اصل محرک قبیلہ بنو عامر بن لوئی کا ہشام بن عمرو نامی ایک شخص تھا۔ یہ رات کی تاریکی میں چپکے چپکے شعب ابی طالب کے اندر غلّہ بھیج کر بنو ہاشم کی مدد بھی کیا کرتا تھا ــــ یہ زہیر بن ابی امیہ مخزومی کے پاس پہنچا ــــ (زہیر کی ماں عاتکہ، عبدالمطلب کی صاحبزادی یعنی ابوطالب کی بہن تھیں۔) اور اس سے کہا: "زُہیرؔ! کیا تمہیں یہ گوارا ہے کہ تم تو مزے سے کھاؤ، پیو اور تمہارے ماموں کا وہ حال ہے جسے تم جانتے ہو؟" زُہیرؔ نے کہا: "افسوس! میں تن تنہا کیا کر سکتا ہوں؟ ہاں اگر میرے ساتھ کوئی اور آدمی ہوتا تو میں اس صحیفے کو پھاڑنے کے لیے یقیناً اُٹھ پڑتا۔" اُس نے کہا اچھا تو ایک آدمی اور موجود ہے۔ پوچھا کون ہے؟ کہا میں ہوں۔ زُہیرؔ نے کہا اچھا تو اب تیسرا آدمی تلاش کرو۔

اس پر ہشام، مُطعِم بن عَدِی کے پاس گیا اور بنو ہاشم اور بنو مُطَّلب سے جو کہ عبدِ مناف کی اولاد تھے مطعم کے قریبی نسبی تعلّق کا ذکر کر کے اسے ملامت کی کہ اس نے اس ظلم پر قریش کی ہمنوائی کیونکر کی؟ ــــ یاد رہے کہ مُطعِم بھی عبدِ مناف ہی کی نسل سے تھا۔ مُطعِم نے کہا: "افسوس! میں تن تنہا کیا کر سکتا ہوں۔" ہشام نے کہا ایک آدمی اور موجود ہے۔ مطعم نے پوچھا کون ہے؟ ہشام نے کہا میں۔ مطعم نے کہا اچھا ایک تیسرا آدمی تلاش کرو۔ ہشام نے کہا: یہ بھی کر چکا ہوں۔ پوچھا وہ کون ہے؟ کہا زہیر بن ابی امیہ۔ مطعم نے کہا اچھا تو اب چوتھا آدمی تلاش کرو۔ اس

---

[1] اس کی دلیل یہ ہے کہ ابوطالب کی وفات صحیفہ پھاڑے جانے کے چھ ماہ بعد ہوئی۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ ان کی موت رجب کے مہینے میں ہوئی تھی۔ اور جو لوگ یہ کہتے ہیں ان کی وفات رمضان میں ہوئی تھی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کی وفات صحیفہ پھاڑے جانے کے چھ ماہ بعد نہیں بلکہ آٹھ ماہ اور چند دن بعد ہوئی تھی۔ دونوں صورتوں میں وہ مہینہ جس میں صحیفہ پھاڑا گیا، محرّم ثابت ہوتا ہے۔

پر ہشام بن عمرو، ابو البختری بن ہشام کے پاس گیا اور اس سے بھی اسی طرح کی گفتگو کی جیسی مطعم سے کی تھی۔ اس نے کہا بھلا کوئی اس کی تائید بھی کرنے والا ہے؟ ہشام نے کہا ہاں۔ پوچھا کون؟ کہا؛ زُہیر بن ابی امیہ، مطعم بن عدی اور میں۔ اس نے کہا؛ اچھا تو اب پانچواں آدمی ڈھونڈو ـــــ اس کے لیے ہشام، زمعہ بن اسود بن مُطّلب بن اسد کے پاس گیا۔ اور اس سے گفتگو کرتے ہوئے بنو ہاشم کی قرابت اور ان کے حقوق یاد دلائے۔ اس نے کہا؛ بھلا جس کام کے لیے مجھے بلا رہے ہو اس سے کوئی اور بھی متفق ہے۔ ہشام نے اثبات میں جواب دیا اور سب کے نام بتلائے۔ اس کے بعد ان لوگوں نے حجون کے پاس جمع ہو کر آپس میں یہ عہد و پیمان کیا کہ صحیفہ چاک کرنا ہے۔ زہیر نے کہا: میں ابتدا کروں گا یعنی سب سے پہلے میں ہی زبان کھولوں گا۔

صبح ہوئی تو سب لوگ حسبِ معمول اپنی اپنی محفلوں میں پہنچے۔ زہیر بھی ایک جوڑا زیب تن کیے ہوئے پہنچا۔ پہلے بیت اللہ کے سات چکر لگائے پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر بولا "مکے والو! کیا ہم کھانا کھائیں، کپڑے پہنیں اور بنو ہاشم تباہ و برباد ہوں، نہ ان کے ہاتھ کچھ بیچا جائے نہ ان سے کچھ خریدا جائے۔ خدا کی قسم میں بیٹھ نہیں سکتا یہاں تک کہ اس ظالمانہ اور قرابت شکن صحیفے کو چاک کر دیا جائے"

ابو جہل ـــــ جو مسجد حرام کے ایک گوشے میں موجود تھا "بولا: تم غلط کہتے ہو خدا کی قسم اسے پھاڑا نہیں جا سکتا۔"

اس پر زمعہ بن اسود نے کہا: "بخدا تم زیادہ غلط کہتے ہو؛ جب یہ صحیفہ لکھا گیا تھا تب بھی ہم اس سے راضی نہ تھے۔"

اس پر ابو البختری نے گرہ لگائی: "زمعہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے نہ ہم راضی ہیں نہ اسے ماننے کو تیار ہیں۔" اس کے بعد مُطعم بن عدی نے کہا: "تم دونوں ٹھیک کہتے ہو اور جو اس کے خلاف کہتا ہے غلط کہتا ہے۔ ہم اس صحیفہ سے اور اس میں جو کچھ لکھا ہوا ہے اس سے اللہ کے حضور برارت کا اظہار کرتے ہیں۔"

پھر ہشام بن عمرو نے بھی اسی طرح کی بات کہی۔

یہ ماجرا دیکھ کر ابو جہل نے کہا: "ہونہہ! یہ بات رات میں طے کی گئی ہے۔ اور اس کا مشورہ یہاں کے بجائے کہیں اور کیا گیا ہے۔"

اس دوران ابو طالب بھی حرم پاک کے ایک گوشے میں موجود تھے۔ ان کے آنے کی وجہ یہ

تھی کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اس صحیفے کے بارے میں یہ خبر دی تھی کہ اس پر اللہ تعالیٰ نے کیڑے بھیج دیئے ہیں۔ جنہوں نے ظلم وستم اور قرابت شکنی کی ساری باتیں چٹ کردی ہیں اور صرف اللہ عزوجل کا ذکر باقی چھوڑا ہے۔ پھر نبی ﷺ نے اپنے چچا کو یہ بات بتائی تو وہ قریش سے یہ کہنے آئے تھے کہ ان کے بھتیجے نے انھیں یہ اور یہ خبر دی ہے اگر وہ جھوٹا ثابت ہُوا تو ہم تمہارے اور اس کے درمیان سے ہٹ جائیں گے اور تمہارا جو جی چاہے کرنا۔ لیکن اگر وہ سچّا ثابت ہُوا تو تمہیں ہمارے بائیکاٹ اور ظلم سے باز آنا ہوگا ۔ جب قریش کو یہ بتایا گیا تو انہوں نے کہا :

"آپ انصاف کی بات کہہ رہے ہیں"۔

ادھر ابوجہل اور باقی لوگوں کی نوک جھونک ختم ہوئی تو مطعم بن عدی صحیفہ چاک کرنے کے لیے اٹھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ واقعی کیڑوں نے اس کا صفایا کر دیا ہے۔ صرف باسمك اللّٰھم باقی رہ گیا ہے اور جہاں جہاں اللہ کا نام تھا وہ بچا ہے یا کیڑوں نے اُسے نہیں کھایا تھا۔

اس کے بعد صحیفہ چاک ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ اور بقیہ تمام حضرات شعب ابی طالب سے نکل آئے اور مشرکین نے آپؐ کی نبوت کی ایک عظیم الشان نشانی دیکھی۔ لیکن ان کا رویّہ وہی رہا جس کا ذکر اس آیت میں ہے :

وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُسْتَمِرٌّ ۝ (۲:۵۴)

"اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو رخ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو چلتا پھرتا جادو ہے"۔

چنانچہ مشرکین نے اس نشانی سے بھی رُخ پھیر لیا اور اپنے کفر کی راہ میں چند قدم اور آگے بڑھ گئے ۔ [۳]

○

---

[۳] بائیکاٹ کی یہ تفصیل حسب ذیل مآخذ سے مرتب کی گئی ہے۔ صحیح بخاری باب نزول النبی ﷺ بمکۃ ۲۱۶/۱ باب تقاسم المشرکین علی النبی ﷺ ۵۴۸/۱ زاد المعاد ۴۶/۲ - ابن ہشام ۳۵۰/۱، ۳۵۱، ۳۷۴ تا ۳۷۷ - رحمۃ للعالمین ۶۹/۱، ۷۰، مختصر السیرہ للشیخ عبد اللہ ص ۱۰۶ تا ۱۱۰ و مختصر السیرہ للشیخ محمد بن عبد الوہاب ص ۶۸ تا ۷۳ - ان مآخذ میں قدرے اختلاف بھی ہے۔ ہم نے قرائن کی روشنی میں راجح پہلو درج کیا ہے۔

ابو طالب کی خدمت میں قریش کا آخری وفد

رسول اللہ ﷺ نے شعب ابی طالب سے نکلنے کے بعد پھر حسب معمول دعوت و تبلیغ کا کام شروع کر دیا اور اب مشرکین نے اگرچہ بائیکاٹ ختم کر دیا تھا لیکن وہ بھی حسب معمول مسلمانوں پر دباؤ ڈالنے اور اللہ کی راہ سے روکنے کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھے اور جہاں تک ابوطالب کا تعلق ہے تو وہ بھی اپنی دیرینہ روایت کے مطابق پوری جاں سپاری کے ساتھ اپنے بھتیجے کی حمایت و حفاظت میں لگے ہوئے تھے لیکن اب ان کی عمر اسّی سال سے مُتجاوز ہو چلی تھی۔ کئی سال سے پے در پے سنگین آلام و حوادث نے اور خصوصاً محصوری نے انہیں توڑ کر رکھ دیا تھا۔ اُن کے قُویٰ مضمحل ہو گئے تھے اور کمر ٹوٹ چکی تھی، چنانچہ گھاٹی سے نکلنے کے بعد چند ہی مہینے گزرے تھے کہ انہیں سخت بیماری نے آن پکڑا۔ اس موقع پر مشرکین نے سوچا کہ اگر ابوطالب کا انتقال ہو گیا اور اس کے بعد ہم نے اس کے بھتیجے پر کوئی زیادتی کی تو بڑی بدنامی ہو گی؛ اس لیے ابوطالب کے سامنے ہی نبی ﷺ سے کوئی معاملہ طے کر لینا چاہیے۔ اس سلسلے میں وہ بعض ایسی رعائتیں بھی دینے کے لیے تیار ہو گئے جس پر اب تک راضی نہ تھے۔ چنانچہ ان کا ایک وفد ابوطالب کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ اور یہ ان کا آخری وفد تھا۔

ابنِ اسحاق وغیرہ کا بیان ہے کہ جب ابوطالب بیمار پڑ گئے اور قریش کو معلوم ہُوا کہ اُن کی حالت غیر ہوتی جا رہی ہے تو انہوں نے آپس میں کہا کہ دیکھو حمزہؓ اور عمرؓ مسلمان ہو چکے ہیں۔ اور محمد ﷺ کا دین قریش کے ہر قبیلے میں پھیل چکا ہے اس لیے چلو ابوطالب کے پاس چلیں کہ وہ اپنے بھتیجے کو کسی بات کا پابند کریں اور ہم سے بھی ان کے متعلق عہد لے لیں کیونکہ واللہ ہمیں اندیشہ ہے لوگ اس کی وفات کے بعد ہمارے قابو میں نہ رہیں گے۔ ایک روایت یہ ہے کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ یہ بُڈھا مر گیا اور محمد (ﷺ) کے ساتھ کوئی گڑبڑ ہو گئی تو عرب ہمیں طعنہ دیں گے۔ کہیں گے کہ انہوں نے محمد (ﷺ) کو چھوڑے رکھا۔[1] اور اس کے خلاف کچھ کرنے کی ہمت نہ کی۔ لیکن جب اس کا چچا مر گیا تو اس پر چڑھ دوڑے۔

بہرحال قریش کا یہ وفد ابوطالب کے پاس پہنچا اور ان سے گفت و شنید کی۔ وفد کے ارکان قریش کے معزز ترین افراد تھے یعنی عُتبَہ بن رَبیعَہ شَیبَہ بن ربیعہ، ابوجہل بن ہشام، اُمیَّہ بن خلف ابوسفیان بن حرب اور دیگر اَشرافِ قریش جن کی کُل تعداد تقریباً پچیس تھی۔

انہوں نے کہا:

"اے ابوطالب! ہمارے درمیان آپ کا جو مرتبہ و مقام ہے اسے آپ بخوبی جانتے ہیں اور اب آپ جس حالت سے گذر رہے ہیں وہ بھی آپ کے سامنے ہے۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ یہ آپ کے آخری ایام ہیں۔ ادھر ہمارے اور آپ کے بھتیجے کے درمیان جو معاملہ چل رہا ہے اس سے بھی آپ واقف ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ انہیں بلائیں اور ان کے بارے میں ہم سے کچھ عہدو پیمان لیں اور ہمارے بارے میں ان سے عہدو پیمان لیں یعنی وہ ہم سے دستکش رہیں اور ہم ان سے دستکش رہیں۔ وہ ہم کو ہمارے دین پر چھوڑ دیں اور ہم ان کو ان کے دین پر چھوڑ دیں۔"

اس پر ابوطالب نے آپؐ کو بلوایا اور آپؐ تشریف لائے تو کہا: "بھتیجے! یہ تمہاری قوم کے معزز لوگ ہیں۔ تمہارے ہی لیے جمع ہوئے ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں کچھ عہدو پیمان دے دیں اور تم بھی انہیں کچھ عہدو پیمان دے دو۔" اس کے بعد ابوطالب نے ان کی یہ پیش کش ذکر کی کہ کوئی بھی فریق دوسرے سے تعرض نہ کرے۔

جواب میں رسول ﷺ نے وفد کو مخاطب کر کے فرمایا: "آپ لوگ یہ بتائیں کہ اگر میں ایک ایسی بات پیش کروں جس کے اگر آپ قائل ہو جائیں تو عرب کے بادشاہ بن جائیں اور عجم آپ کے زیرنگیں آ جائے تو آپ کی رائے کیا ہوگی؟" بعض روایتوں میں یہ کہا گیا ہے کہ آپؐ نے ابوطالب کو مخاطب کر کے فرمایا: "میں ان سے ایک ایسی بات چاہتا ہوں جس کے یہ قائل ہو جائیں تو عرب ان کے تابع فرمان بن جائیں اور عجم انہیں جزیہ ادا کریں۔" ایک اور روایت میں یہ مذکور ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "چچا جان! آپ کیوں نہ انہیں ایک ایسی بات کی طرف بلائیں جو ان کے حق میں بہتر ہے؟" انہوں نے کہا تم انہیں کس بات کی طرف بلانا چاہتے ہو؟ آپؐ نے فرمایا: "میں ایک ایسی بات کی طرف بلانا چاہتا ہوں جس کے یہ قائل ہو جائیں تو عرب ان کا تابع فرمان بن جائے اور عجم پر ان کی بادشاہت قائم ہو جائے۔" —— ابنِ اسحاق کی ایک روایت یہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "آپ لوگ صرف ایک بات مان لیں جس کی بدولت آپ عرب کے بادشاہ بن جائیں گے اور عجم آپ کے

زیرِ نگیں آجائے گا۔"

بہرحال جب یہ بات آپ نے کہی تو وہ لوگ کسی قدر توقف میں پڑگئے اور سٹپٹا سے گئے۔ وہ حیران تھے کہ صرف ایک بات جو اس قدر مفید ہے۔ اسے مسترد کیسے کر دیں؟ آخر کار ابوجہل نے کہا: "اچھا بتاؤ تو وہ بات ہے کیا؟ تمہارے باپ کی قسم! ایسی ایک بات کیا دس باتیں بھی پیش کرو تو ہم ماننے کو تیار ہیں۔" آپؐ نے فرمایا: "آپ لوگ لا الٰہ الا اللہ کہیں اور اللہ کے سوا جو کچھ پوجتے ہیں اسے چھوڑ دیں۔" اس پر انہوں نے ہاتھ پیٹ پیٹ کر اور تالیاں بجا بجا کر کہا: "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! تم یہ چاہتے ہو کہ سارے خداؤں کی جگہ بس ایک ہی خدا بنا ڈالو؟ واقعی تمہارا معاملہ بڑا عجیب ہے۔"

پھر آپس میں ایک دوسرے سے بولے: "خدا کی قسم یہ شخص تمہاری کوئی بات ماننے کو تیار نہیں۔ لہٰذا چلو اور اپنے آباؤ اجداد کے دین پر ڈٹ جاؤ۔ یہاں تک کہ اللہ ہمارے اور اس شخص کے درمیان فیصلہ فرما دے۔" اس کے بعد انہوں نے اپنی اپنی راہ لی۔ اس واقعے کے بعد انہی لوگوں کے بارے میں قرآن مجید کی یہ آیات نازل ہوئیں۔

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ○ بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ○ کَمْ اَهْلَکْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ ○ وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْکٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ کَذَّابٌ ○ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ○ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓی اٰلِهَتِکُمْ ۖ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ○ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۖ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ○ (۳۸: ۱-۷)

"ص، قسم ہے نصیحت بھرے قرآن کی۔ بلکہ جنہوں نے کفر کیا ہیکڑی اور ضد میں ہیں۔ ہم نے کتنی ہی قومیں ان سے پہلے ہلاک کر دیں اور وہ چیخے چلائے (لیکن اس وقت) جبکہ بچنے کا وقت نہ تھا۔ انہیں تعجب ہے کہ ان کے پاس خود انہیں میں سے ایک ڈرانے والا آگیا۔ کافر کہتے ہیں کہ یہ جادوگر ہے۔ بڑا جھوٹا ہے۔ کیا اس نے سارے معبودوں کی جگہ بس ایک ہی معبود بنا ڈالا! یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ اور ان کے بڑے یہ کہتے ہوئے نکلے کہ چلو اور اپنے معبودوں پر ڈٹے رہو۔ یہ ایک سوچی سمجھی اسکیم ہے۔ ہم نے کسی اور ملت میں یہ بات نہیں سنی۔ یہ محض گھڑنت ہے۔" [1]

---

[1] ابن ہشام ۱/۴۱۷ تا ۴۱۹۔ مختصر السیرۃ للشیخ عبداللہ ص ۹۱

غم کا سال

ابوطالب کی وفات

ابوطالب کا مرض بڑھتا گیا اور بالآخر وہ انتقال کر گئے۔ ان کی وفات شعب ابی طالب کی محصوری کے خاتمے کے چھ ماہ بعد رجب ۱۰ نبوی میں ہوئی۔[۱] ایک قول یہ بھی ہے کہ انہوں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات سے صرف تین دن پہلے ماہ رمضان میں وفات پائی۔

صحیح بخاری میں حضرت مسیبؓ سے مروی ہے کہ جب ابوطالب کی وفات کا وقت آیا تو نبی ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ وہاں ابوجہل بھی موجود تھا۔ آپ نے فرمایا "چچا جان، آپ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہہ دیجئے۔ بس ایک کلمہ جس کے ذریعے میں اللہ کے پاس آپ کے لیے حجت پیش کر سکوں گا۔" ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ نے کہا "ابوطالب! کیا عبدالمطلب کی ملت سے رُخ پھیرلوگے؟" پھر یہ دونوں برابر ان سے بات کرتے رہے یہاں تک کہ آخری بات جو ابوطالب نے لوگوں سے کہی یہ تھی کہ "عبدالمطلب کی ملت پر" نبی ﷺ نے فرمایا "میں جب تک آپ سے روک نہ دیا جاؤں آپ کے لیے دعائے مغفرت کرتا رہوں گا۔" اس پر یہ آیت نازل ہوئی،

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ○ (۹:۱۱۳)

"نبی (ﷺ) اور اہل ایمان کے لیے درست نہیں کہ مشرکین کے لیے دعائے مغفرت کریں. اگرچہ وہ قرابتدار ہی کیوں نہ ہوں جبکہ ان پر واضح ہو چکا ہے کہ وہ لوگ جہنمی ہیں۔"

اور یہ آیت بھی نازل ہوئی۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ .. (۲۸:۵۶)

"آپ جسے پسند کریں ہدایت نہیں دے سکتے۔"

---

[۱] سیرت کے مآخذ میں بڑا اختلاف ہے کہ ابوطالب کی وفات کس مہینے میں ہوئی۔ ہم نے رجب کو اس لیے ترجیح دی ہے کہ بیشتر مآخذ کا اتفاق ہے کہ ان کی وفات شعب ابی طالب سے نکلنے کے چھ ماہ بعد ہوئی۔ اور محصوری کا آغاز محرم ۷ نبوی کی چاندرات سے ہوا تھا۔ اس حساب سے ان کی موت کا زمانہ رجب ۱۰ نبوی ہی ہوتا ہے۔

[۲] صحیح بخاری باب قصۃ ابی طالب ۱/۵۴۸

یہاں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ابوطالب نے نبی ﷺ کی کس قدر حمایت وحفاظت کی تھی۔ وہ درحقیقت مکے کے بڑوں اور احمقوں کے حملوں سے اسلامی دعوت کے بچاؤ کے لیے ایک قلعہ تھے، لیکن وہ بذاتِ خود اپنے بزرگ آباؤ اجداد کی ملت پر قائم رہے اس لیے مکمل کامیابی نہ پا سکے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ سے دریافت کیا: "آپؐ اپنے چچا کے کیا کام آسکے؟ کیونکہ وہ آپؐ کی حفاظت کرتے تھے اور آپ کے لیے (دوسروں پر) بگڑتے (اور ان سے لڑائی مول لیتے) تھے۔" آپ نے فرمایا: "وہ جہنم کی ایک چھچھلی جگہ میں ہیں۔ اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے سب سے گہرے کھڈ میں ہوتے۔" [۳]

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک بار نبی ﷺ کے پاس آپ کے چچا کا تذکرہ ہوا تو آپؐ نے فرمایا: "ممکن ہے قیامت کے دن انہیں میری شفاعت فائدہ پہنچا دے اور انہیں جہنم کی ایک کم گہری جگہ میں رکھ دیا جائے کہ آگ صرف ان کے دونوں ٹخنوں تک پہنچ سکے۔" [۴]

حضرت خدیجہؓ جوارِ رحمت میں

جناب ابوطالب کی وفات کے دو ماہ بعد یا صرف تین دن بعد ——— علی اختلاف الاقوال ——— حضرت اُمّ المؤمنین خَدِیجَۃُ الکبریٰ رضی اللہ عنہا بھی رحلت فرما گئیں۔ ان کی وفات نبوت کے دسویں سال ماہِ رمضان میں ہوئی۔ اس وقت وہ ۶۵ برس کی تھیں اور رسول اللہ ﷺ اپنی عمر کی پچاسویں منزل میں تھے۔ [۵]

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے لیے اللہ تعالیٰ کی بڑی گرانقدر نعمت تھیں۔ وہ ایک چوتھائی صدی آپؐ کی رفاقت میں رہیں اور اس دوران رنج وقلق کا وقت آتا تو آپؐ کے لیے تڑپ اٹھتیں سنگین اور مشکل ترین حالات میں آپؐ کو قوت پہنچاتیں تبلیغ رسالت میں آپؐ کی مدد کرتیں اور اس تلخ ترین جہاد کی سختیوں میں آپؐ کی شریک کار رہتیں۔ اور اپنی جان ومال سے آپؐ کی خیر خواہی وغمگساری کرتیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

۳-۴ صحیح بخاری باب قصۃ ابی طالب ۱/ ۵۴۸

۵ رمضان میں وفات کی صراحت ابن جوزی نے تلقیح الفہوم ص ۷ میں اور علامہ منصور پوری نے رحمۃ للعالمین ۲/ ۱۶۴ میں کی ہے۔

"جس وقت لوگوں نے میرے ساتھ کفر کیا وہ مجھ پر ایمان لائیں، جس وقت لوگوں نے مجھے جھٹلایا انہوں نے میری تصدیق کی جس وقت لوگوں نے مجھے محروم کیا انہوں نے مجھے اپنے مال میں شریک کیا اور اللہ نے مجھے ان سے اولاد دی اور دوسری بیویوں سے کوئی اولاد نہ دی"[۶]

صحیح بخاری میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی ﷺ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: "اے اللہ کے رسولؐ! یہ خدیجہؓ تشریف لا رہی ہیں۔ ان کے پاس ایک برتن ہے جس میں سالن یا کھانا یا کوئی مشروب ہے۔ جب وہ آپؐ کے پاس آپہنچیں تو آپؐ انہیں ان کے رب کی طرف سے سلام کہیں اور جنت میں موتی کے ایک محل کی بشارت دیں جس میں نہ شور و شغب ہوگا نہ درماندگی و تکان"[۷]

غم ہی غم

یہ دونوں الم انگیز حادثے صرف چند دنوں کے دوران پیش آئے۔ جس سے نبی ﷺ کے دل میں غم و الم کے احساسات موجزن ہوگئے اور اس کے بعد قوم کی طرف سے بھی مصائب کا طومار بندھ گیا کیونکہ ابوطالب کی وفات کے بعد ان کی جسارت بڑھ گئی اور وہ کھل کر آپؐ کو اذیت اور تکلیف پہنچانے لگے۔ اس کیفیت نے آپؐ کے غم و الم میں اور اضافہ کر دیا۔ آپؐ نے ان سے مایوس ہو کر طائف کی راہ لی کہ ممکن ہے وہاں لوگ آپؐ کی دعوت قبول کر لیں، آپؐ کو پناہ دے دیں۔ اور آپؐ کی قوم کے خلاف آپؐ کی مدد کریں، لیکن وہاں نہ کوئی پناہ دہندہ ملا نہ مددگار، بلکہ اُلٹے انہوں نے سخت اذیت پہنچائی اور ایسی بدسلوکی کہ خود آپؐ کی قوم نے ویسی بدسلوکی نہ کی تھی۔ (تفصیل آگے آرہی ہے)

یہاں اس بات کا اعادہ بے محل نہ ہوگا کہ اہل مکہ نے جس طرح نبی ﷺ کے خلاف ظلم و جور کا بازار گرم کر رکھا تھا اسی طرح وہ آپؐ کے رفقاء کے خلاف بھی ستم رانی کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھے، چنانچہ آپؐ کے ہمدم و ہمراز ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مکہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور حبشہ کے ارادے سے تن بہ تقدیر نکل پڑے، لیکن بَرکِ غماد پہنچے تو ابن دغنہ سے ملاقات ہو گئی اور وہ اپنی پناہ میں آپؓ کو مکہ واپس لے آیا۔[۸]

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب ابوطالب انتقال کر گئے تو قریش نے رسول اللہ ﷺ

---

[۶] مسند احمد ۶/ ۱۱۸ [۷] صحیح بخاری باب تزویج النبی ﷺ خدیجۃ وفضلہا ۱/ ۵۳۹
[۸] اکبر شاہ نجیب آبادی نے صراحت کی ہے کہ یہ واقعہ اسی سال پیش آیا تھا۔ دیکھئے تاریخ اسلام ۱/ ۱۲۰، اصل واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ ابن ہشام ۱/ ۳۷۲ تا ۳۷۴۔ اور صحیح بخاری ۱/ ۵۵۲، ۵۵۳ میں مذکور ہے۔

کو ایسی اذیت پہنچائی کہ ابو طالب کی زندگی میں کبھی اس کی آرزو بھی نہ کر سکے تھے حتیٰ کہ قریش کے ایک احمق نے سامنے آکر آپؐ کے سر پر مٹی ڈال دی۔ آپؐ اسی حالت میں گھر تشریف لائے مٹی آپؐ کے سر پر پڑی ہوئی تھی۔ آپؐ کی ایک صاحبزادی نے اُٹھ کر مٹی دھوئی۔ وہ دھوتے ہوئے روتی جا رہی تھیں اور رسول اللہ ﷺ انہیں تسلی دیتے ہوئے فرماتے جا رہے تھے "بیٹی! رو نہیں اللہ تمہارے ابا کی حفاظت کرے گا" اس دوران آپؐ یہ بھی فرماتے جا رہے تھے کہ قریش نے میرے ساتھ کوئی ایسی بدسلوکی نہ کی جو مجھے ناگوار گذری ہو یہاں تک کہ ابو طالب کا انتقال ہو گیا۔[9]

اسی طرح کے پے درپے آلام و مصائب کی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے اس سال کا نام عام الحزن یعنی غم کا سال رکھ دیا اور یہ سال اسی نام سے تاریخ میں مشہور ہو گیا۔

حضرت سَودَہ رضی اللہ عنہا سے شادی

اسی سال۔ شوال ۱۰ نبوت میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت سَودَہ بنت زَمعَہ رضؓ سے شادی کی۔ یہ ابتدائی دَور میں مسلمان ہو گئی تھیں اور دوسری ہجرت حبشہ کے موقع پر ہجرت بھی کی تھی۔ ان کے شوہر کا نام سکرانؓ بن عمرو تھا۔ وہ بھی قدیم الاسلام تھے اور حضرت سَودَہؓ نے انہیں کی رفاقت میں حبشہ کی جانب ہجرت کی تھی لیکن وہ حبشہ ہی میں ــــــ اور کہا جاتا ہے کہ مکہ واپس آکر انتقال کر گئے، اس کے بعد جب حضرت سَودَہؓ کی عدت ختم ہو گئی تو نبی ﷺ نے ان کو شادی کا پیغام دیا اور پھر شادی ہو گئی۔ یہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد پہلی بیوی ہیں جن سے رسول اللہ ﷺ نے شادی کی۔ چند برس بعد انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دی تھی۔[10]

○

---

[9] ابن ہشام ۱/۴۱۶ [10] رحمۃ للعالمین ۲/۱۶۵، تلقیح الفہوم ص ۶

اِبتدائی مُسلمانوں کا صبر و ثبات اور اسکے اَسباب و عوامل

یہاں پہنچ کر گہری سوجھ بوجھ اور مضبوط دل و دماغ کا آدمی بھی حیرت زدہ رہ جاتا ہے اور بڑے بڑے عقلاء دم بخود ہو کر پوچھتے ہیں کہ آخر وہ کیا اسباب و عوامل تھے جنہوں نے مسلمانوں کو اس قدر انتہائی اور معجزانہ حد تک ثابت قدم رکھا ؟ آخر مسلمانوں نے کس طرح ان بے پایاں مظالم پر صبر کیا جنہیں سُن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل لرز اٹھتا ہے۔ بار بار کھٹکنے اور دل کی تہوں سے اُبھرنے والے اس سوال کے پیش نظر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان اسباب و عوامل کی طرف ایک سرسری اشارہ کر دیا جائے۔

۱۔ ان میں سب سے پہلا اور اہم سبب اللہ کی ذاتِ واحد پر ایمان اور اس کی ٹھیک ٹھیک معرفت ہے کیونکہ جب ایمان کی بشاشت دلوں میں جاگزین ہو جاتی ہے تو وہ پہاڑوں سے ٹکرا جاتا ہے اور اسی کا پلہ بھاری رہتا ہے اور جو شخص ایسے ایمانِ محکم اور یقین کامل سے بہرہ ور ہو وہ دُنیا کی مشکلات کو۔۔ خواہ وہ جتنی بھی زیادہ ہوں اور جیسی بھی بھاری بھر کم، خطرناک اور سخت ہوں۔ اپنے ایمان کے بالمقابل اس کائی سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا جو کسی بند توڑ اور قلعہ شکن سیلاب کی بالائی سطح پر جم جاتی ہے۔ اس لیے مومن اپنے ایمان کی حلاوت، یقین کی تازگی اور اعتقاد کی بشاشت کے سامنے ان مشکلات کی کوئی پروا نہیں کرتا کیونکہ :

فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۖ وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ۚ (۱۳: ۱۷)

"جو جھاگ ہے وہ تو بے کار ہو کر اُڑ جاتا ہے اور جو لوگوں کو نفع دینے والی چیز ہے وہ زمین میں برقرار رہتی ہے۔"

پھر اسی ایک سبب سے ایسے اسباب وجود میں آتے ہیں جو اِس صبر و ثبات کو قوت بخشتے ہیں مثلاً :

۲۔ پُرکشش قیادت، نبی اکرم ﷺ جو اُمتِ اسلامیہ ہی نہیں بلکہ ساری انسانیت کے سب سے بلند پایہ قائد و رہنما تھے ایسے جسمانی جمال، نفسانی کمال، کریمانہ اخلاق، باعظمت کردار اور شریفانہ عادات و اطوار سے بہرہ ور تھے کہ دل خود بخود آپ ﷺ کی جانب کھنچے جاتے تھے اور

طبیعتیں خود بخود آپ ﷺ پر نچھاور ہوتی تھیں، کیونکہ جن کمالات پر لوگ جان چھڑکتے ہیں ان سے آپ ﷺ کو اتنا بھرپور حصہ ملا تھا کہ اتنا کسی اور انسان کو دیا ہی نہیں گیا۔ آپ ﷺ شرف و عظمت اور فضل و کمال کی سب سے بلند چوٹی پر جلوہ فگن تھے۔ عفت و امانت، صدق و صفا اور جملہ اُمورِ خیر میں آپ ﷺ کا وہ امتیازی مقام تھا کہ رفقاء تو رفقاء آپ ﷺ کے دشمنوں کو بھی آپ ﷺ کی یکتائی و انفرادیت پر کبھی شک نہ گذرا۔ آپ ﷺ کی زبان سے جو بات نکل گئی، دشمنوں کو بھی یقین ہوگیا کہ وہ سچی ہے اور ہو کر رہے گی۔ واقعات اس کی شہادت دیتے ہیں۔ ایک بار قریش کے ایسے تین آدمی اکٹھے ہوئے جن میں سے ہر ایک نے اپنے بقیہ دو ساتھیوں سے چھپ چھپا کر تن تنہا قرآنِ مجید سنا تھا لیکن بعد میں ہر ایک کا راز دوسرے پر فاش ہوگیا تھا۔ ان ہی تینوں میں سے ایک ابوجہل بھی تھا۔ تینوں اکٹھے ہوئے تو ایک نے ابوجہل سے دریافت کیا کہ بتاؤ تم نے جو کچھ محمد (ﷺ) سے سنا ہے اس کے بارے میں تمہاری رائے کیا ہے؟ ابوجہل نے کہا "میں نے کیا سنا ہے؟ بات دراصل یہ ہے کہ ہم نے اور بنو عبدِ مناف نے شرف و عظمت میں ایک دوسرے کا مقابلہ کیا۔ انہوں نے (غرباء و مساکین کو) کھلایا تو ہم نے بھی کھلایا۔ انہوں نے داد و دہش میں سواریاں عطا کیں تو ہم نے بھی عطا کیں، انہوں نے لوگوں کو عطیات سے نوازا تو ہم نے بھی ایسا کیا، یہاں تک کہ جب ہم اور وہ گھٹنوں گھٹنوں ایک دوسرے کے ہم پلہ ہوگئے اور ہماری اور ان کی حیثیت ریس کے دو مدِّمقابل گھوڑوں کی ہوگئی تو اب بنو عبدِ مناف کہتے ہیں کہ ہمارے اندر ایک نبی (ﷺ) ہے جس کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے۔ بھلا بتائیے ہم اسے کب پاسکتے ہیں؟ خدا کی قسم! ہم اس شخص پر کبھی ایمان نہ لائیں گے، اور اس کی ہرگز تصدیق نہ کریں گے۔" چنانچہ ابوجہل کہا کرتا تھا: "اے محمد (ﷺ) ہم نہیں جھوٹا نہیں کہتے، لیکن تم جو کچھ لے کر آئے ہو اس کی تکذیب کرتے ہیں" اسی بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ۝ (۶:۳۳)

"یہ لوگ آپ کو نہیں جھٹلاتے، بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔"

اس واقعے کی تفصیل گذر چکی ہے کہ ایک روز کُفّار نے نبی ﷺ کو تین بار لعن طعن کی اور تیسری دفعہ میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے قریش کی جماعت! میں تمہارے پاس ذبح (کا حکم) لے کر آیا ہوں تو یہ بات ان پر اس طرح اثر کر گئی کہ جو شخص عداوت میں سب سے بڑھ کر تھا وہ بھی

بہتر سے بہتر جو حیلہ پا سکتا تھا اس کے ذریعے آپ ﷺ کو راضی کرنے کی کوشش میں لگ گیا۔ اسی طرح اس کی بھی تفصیل گذر چکی ہے کہ جب حالت سجدہ میں آپ ﷺ پر اوجھڑی ڈالی گئی، اور آپ ﷺ نے سر اٹھانے کے بعد اس حرکت کے کرنے والوں پر بددعا کی تو ان کی ہنسی ہوا ہو گئی۔ اور ان کے اندر غم و قلق کی لہر دوڑ گئی۔ انہیں یقین ہو گیا کہ اب ہم بچ نہیں سکتے۔

یہ واقعہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ آپ ﷺ نے ابولہب کے بیٹے عُتَیبَہ پر بددعا کی تو اسے یقین ہو گیا کہ وہ آپ ﷺ کی بددعا کی زد سے بچ نہیں سکتا، چنانچہ اس نے ملک شام کے سفر میں شیر کو دیکھتے ہی کہا: "واللہ محمد (ﷺ) نے مکہ میں رہتے ہوئے مجھے قتل کر دیا"۔

اُبَی بن خلف کا واقعہ ہے کہ وہ بار بار آپ ﷺ کو قتل کی دھمکیاں دیا کرتا تھا۔ ایک بار آپ ﷺ نے جواباً فرمایا کہ (تم نہیں) بلکہ میں تمہیں قتل کروں گا، ان شاء اللہ۔ اس کے بعد جب آپ ﷺ نے جنگ احد کے روز اُبی کی گردن پر نیزہ مارا تو اگرچہ اس سے معمولی خراش آئی تھی لیکن اُبَی برابر یہی کہے جا رہا تھا کہ محمد ﷺ نے مجھ سے مکہ میں کہا تھا کہ میں تمہیں قتل کروں گا اس لیے اگر وہ مجھ پر تھوک ہی دیتا تو بھی میری جان نکل جاتی۔[۱] (تفصیل آگے آ رہی ہے)

اسی طرح ایک بار حضرت سَعد بن معاذ نے مکے میں اُمَیّہ بن خلف سے کہہ دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مسلمان تمہیں قتل کریں گے تو اس سے اُمَیّہ پر سخت گھبراہٹ طاری ہو گئی، جو مسلسل قائم رہی چنانچہ اس نے عہد کر لیا کہ وہ مکے سے باہر ہی نہ نکلے گا۔ اور جب جنگِ بَدر کے موقع پر ابوجہل کے اصرار سے مجبور ہو کر نکلنا پڑا تو اس نے مکے کا سب سے تیز رو اونٹ خریدا تاکہ خطرے کی علامات ظاہر ہوتے ہی چمپت ہو جائے۔ ادھر جنگ میں جانے پر آمادہ دیکھ کر اس کی بیوی نے بھی ٹوکا کہ ابوصفوان! آپ کے یثربی بھائی نے جو کچھ کہا تھا اسے آپ بھول گئے؟ ابوصفوان نے جواب میں کہا کہ نہیں، بلکہ میں خدا کی قسم ان کے ساتھ تھوڑی ہی دور جاؤں گا۔[۲]

یہ تو آپ ﷺ کے دشمنوں کا حال تھا۔ باقی رہے آپ ﷺ کے صحابہؓ اور رفقاء

---

[۱] ابن ہشام ۱/۳۱۶ [۲] ترمذی: تفسیر سورۃ الانعام ۲/۱۳۲

[۳] ابن ہشام ۲/۸۴ [۴] صحیح بخاری ۲/۵۶۳

تو آپ ﷺ تو ان کے لیے دیدۂ و دل اور جان و روح کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کے دل کی گہرائیوں سے آپ ﷺ کے لیے حُبِّ صادق کے جذبات اس طرح اُبلتے تھے جیسے نشیب کی طرف پانی بہتا ہے اور جان و دل اس طرح آپ ﷺ کی طرف کھنچتے تھے جیسے لوہا مقناطیس کی طرف کھنچتا ہے۔

فصورته هیولیٰ کل جسم ومغناطیس افئدة الرجال

آپ کی صورت ہر جسم کا ہیُولیٰ تھی اور آپ کا وجود ہر دل کے لیے مقناطیس

اس محبت و فداکاری اور جاں نثاری و جاں سپاری کا نتیجہ یہ تھا کہ صحابہ کرام کو یہ گوارا نہ تھا کہ آپ ﷺ کے ناخن میں خراش تک آجائے یا آپ ﷺ کے پاؤں میں کانٹا ہی چبھ جائے خواہ اس کے لیے ان کی گردنیں ہی کیوں نہ کوٹ دی جائیں۔

ایک روز ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بری طرح کچل دیا گیا اور انہیں سخت مار ماری گئی۔ عُتبہ بن رَبیعہ ان کے قریب آکر انھیں دو پیوند لگے ہوئے جوتوں سے مارنے لگا۔ چہرے کو خصوصیت سے نشانہ بنایا۔ پھر پیٹ پر چڑھ گیا۔ کیفیت یہ تھی کہ چہرے اور ناک کا پتہ نہیں چل رہا تھا۔ پھر ان کے قبیلہ بنو تیم کے لوگ انہیں ایک کپڑے میں لپیٹ کر گھر لے گئے۔ انہیں یقین تھا کہ اب یہ زندہ نہ بچیں گے لیکن دن کے خاتمے کے قریب ان کی زبان کھل گئی۔ (اور زبان کھلی تو یہ) بولے کہ رسول اللہ ﷺ کیا ہوئے؟ اس پر بنو تیم نے انہیں سخت سست کہا۔ ملامت کی اور ان کی ماں اُمّ الخیر سے یہ کہہ کر اُٹھ کھڑے ہوئے کہ انہیں کچھ کھلا پلا دینا۔ جب وہ تنہا رہ گئیں تو انہوں نے ابوبکرؓ سے کھانے پینے کے لیے اصرار کیا لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ یہی کہتے رہے کہ رسول اللہ ﷺ کا کیا ہوا؟ آخر کار ام الخیر نے کہا: "مجھے تمہارے ساتھی کا حال معلوم نہیں"۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: "اُمِّ جمیل بنت خطاب کے پاس جاؤ اور اس سے دریافت کرو"۔ وہ اُمِّ جمیل کے پاس گئیں اور بولیں، "ابوبکرؓ تم سے محمدؐ بن عبداللہ (ﷺ) کے بارے میں دریافت کر رہے ہیں"۔ اُمِّ جمیل نے کہا "میں نہ ابوبکرؓ کو جانتی ہوں نہ محمدؐ بن عبداللہ ﷺ کو۔ البتہ اگر تم چاہو تو میں تمہارے ساتھ تمہارے صاحبزادے کے پاس چل سکتی ہوں"۔ اُمّ الخیر نے کہا بہتر ہے۔ اس کے بعد ام جمیل ان کے ہمراہ آئیں دیکھا تو ابوبکرؓ انتہائی خستہ حال پڑے تھے۔ پھر قریب ہوئیں تو چیخ پڑیں اور کہنے لگیں "جس قوم نے آپ کی یہ درگت بنائی ہے وہ یقیناً بدقماش اور کافر قوم ہے مجھے امید ہے

کہ اللہ آپ کا بدلہ ان سے لے کر رہے گا۔" ابو بکرؓ نے پوچھا: "رسول اللہ ﷺ کیا ہوتے؟" انہوں نے کہا "یہ آپ کی ماں سُن رہی ہیں" کہا کوئی بات نہیں۔ بولیں: "آپ صحیح سالم ہیں۔" پوچھا کہاں ہیں؟ کہا: "ابن ارقم کے گھر میں ہیں"۔ ابو بکرؓ نے فرمایا: "اچھا تو پھر اللہ کے لیے مجھ پر عہد ہے کہ میں نہ کوئی کھانا کھاؤں گا نہ پانی پیوں گا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں"۔ اس کے بعد ام الخیر اور ام جمیل رکی رہیں۔ جب آمد و رفت بند ہو گئی اور سناٹا چھا گیا تو یہ دونوں ابو بکرؓ کو لے کر نکلیں۔ وہ ان پر ٹیک لگائے ہوئے تھے اور اس طرح انہوں نے ابو بکرؓ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا دیا۔ ۵

محبت و جاں سپاری کے کچھ اور بھی نادر واقعات ہم اپنی اس کتاب میں موقع بہ موقع نقل کریں گے خصوصاً جنگ احد کے واقعات اور حضرت خبیبؓ کے حالات کے ضمن میں۔

۳۔ احساسِ ذمہ داری — صحابہؓ کرام جانتے تھے کہ یہ مشتِ خاک جسے انسان کہا جاتا ہے اس پر کتنی بھاری بھرکم اور زبردست ذمہ داریاں ہیں اور یہ کہ ان ذمہ داریوں سے کسی صورت میں گریز اور پہلو تہی نہیں کی جا سکتی کیونکہ اس گریز کے جو نتائج ہوں گے وہ موجودہ ظلم و ستم سے زیادہ خوفناک اور ہلاکت آفریں ہوں گے۔ اور اس گریز کے بعد خود ان کو اور ساری انسانیت کو جو خسارہ لاحق ہوگا وہ اس قدر شدید ہوگا کہ اس ذمہ داری کے نتیجہ میں پیش آنے والی مشکلات اس خسارے کے مقابل کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔

۴۔ آخرت پر ایمان — جو مذکورہ احساسِ ذمہ داری کی تقویت کا باعث تھا صحابہؓ کرام اس بات پر غیر متزلزل یقین رکھتے تھے کہ انہیں رب العالمین کے سامنے کھڑے ہونا ہے پھر ان کے چھوٹے بڑے اور معمولی و غیر معمولی ہر طرح کے اعمال کا حساب لیا جائے گا۔ اس کے بعد یا تو نعمتوں بھری دائمی جنت ہوگی یا عذاب سے بھڑکتی ہوئی جہنم۔ اس یقین کا نتیجہ یہ تھا کہ صحابہؓ کرام اپنی زندگی امید و بیم کی حالت میں گذارتے تھے؛ یعنی اپنے پروردگار کی رحمت کی امید رکھتے تھے اور اس کے عذاب کا خوف بھی اور ان کی کیفیت وہی رہتی تھی جو اس آیت میں بیان کی گئی ہے کہ

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ○ (۶۰:۲۳)

---

۵ البدایہ والنہایہ ۳/۳۰

"وہ جو کچھ کرتے ہیں دل کے اس خوف کے ساتھ کرتے ہیں کہ انہیں اپنے رب کے پاس پلٹ کر جانا ہے"۔

انہیں اِس کا بھی یقین تھا کہ دُنیا اپنی ساری نعمتوں اور مصیبتوں سمیت آخرت کے مقابل مچھر کے ایک پر کے برابر بھی نہیں اور یہ یقین اتنا پختہ تھا کہ اس کے سامنے دنیا کی ساری مشکلات مشقتیں اور تلخیاں ہیچ تھیں۔ اس لیے وہ ان مشکلات اور تلخیوں کو کوئی حیثیت نہیں دیتے تھے۔

۵۔ ان ہی پُرخطر، مشکل ترین اور تیرہ و تار حالات میں ایسی سورتیں اور آیتیں بھی نازل ہو رہی تھیں جن میں بڑے ٹھوس اور پُرکشش انداز سے اسلام کے بنیادی اصولوں پر دلائل و براہین قائم کیے گئے تھے اور اس وقت اسلام کی دعوت انہی اصولوں کے گرد گردش کر رہی تھی۔ ان آیتوں میں اہلِ اسلام کو ایسے بنیادی اُمور بتلائے جا رہے تھے جن پر اللہ تعالیٰ نے عالمِ انسانیت کے سب سے باعظمت اور پُررونق معاشرے یعنی اسلامی معاشرے کی تعمیر و تشکیل مقدر کر رکھی تھی۔ نیز ان آیات میں مسلمانوں کے جذبات و احساسات کو پامردی و ثابت قدمی پر اُبھارا جا رہا تھا، اس کے لیے مثالیں دی جا رہی تھیں اور اس کی حکمتیں بیان کی جاتی تھیں۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ○ (۲:۲۱۴)

"تم سمجھتے ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی تم پر ان لوگوں جیسی حالت نہیں آئی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ وہ سختیوں اور بدحالیوں سے دوچار ہوئے اور انہیں جھنجوڑ دیا گیا یہاں تک کہ رسول اور جو لوگ ان پر ایمان لائے تھے بول اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ سنو! اللہ کی مدد قریب ہی ہے"۔

الٓمّٓ ○ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْۤا اَنْ يَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ○ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ○ (۲۹: ۱-۳)

"الٓمّٓ۔ کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ انہیں یہ کہنے پر چھوڑ دیا جائے گا کہ ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی حالانکہ ان سے پہلے جو لوگ تھے ہم نے ان کی آزمائش کی؛ لہٰذا (ان کے بارے میں بھی) اللہ یہ ضرور معلوم کرے گا کہ کن لوگوں نے سچ کہا اور یہ بھی ضرور معلوم کرے گا کہ کون لوگ جھوٹے ہیں"۔

اور انہی کے پہلو بہ پہلو ایسی آیات کا نزول بھی ہو رہا تھا جن میں کفار و معاندین کے اعتراضات کے دندان شکن جواب دیے گئے تھے۔ ان کے لیے کوئی حیلہ باقی نہیں چھوڑا گیا تھا اور انہیں

بڑے واضح اور دو ٹوک الفاظ میں تبلادیا گیا تھا کہ اگر وہ اپنی گمراہی اور عناد پر مُصِر رہے تو اس کے نتائج کس قدر سنگین ہوں گے۔ اس کی دلیل میں گذشتہ قوموں کے ایسے واقعات اور تاریخی شواہد پیش کیے گئے تھے جن سے واضح ہوتا تھا کہ اللہ کی سنّت اپنے اولیاء اور اعداء کے بارے میں کیا ہے۔ پھر اس ڈراوے کے پہلو بہ پہلو لطف و کرم کی باتیں بھی کہی جارہی تھیں اور افہام و تفہیم اور ارشاد و رہنمائی کا حق بھی ادا کیا جارہا تھا تاکہ باز آنے والے اپنی کھلی گمراہی سے باز آسکیں۔

درحقیقت قرآن مسلمانوں کو ایک دوسری ہی دنیا کی سیر کراتا تھا اور انہیں کائنات کے مشاہد، ربوبیت کے جمال، الوہیت کے کمال، رحمت و رافت کے آثار اور لُطف و رضا کے ایسے ایسے جلوے دکھاتا تھا کہ ان کے جذب و شوق کے آگے کوئی رکاوٹ برقرار ہی نہ رہ سکتی تھی۔

پھر انہیں آیات کی تہ میں مسلمانوں سے ایسے ایسے خطاب بھی ہوتے تھے جن میں پروردگار کی طرف سے رحمت و رضوان اور دائمی نعمتوں سے بھری ہوئی جنّت کی بشارت ہوتی تھی اور ظالم و سرکش دشمنوں اور کافروں کے ان حالات کی تصویر کشی ہوتی تھی کہ وہ رب العالمین کی عدالت میں فیصلے کے لیے کھڑے کیے جائیں گے۔ ان کی بھلائیاں اور نیکیاں ضبط کر لی جائیں گی اور انہیں چہروں کے بل گھسیٹ کر یہ کہتے ہوئے جہنم میں پھینک دیا جائے گا کہ لو جہنّم کا لطف اٹھاؤ۔

۶۔ **کامیابی کی بشارتیں**۔ ان ساری باتوں کے علاوہ مسلمانوں کو اپنی مظلومیت کے پہلے ہی دن سے ــــ بلکہ اس کے بھی پہلے سے ــــ معلوم تھا کہ اسلام قبول کرنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ دائمی مصائب اور ہلاکت خیزیاں مول لے لی گئیں بلکہ اسلامی دعوت روزِ اوّل سے جاہلیت جہلاء اور اس کے ظالمانہ نظام کے خاتمے کے عزائم رکھتی ہے اور اس دعوت کا ایک اہم نشانہ یہ بھی ہے کہ وہ روئے زمین پر اپنا اثر و نفوذ پھیلائے اور دنیا کے سیاسی موقف پر اس طرح غالب آجائے کہ انسانی جمعیت اور اقوامِ عالم کو اللہ کی مرضی کی طرف لے جاسکے۔ اور انہیں بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں داخل کرسکے۔

قرآن مجید میں یہ بشارتیں ــــ کبھی اشارۃً اور کبھی صراحۃً ــــ نازل ہوتی تھیں۔ چنانچہ ایک

طرف حالات یہ تھے کہ مسلمانوں پر پوری روئے زمین اپنی ساری وُسعتوں کے باوجود تنگ بنی ہوئی تھی اور ایسا لگتا تھا کہ اب وہ پنپ نہ سکیں گے بلکہ ان کا مکمل صفایا کر دیا جائے گا مگر دوسری طرف ان ہی حوصلہ شکن حالات میں ایسی آیات کا نزول بھی ہوتا رہتا تھا جن میں پچھلے انبیاء کے واقعات اور ان کی قوم کی تکذیب وکفر کی تفصیلات مذکور ہوتی تھیں اور ان آیات میں ان کا جو نقشہ کھینچا جاتا تھا وہ بعینہٖ وہی ہوتا تھا جو مکے کے مسلمانوں اور کافروں کے مابین درپیش تھا؛ اس کے بعد یہ بھی بتایا جاتا تھا کہ ان حالات کے نتیجے میں کس طرح کافروں اور ظالموں کو ہلاک کیا گیا اور اللہ کے نیک بندوں کو روئے زمین کا وارث بنایا گیا۔ اس طرح ان آیات میں واضح اشارہ ہوتا تھا کہ آگے چل کر اہلِ مکہ ناکام ونامراد رہیں گے اور مسلمان اور ان کی اسلامی دعوت کامیابی سے ہمکنار ہوگی۔ پھر ان ہی حالات وایام میں بعض ایسی بھی آیتیں نازل ہو جاتی تھیں جن میں صراحت کے ساتھ اہلِ ایمان کے غلبے کی بشارت موجود ہوتی تھی۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ۝ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنصُورُونَ ۝ وَإِنَّ جُندَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ۝ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ۝ وَأَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ ۝ أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ۝ فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنذَرِينَ ۝ (۳۷: ۱۷۱-۱۷۷)

"اپنے فرستادہ بندوں کے لیے ہمارا پہلے ہی یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ ان کی ضرور مدد کی جائے گی اور یقیناً ہمارا ہی لشکر غالب رہے گا، پس (اے نبی ﷺ) ایک وقت تک کے لیے تم ان سے رُخ پھیر لو اور انہیں دیکھتے رہو عنقریب یہ خود بھی دیکھ لیں گے۔ کیا یہ ہمارے عذاب کے لیے جلدی مچا رہے ہیں تو جب وہ ان کے صحن میں اتر پڑے گا تو ڈرائے گئے لوگوں کی صبح بُری ہو جائے گی۔"

نیز ارشاد ہے۔

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ۝ (۵۴: ۴۵)

"عنقریب اس جمعیت کو شکست دے دی جائے گی اور یہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔"

جُندٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِّنَ الْأَحْزَابِ ۝ (۳۸: ۱۱)

"یہ جتھوں میں سے ایک معمولی سا جتھہ ہے جسے یہیں شکست دی جائے گی۔"

مہاجرینِ حبشہ کے بارے میں ارشاد ہُوا۔

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِن بَعْدِ مَا ظُلِمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝ (۱۶: ۴۱)

"جن لوگوں نے مظلومیت کے بعد اللہ کی راہ میں ہجرت کی ہم انہیں یقیناً دنیا میں بہترین ٹھکانہ عطا کریں گے۔ اور آخرت کا اجر بہت ہی بڑا ہے اگر لوگ جانیں۔"

اسی طرح کفّار نے رسول اللہ ﷺ سے حضرت یوسف علیہ السّلام کا واقعہ پوچھا تو جواب میں ضمناً یہ آیت بھی نازل ہوئی۔

لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِّلسَّائِلِينَ ○ (۱۲: ۷)

"یوسف اور ان کے بھائیوں (کے واقعے) میں پوچھنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔"

یعنی اہلِ مکہ جو آج حضرت یوسف علیہ السّلام کا واقعہ پوچھ رہے ہیں یہ خود بھی اسی طرح ناکام ہوں گے جس طرح حضرت یوسف علیہ السّلام کے بھائی ناکام ہوئے تھے۔ اور ان کی سپراندازی کا وہی حال ہوگا جو ان کے بھائیوں کا ہوا تھا۔ انہیں حضرت یوسف علیہ السّلام اور ان کے بھائیوں کے واقعے سے عبرت پکڑنی چاہیئے کہ ظالم کا حشر کیا ہوتا ہے۔ ایک جگہ پیغمبروں کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد ہوا:

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُم مِّنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا ۖ فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِينَ ○ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْأَرْضَ مِن بَعْدِهِمْ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِي وَخَافَ وَعِيدِ ○ (۱۴: ۱۳/۱۴)

"کفّار نے اپنے پیغمبروں سے کہا کہ ہم تمہیں اپنی زمین سے ضرور نکال دیں گے یا یہ کہ تم ہماری ملّت میں واپس آجاؤ۔ اس پر ان کے رب نے ان کے پاس وحی بھیجی کہ ہم ظالموں کو یقیناً ہلاک کر دیں گے۔ یہ (وعدہ) ہے اس شخص کے لیے جو میرے پاس کھڑے ہونے سے ڈرے اور میری وعید سے ڈرے۔"

اسی طرح جس وقت فارس و روم میں جنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے اور کفّار چاہتے تھے کہ فارسی غالب آجائیں کیونکہ فارسی مشرک تھے اور مسلمان چاہتے تھے کہ رومی غالب آجائیں، کیونکہ رومی بہرحال اللہ پر، پیغمبروں پر، وحی پر، آسمانی کتابوں پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے کے دعویدار تھے، لیکن غلبہ فارسیوں کو حاصل ہوتا جا رہا تھا تو اس وقت اللہ نے یہ خوشخبری نازل فرمائی کہ چند برس بعد رومی غالب آجائیں گے، لیکن اسی ایک بشارت پر اکتفانہ کی بلکہ اس ضمن میں یہ بشارت بھی نازل فرمائی کہ رومیوں کے غلبے کے وقت اللہ تعالیٰ مومنین کی بھی خاص مدد فرمائے گا جس سے وہ خوش ہو جائیں گے، چنانچہ ارشاد ہے:

..وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ (۳۰: ۴/۵)

"یعنی اس دن اہلِ ایمان بھی اللہ کی (ایک خاص) مدد سے خوش ہو جائیں گے۔"

(اور آگے چل کر اللہ کی یہ مدد جنگِ بدر کے اندر حاصل ہونے والی عظیم کامیابی اور فتح کی شکل میں نازل ہوئی۔)

قرآن کے علاوہ خود رسول اللہ ﷺ بھی مسلمانوں کو وقتاً فوقتاً اس طرح کی خوشخبری سنایا کرتے تھے؛ چنانچہ موسم حج میں آپ عکاظ، مجنہ اور ذو المجاز کے بازاروں میں لوگوں کے اندر تبلیغ رسالت کے لیے تشریف لے جاتے تو صرف جنّت ہی کی بشارت نہیں دیتے تھے بلکہ دو ٹوک لفظوں میں اس کا بھی اعلان فرماتے تھے:

يَآيُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا وَتَمْلِكُوْا بِهَا الْعَرَبَ وَتَدِيْنُ لَكُمْ بِهَا الْعَجَمُ فَاِذَا مُتُّمْ كُنْتُمْ مُلُوْكًا فِي الْجَنَّةِ۔ [۱]

"لوگو! لا الٰہ اِلّا اللہ کہو، کامیاب رہو گے؛ اور اس کی بدولت عرب کے بادشاہ بن جاؤ گے اور اس کی وجہ سے عجم بھی تمہارے زیرنگیں آجائے گا پھر جب تم وفات پاؤ گے تو جنّت کے اندر بادشاہ رہو گے۔"

یہ واقعہ پچھلے صفحات میں گذر چکا ہے کہ جب عُتبہ بن ربیعہ نے آپ ﷺ کو متاعِ دنیا پیش کر کے سودے بازی کرنی چاہی اور آپ ﷺ نے جواب میں حٰم تنزیل السجدہ کی آیات پڑھ کر سنائیں تو عتبہ کو یہ توقع بندھ گئی کہ انجام کار آپؐ غالب رہیں گے۔

اسی طرح ابو طالب کے پاس آنے والے قریش کے آخری وفد سے آپ ﷺ کی جو گفتگو ہوئی تھی اس کی بھی تفصیلات گذر چکی ہیں۔ اس موقعے پر بھی آپ ﷺ نے پوری صراحت کے ساتھ فرمایا تھا کہ آپ ﷺ ان سے صرف ایک بات چاہتے ہیں جسے وہ مان لیں تو عرب ان کا تابع فرمان بن جائے اور عجم پر ان کی بادشاہت قائم ہو جائے۔

حضرت خبّاب بن اَرَت کا ارشاد ہے کہ ایک بار میں خدمتِ نبوی ﷺ میں حاضر ہُوا۔ آپؐ کعبہ کے سائے میں ایک چادر کو تکیہ بنائے تشریف فرما تھے۔ اس وقت ہم مشرکین کے ہاتھوں سختی سے دوچار تھے۔ میں نے کہا "کیوں نہ آپ ﷺ اللہ سے دعا فرمائیں۔" یہ سُن کر آپ ﷺ اُٹھ بیٹھے، آپ ﷺ کا چہرہ سُرخ ہو گیا اور آپ ﷺ نے فرمایا: "جو لوگ تم سے پہلے تھے، ان کی ہڈیوں تک گوشت اور اعصاب میں لوہے

---

[۱] ترمذی

کی کنگھیاں کر دی جاتی تھیں لیکن یہ سختی بھی انہیں دین سے باز نہ رکھتی تھی"۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ اس امر کو یعنی دین کو مکمل کر کے رہے گا یہاں تک کہ سوار صنعاء سے حضر موت تک جائیگا اور اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا۔ البتہ بکری پر بھیڑیے کا خوف ہوگا"[۷] ایک روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ —— لیکن تم لوگ جلدی کر رہے ہو"[۸] یاد رہے کہ یہ بشارتیں کچھ ڈھکی چھپی نہ تھیں۔ بلکہ معروف و مشہور تھیں۔ اور مسلمانوں ہی کی طرح کفار بھی ان سے واقف تھے، چنانچہ جب اسود بن مُطّلب اور اس کے رفقاء صحابہ کرام کو دیکھتے تو طعنہ زنی کرتے ہوئے آپس میں کہتے کہ یہ لیجئے آپ کے پاس رُوئے زمین کے بادشاہ آگئے ہیں۔ یہ جلد ہی شاہانِ قیصر و کسریٰ کو مغلوب کر لیں گے۔ اس کے بعد وہ سیٹیاں اور تالیاں بجاتے۔[۹]

بہر حال صحابہؓ کرام کے خلاف اس وقت ظلم و ستم اور مصائب و آلام کا جو ہمہ گیر طوفان برپا تھا اس کی حیثیت حصولِ جنت کی اِن یقینی امیدوں اور تابناک و پُر وقار مستقبل کی ان بشارتوں کے مقابل اس بادل سے زیادہ نہ تھی جو ہوا کے ایک ہی جھٹکے سے بکھر کر تحلیل ہو جاتا ہے۔

علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ اہلِ ایمان کو ایمانی مرغوبات کے ذریعے مسلسل روحانی غذا فراہم کر رہے تھے۔ تعلیمِ کتاب و حکمت کے ذریعے ان کے نفوس کا تزکیہ فرما رہے تھے۔ نہایت دقیق اور گہری تربیت دے رہے تھے اور رُوح کی بلندی، قلب کی صفائی، اخلاق کی پاکیزگی مادیات کے غلبے سے آزادی، شہوات کی مُقاومت اور رب السمٰوات والارض کی کشش کے مقامات کی جانب ان کے نفوسِ قدسیہ کی حدی خوانی فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ ان کے دلوں کی بجھتی ہوئی چنگاری کو بھڑکتے ہوئے شعلوں میں تبدیل کر دیتے تھے اور انہیں تاریکیوں سے نکال کر نورزارِ ہدایت میں پہنچا رہے تھے۔ انہیں اذیتوں پر صبر کی تلقین فرماتے تھے اور شریفانہ درگذر اور ضبطِ نفس کی ہدایت دیتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کی دینی پختگی فزوں تر ہوتی گئی۔ اور وہ شہوات سے کنارہ کشی، رضائے الٰہی کی راہ میں جاں سپاری، جنت کے شوق، علم کی حرص، دین کی سمجھ، نفس کے محاسبے، جذبات کو دبانے، رجحانات کو موڑنے، ہیجانات کی لہروں پر قابو پانے اور صبر و سکون اور عزّ و وقار کی پابندی کرنے میں انسانیت کا نادرۂ روزگار نمونہ بن گئے۔

---

۷ صحیح بخاری ۱/۵۴۳ ۸ صحیح بخاری ۱/۵۱۰ ۹ فقہ السیرہ ص ۸۴

تیسرا مرحلہ :

بیرونِ مکہ دعوتِ اسلام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف میں

شوال سنہ ۱۰ نبوت (اواخر مئی یا اوائل جون ۶۱۹ء[1]) میں نبی ﷺ طائف تشریف لے گئے۔ یہ مکے سے تقریباً ساٹھ میل دُور ہے۔ آپ ﷺ نے یہ مسافت آتے جاتے پیدل طے فرمائی تھی۔ آپ ﷺ کے ہمراہ آپؐ کے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ بن حارثہ تھے۔ راستے میں جس قبیلے سے گذر ہوتا اسے اسلام کی دعوت دیتے لیکن کسی نے بھی یہ دعوت قبول نہ کی۔ جب طائف پہنچے تو قبیلہ ثقیف کے تین سرداروں کے پاس تشریف لے گئے جو آپس میں بھائی تھے اور جن کے نام یہ تھے: عبدِ یالیل، مسعود اور حبیب ان تینوں کے والد کا نام عمرو بن عمیر ثقفی تھا۔ آپ ﷺ نے ان کے پاس بیٹھنے کے بعد انہیں اللہ کی اطاعت اور اسلام کی مدد کی دعوت دی۔ جواب میں ایک نے کہا کہ وہ کعبے کا پردہ پھاڑے اگر اللہ نے تمہیں رسول بنایا ہو[2]۔ دوسرے نے کہا: "کیا اللہ کو تمہارے علاوہ کوئی اور نہ ملا؟" تیسرے نے کہا: "مَیں تم سے ہرگز بات نہ کروں گا۔ اگر تم واقعی پیغمبر ہو تو تمہاری بات رد کرنا میرے لیے انتہائی خطرناک ہے اور اگر تم نے اللہ پر جھوٹ گھڑ رکھا ہے تو پھر مجھے تم سے بات کرنی ہی نہیں چاہیئے۔" یہ جواب سُن کر آپ ﷺ وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور صرف اتنا فرمایا: "تم لوگوں نے جو کچھ کیا، بہرحال اسے پسِ پردہ ہی رکھنا۔"

رسول اللہ ﷺ نے طائف میں دس دن قیام فرمایا۔ اس دوران آپ ﷺ ان کے ایک ایک سردار کے پاس تشریف لے گئے اور ہر ایک سے گفتگو کی لیکن سب کا ایک ہی جواب تھا کہ تم ہمارے شہر سے نکل جاؤ۔ بلکہ انہوں نے اپنے اوباشوں کو شہ دے دی۔

---

[1] مولانا نجیب آبادی نے تاریخ اسلام ۱/ ۱۲۲ میں اس کی صراحت کی ہے اور یہی میرے نزدیک بھی راجح ہے۔

[2] یہ اردو کے اس محاورے سے ملتا جلتا ہے کہ "اگر تم پیغمبر ہو تو اللہ مجھے غارت کرے"۔ مقصود اس یقین کا اظہار ہے کہ تمہارا پیغمبر ہونا ناممکن ہے جیسے کعبے کے پردے پر دست درازی کرنا ناممکن ہے۔

چنانچہ جب آپ ﷺ نے واپسی کا قصد فرمایا تو یہ اوباش گالیاں دیتے، تالیاں پیٹتے اور شور مچاتے آپ ﷺ کے پیچھے لگ گئے، اور دیکھتے دیکھتے اتنی بھیڑ جمع ہو گئی کہ آپ ﷺ کے راستے کے دونوں جانب لائن لگ گئی۔ پھر گالیوں اور بدزبانیوں کے ساتھ ساتھ پتھر بھی چلنے لگے جس سے آپ ﷺ کی ایڑی پر اتنے زخم آئے کہ دونوں جوتے خون میں تر بتر ہو گئے۔ ادھر حضرت زید بن حارثہؓ ڈھال بن کر چلتے ہوئے پتھروں کو روک رہے تھے جس سے ان کے سر میں کئی جگہ چوٹ آئی۔ بدمعاشوں نے یہ سلسلہ برابر جاری رکھا یہاں تک کہ آپ کو عُتبہ اور شَیبہ ابنائے ربیعہ کے ایک باغ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ یہ باغ طائف سے تین میل کے فاصلے پر واقع تھا۔

جب آپ ﷺ نے یہاں پناہ لی تو بھیڑ واپس چلی گئی اور آپ ﷺ ایک دیوار سے ٹیک لگا کر انگور کی بیل کے سائے میں بیٹھ گئے۔ قدرے اطمینان ہُوا تو دعا فرمائی جو دعائے مستضعفین کے نام سے مشہور ہے۔ اُس دُعا کے ایک ایک فقرے سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ طائف میں اس بدسلوکی سے دوچار ہونے کے بعد اور کسی ایک بھی شخص کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے آپ ﷺ کس قدر دل فگار تھے اور آپ ﷺ کے احساسات پر حزن والم اور غم و افسوس کا کس قدر غلبہ تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

اللھم الیك اشکو ضعف قوتی وقلّة حیلتی وھَوانِی علی الناس یا ارحم الراحمین، انت ربّ المستضعفین وانت ربّی، الی من تکلنی ؟ الی بعید یتجھمنی ام إلی عَدُوٍ ملکته امری ؟ ان لم یکن بك علیّ غضب فلا ابالی، ولکن عافیتك ھی اوسع لی، اعوذ بنور وجھك الذی اشرقت له الظلمات وصلح علیه امر الدنیا والاخرة من ان تنزل بی غضبك أو یحل علیّ سخطك لك العتبی حتی ترضی، ولاحول ولا قوة الا بك.

"بارالہا! میں تجھ ہی سے اپنی کمزوری و بے بسی اور لوگوں کے نزدیک اپنی بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں۔ یا ارحم الراحمین! تو کمزوروں کا رب ہے اور تُو ہی میرا بھی رب ہے۔ تُو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ کیا کسی بیگانے کے جو میرے ساتھ تندی سے پیش آئے؟ یا کسی دشمن کے جس کو تُو نے میرے معاملے کا مالک بنا دیا ہے؟ اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں ہے تو مجھے کوئی پروا نہیں، لیکن تیری عافیت میرے لیے زیادہ کشادہ ہے۔ میں تیرے چہرے کے اس نور کی پناہ چاہتا ہوں جس سے تاریکیاں روشن ہو گئیں اور جس پر دنیا و آخرت کے معاملات درست

ہوئے کہ تُو مجھ پر اپنا غضب نازل کرے، یا تیرا عتاب مجھ پر وارد ہو۔ تیری ہی رضا مطلوب ہے یہاں تک کہ تُو خوش ہو جائے اور تیرے بغیر کوئی زور اور طاقت نہیں۔"

ادھر آپ ﷺ کو ابنائے ربیعہ نے اس حالتِ زار میں دیکھا تو ان کے جذبۂ قرابت میں حرکت پیدا ہوئی اور انہوں نے اپنے ایک عیسائی غلام کو جس کا نام عَدّاس تھا بلا کر کہا کہ اس انگور سے ایک گچھا لو۔ اور اس شخص کو دے آؤ۔ جب اس نے انگور آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ ﷺ نے بسم اللہ کہہ کر ہاتھ بڑھایا اور کھانا شروع کیا۔

عداس نے کہا" یہ جملہ تو اس علاقے کے لوگ نہیں بولتے"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ اور تمہارا دین کیا ہے؟" اس نے کہا میں عیسائی ہوں اور نینوی کا باشندہ ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" اچھا! تم مردِ صالح یونس بن متی کی بستی کے رہنے والے ہو؟" اُس نے کہا،"آپ ﷺ یونس بن متی کو کیسے جانتے ہیں؟" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" وہ میرے بھائی تھے۔ وہ نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں"۔ یہ سُن کر عداس رسول اللہ ﷺ پر جھک پڑا اور آپ ﷺ کے سر اور ہاتھ پاؤں کو بوسہ دیا۔

یہ دیکھ کر ربیعہ کے دونوں بیٹوں نے آپس میں کہا لو: اب اس شخص نے ہمارے غلام کو بگاڑ دیا۔ اس کے بعد جب عداس واپس گیا تو دونوں نے اس سے کہا:" اجی! یہ کیا معاملہ تھا؟" اُس نے کہا"میرے آقا! روئے زمین پر اس شخص سے بہتر کوئی اور نہیں۔ اس نے مجھے ایک ایسی بات بتائی ہے جسے نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔" ان دونوں نے کہا" دیکھو عداس کہیں یہ شخص تمہیں تمہارے دین سے پھیر نہ دے۔ کیونکہ تمہارا دین اس کے دین سے بہتر ہے۔"

قدرے ٹھہر کر رسول اللہ ﷺ باغ سے نکلے تو مکّے کی راہ پر چل پڑے۔ غم و الم کی شدت سے طبیعت نڈھال اور دل پاش پاش تھا۔ قرنِ منازل پہنچے تو اللہ تعالٰی کے حکم سے حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے۔ ان کے ساتھ پہاڑوں کا فرشتہ بھی تھا۔ وہ آپ ﷺ سے یہ گذارش کرنے آیا تھا کہ آپ ﷺ حکم دیں تو وہ اہلِ مکّہ کو دو پہاڑوں کے درمیان میں پیس ڈالے۔

اس واقعے کی تفصیل صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ انہوں نے ایک روز رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا آپ ﷺ پر کوئی ایسا دن بھی آیا ہے جو اُحُد کے دن سے زیادہ سنگین رہا ہو؟۔ آپ ﷺ نے فرمایا" ہاں!

تمہاری قوم سے مجھے جن جن مصائب کا سامنا کرنا پڑا ان میں سب سے سنگین مصیبت وہ تھی جس سے میں گھاٹی کے دن دو چار ہوا، جب میں نے اپنے آپ کو عبدِ یا لیل بن عبدِ کُلال کے صاحبزادے پر پیش کیا مگر اس نے میری بات منظور نہ کی تو میں غم و الم سے نڈھال اپنے رُخ پر چل پڑا اور مجھے قرن ثعالب پہنچ کر ہی افاقہ ہوا۔ وہاں میں نے سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ بادل کا ایک ٹکڑا مجھ پر سایہ فگن ہے۔ میں نے بغور دیکھا تو اس میں حضرت جبریل علیہ السلام تھے۔ انہوں نے مجھے پکار کر کہا آپ ﷺ کی قوم نے آپؐ سے جو بات کہی اللہ نے اُسے سُن لیا ہے۔ اب اس نے آپ ﷺ کے پاس پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے تاکہ آپ ﷺ ان کے بارے میں اسے جو حکم چاہیں دیں۔ اس کے بعد پہاڑوں کے فرشتے نے مجھے آواز دی اور سلام کرنے کے بعد کہا: اے محمد ﷺ! بات یہی ہے۔ اب آپ (ﷺ) جو چاہیں...... اگر چاہیں کہ میں انہیں دو پہاڑوں[1] کے درمیان کچل دوں ـــــ تو ایسا ہی ہو گا ـــــ نبی ﷺ نے فرمایا (نہیں) بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ عزّوجل ان کی پشت سے ایسی نسل پیدا کرے گا جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرے گی اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائے گی[2]۔

رسول اللہ ﷺ کے اس جواب میں آپؐ کی یگانۂ روزگار شخصیت اور ناقابلِ ادراک گہرائی رکھنے والے اخلاق عظیمہ کے جلوے دیکھے جا سکتے ہیں۔ بہر حال اب سات آسمانوں کے اوپر سے آنے والی اس غیبی مدد کی وجہ سے آپ ﷺ کا دل مطمئن ہو گیا اور غم و الم کے بادل چھٹ گئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مکّے کی راہ پر مزید پیش قدمی فرمائی اور وادئ نخلہ میں جا فروکش ہوئے۔ یہاں دو جگہیں قیام کے لائق ہیں۔ ایک السیل الکبیر اور دوسرے زیمہ کیونکہ دونوں ہی جگہ پانی اور شادابی موجود ہے لیکن کسی ماخذ سے یہ پتہ نہیں چل سکا کہ آپ ﷺ نے ان میں سے کس جگہ قیام فرمایا تھا۔

وادئ نخلہ میں آپ ﷺ کا قیام چند دن رہا۔ اس دوران اللہ تعالےٰ نے آپ ﷺ کے پاس جنوں کی ایک جماعت بھیجی جس کا ذکر قرآن مجید میں دو جگہ آیا ہے۔ ایک

---

[1] اس موقع پر صحیح بخاری میں لفظ اخشبین استعمال کیا گیا ہے جو مکّہ کے دو مشہور پہاڑوں ابوقبیس اور قعیقعان پر بولا جاتا ہے۔ یہ دونوں پہاڑ علی الترتیب حرم کے جنوب و شمال میں آمنے سامنے واقع ہیں۔ اس وقت مکّے کی عام آبادی ان ہی دو پہاڑوں کے بیچ میں تھی۔

[2] صحیح بخاری کتاب بدء الخلق ۱/۴۵۸ مسلم باب مالقی النبی ﷺ من اذی المشرکین والمنافقین ۲/۱۰۹

سورۃ الاحقاف میں، دوسرے سورۂ جن میں، سورۃ الاحقاف کی آیات یہ ہیں:

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ○ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○
(۴۶: ۲۹-۳۱)

"اور جب کہ ہم نے آپؐ کی طرف جنوں کے ایک گروہ کو پھیرا کہ وہ قرآن سنیں تو جب وہ (تلاوت قرآن کی جگہ) پہنچے تو انہوں نے آپس میں کہا کہ چپ ہو جاؤ، پھر جب اس کی تلاوت پوری کی جا چکی تو وہ اپنی قوم کی طرف عذاب الٰہی سے ڈرانے والے بن کر پلٹے۔ انہوں نے کہا: اے ہماری قوم! ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰؑ کے بعد نازل کی گئی ہے۔ اپنے سے پہلے کی تصدیق کرنے والی ہے حق اور راہ راست کی طرف رہنمائی کرتی ہے اے ہماری قوم! اللہ کے داعی کی بات مان لو اور اس پر ایمان لے آؤ اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں دردناک عذاب سے بچائے گا۔"

سورۂ جن کی آیات یہ ہیں:-

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ○ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ○ (۷۲: ۱/۲)

"آپ کہہ دیں: میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے قرآن سنا، اور باہم کہا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے۔ جو راہ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو ہرگز شریک نہیں کر سکتے۔" (پندرھویں آیت تک)

یہ آیات جو اس واقعے کے بیان کے سلسلے میں نازل ہوئیں ان کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کو ابتداءً جنوں کی اس جماعت کی آمد کا علم نہ ہو سکا تھا بلکہ جب ان آیات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کو اطلاع دی گئی تب آپؐ واقف ہوئے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنوں کی یہ آمد پہلی بار ہوئی تھی اور احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے بعد ان کی آمد و رفت ہوتی رہی۔

جنوں کی آمد اور قبولِ اسلام کا واقعہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے دوسری مدد تھی جو اس نے اپنے غیب مکنون کے خزانے سے اپنے اس لشکر کے ذریعے فرمائی تھی جس کا

علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں پھر اس واقعے کے تعلق سے جو آیات نازل ہوئیں ان کے بیچ میں نبی ﷺ کی دعوت کی کامیابی کی بشارتیں بھی ہیں اور اس بات کی وضاحت بھی کہ کائنات کی کوئی بھی طاقت اس دعوت کی کامیابی کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتی چنانچہ ارشاد ہے :

وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءُ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ (۲۶:۳۲)

"جو اللہ کے داعی کی دعوت قبول نہ کرے وہ زمین میں (اللہ کو) بے بس نہیں کر سکتا، اور اللہ کے سوا اس کا کوئی کارساز ہے بھی نہیں اور ایسے لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں۔"

وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ○ (۷۲:۱۲)

"ہماری سمجھ میں آ گیا ہے کہ ہم اللہ کو زمین میں بے بس نہیں کر سکتے اور نہ ہم بھاگ کر ہی اسے (پکڑنے سے) عاجز کر سکتے ہیں۔"

اس نصرت اور ان بشارتوں کے سامنے غم والم اور حزن و مایوسی کے وہ سارے بادل چھٹ گئے جو طائف سے نکلتے وقت گالیاں اور تالیاں سننے اور پتھر کھانے کی وجہ سے آپ ﷺ پر چھائے تھے۔ آپ ﷺ نے عزم مصمم فرمالیا کہ اب مکہ پلٹنا ہے اور نئے سرے سے دعوتِ اسلام اور تبلیغ رسالت کے کام میں چستی اور گرمجوشی کے ساتھ لگ جانا ہے یہی موقع تھا جب حضرت زید بن حارثہ نے آپ ﷺ سے عرض کی کہ آپ مکہ کیسے جائیں گے جبکہ وہاں کے باشندوں یعنی قریش نے آپ ﷺ کو نکال دیا ہے ؟ اور جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا: "اے زید! تم جو حالت دیکھ رہے ہو اللہ تعالیٰ اس سے کشادگی اور نجات کی کوئی راہ ضرور بنائے گا۔ اللہ یقیناً اپنے دین کی مدد کرے گا۔ اور اپنے نبی کو غالب فرمائے گا۔"

آخر رسول اللہ ﷺ وہاں سے روانہ ہوئے اور مکے کے قریب پہنچ کر کوہِ حرا کے دامن میں ٹھہر گئے۔ پھر خزاعہ کے ایک آدمی کے ذریعے اَخنس بن شُریق کو یہ پیغام بھیجا کہ وہ آپ ﷺ کو پناہ دے دے مگر اخنس نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ میں حلیف ہوں اور حلیف پناہ دینے کا اختیار نہیں رکھتا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے سُہیل بن عمرو کے پاس یہی پیغام بھیجا مگر اس نے بھی یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ بنی عامر کی دی ہوئی پناہ بنو کعب پر لاگو نہیں ہوتی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے مُطعم بن عدی کے پاس پیغام بھیجا۔ مطعم نے کہا: ہاں اور پھر ہتھیار پہن کر اپنے

بیٹوں اور قوم کے لوگوں کو بلایا اور کہا تم لوگ ہتھیار باندھ کر خانہ کعبہ کے گوشوں پر جمع ہو جاؤ کیونکہ میں نے محمد (ﷺ) کو پناہ دے دی ہے۔ اس کے بعد مطعم نے رسول اللہ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ مکے کے اندر آجائیں۔ آپ ﷺ پیغام پانے کے بعد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ہمراہ لے کر مکہ تشریف لائے، اور مسجد حرام میں داخل ہوگئے۔ اس کے بعد مُطعِم بن عَدی نے اپنی سواری پر کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ قریش کے لوگو! میں نے محمد (ﷺ) کو پناہ دے دی ہے۔ اب اُسے کوئی نہ چھیڑے۔ ادھر رسول اللہ ﷺ سیدھے حجرِ اسود کے پاس پہنچے اسے چُوما۔ پھر دو رکعت نماز پڑھی اور اپنے گھر کو پلٹ آئے۔ اس دوران مطعم بن عدی اور ان کے لڑکوں نے ہتھیار بند ہو کر آپ ﷺ کے اردگرد حلقہ باندھے رکھا تا آنکہ آپ ﷺ اپنے مکان کے اندر تشریف لے گئے۔

کہا جاتا ہے کہ اس موقع پر ابوجہل نے مطعم سے پوچھا تھا کہ تم نے پناہ دی ہے یا پیروکار مسلمان بن گئے ہو؟ اور مطعم نے جواب دیا تھا کہ پناہ دی ہے اور اس جواب کو سن کر ابوجہل نے کہا تھا کہ جسے تم نے پناہ دی اسے ہم نے بھی پناہ دی [1]

رسول اللہ ﷺ نے مطعم بن عدی کے اس حُسنِ سلوک کو کبھی فراموش نہ فرمایا۔ چنانچہ بدر میں جب کفارِ مکہ کی ایک بڑی تعداد قید ہو کر آئی۔ اور بعض قیدیوں کی رہائی کے لیے حضرت جُبیر بن مُطعم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

لَوْ كَانَ المطعم بن عدی حیا ثم كلمنی فی هٰؤُلَآءِ النتنی لترکتهم له [2]

"اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا، پھر مجھ سے ان بدبودار لوگوں کے بارے میں گفتگو کرتا تو میں اس کی خاطر ان سب کو چھوڑ دیتا۔"

○

---

[1] سفر طائف کے واقعے کی یہ تفصیلات ابن ہشام ۱/۴۱۹ تا ۴۲۲۔ زاد المعاد ۲/۴۶، ۴۷ مختصر السیرۃ للشیخ عبداللہ ص ۱۴۱ تا ۱۴۳، رحمۃ للعالمین ۱/۷۱ تا ۷۴، تاریخ اسلام نجیب آبادی ۱/۱۲۳، ۱۲۴۔ اور معروف و معتبر کتب تفاسیر سے جمع کی گئی ہیں۔

[2] صحیح بخاری ۲/۵۷۳

قبائل اور افراد کو اسلام کی دعوت

ذی قعدہ ۱۰ نبوت (اواخر جون یا اوائل جولائی ۶۱۹ء) میں رسول اللہ ﷺ طائف سے مکہ تشریف لائے، اور یہاں افراد اور قبائل کو پھر سے اسلام کی دعوت دینی شروع کی۔ چونکہ موسم حج قریب تھا اس لیے فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے دُور و نزدیک ہر جگہ سے پیدل اور سواروں کی آمد شروع ہو چکی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس موقعے کو غنیمت سمجھا۔ اور ایک ایک قبیلے کے پاس جا کر اسے اسلام کی دعوت دی جیسا کہ نبوت کے چوتھے سال سے آپ ﷺ کا معمول تھا۔

وہ قبائل جنہیں اسلام کی دعوت دی گئی

امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ جن قبائل کے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے اور انہیں اسلام کی دعوت دیتے ہوئے اپنے آپ کو ان پر پیش کیا ان میں سے حسب ذیل قبیلوں کے نام ہمیں بتائے گئے ہیں۔

بنو عامر بن صعصعہ، محارب بن خصفہ، فزارہ، غسان، مرہ، حنیفہ، سُلیم، عبس، بنو نصر بنو البکاء، کلب، حارث بن کعب، عذرہ، حضارمہ۔ لیکن ان میں سے کسی نے بھی اسلام قبول نہ کیا۔[1]

واضح رہے کہ امام زہری کے ذکر کردہ ان سارے قبائل پر ایک ہی سال یا ایک ہی موسم حج میں اسلام پیش نہیں کیا گیا تھا بلکہ نبوت کے چوتھے سال سے ہجرت سے پہلے کے آخری موسم حج تک دس سالہ مدت کے دوران پیش کیا گیا تھا۔[2]

ابن اسحاق نے بعض قبائل پر اسلام کی پیشی اور ان کے جواب کی کیفیت کا بھی ذکر کیا ہے۔ ذیل میں مختصراً ان کا بیان نقل کیا جا رہا ہے:

۱۔ **بنو کلب** ۔ نبی ﷺ اس قبیلے کی ایک شاخ بنو عبد اللہ کے پاس تشریف لے

---

[1] ترمذی، مختصر السیرۃ للشیخ عبد اللہ ص ۱۴۹ [2] دیکھئے رحمۃ للعالمین ۱/۷۴

گئے۔ انہیں اللہ کی طرف بلایا اور اپنے آپ کو ان پر پیش کیا۔ باتوں باتوں میں یہ بھی فرمایا کہ اے بنو عبد اللہ! اللہ نے تمہارے جدِ اعلیٰ کا نام بہت اچھا رکھا تھا، لیکن اس قبیلے نے آپ کی دعوت قبول نہ کی۔

۲۔ **بنو حنیفہ**۔ آپ ﷺ ان کے ڈیرے پر تشریف لے گئے۔ انہیں اللہ کی طرف بلایا اور اپنے آپ کو ان پر پیش کیا، لیکن ان جیسا برا جواب اہلِ عرب میں سے کسی نے بھی نہ دیا۔

۳۔ **عامر بن صعصعہ**۔ انہیں بھی آپ ﷺ نے اللہ کی طرف دعوت دی اور اپنے آپ کو ان پر پیش کیا۔ جواب میں ان کے ایک آدمی بُحَیرہ بن فراس نے کہا: "خدا کی قسم اگر میں قریش کے اس جوان کو لے لوں تو اس کے ذریعے پورے عرب کو کھا جاؤں گا۔" پھر اس نے دریافت کیا کہ اچھا یہ بتایئے: "اگر ہم آپ ﷺ سے آپؐ کے اس دین پر بیعت کر لیں پھر اللہ آپ کو مخالفین پر غلبہ عطا فرمائے تو کیا آپؐ کے بعد زمام کار ہمارے ہاتھ میں ہوگی؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "زمام کار تو اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ جہاں چاہے گا رکھے گا۔ اس پر اس شخص نے کہا: خوب! آپ ﷺ کی حفاظت میں تو ہمارا سینہ اہلِ عرب کے نشانے پر رہے، لیکن جب اللہ آپ ﷺ کو غلبہ عطا فرمائے تو زمام کار کسی اور کے ہاتھ میں ہو؟ ہمیں آپ ﷺ کے دین کی ضرورت نہیں"۔ غرض انہوں نے انکار کر دیا۔

اس کے بعد جب قبیلہ بنو عامر اپنے علاقے میں واپس گیا تو اپنے ایک بوڑھے آدمی کو ——— جو کبرسنی کے باعث حج میں شریک نہ ہو سکا تھا۔ سارا ماجرا سنایا اور بتایا کہ ہمارے پاس قبیلہ قریش کے خاندان بنو عبد المُطّلِب کا ایک جوان آیا تھا جس کا خیال تھا کہ وہ نبی ہے۔ اس نے ہمیں دعوت دی کہ ہم اس کی حفاظت کریں؛ اس کا ساتھ دیں اور اپنے علاقے میں لے آئیں۔ یہ سُن کر اس بڈھے نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا اور بولا: "اے بنو عامر! کیا اب اس کی تلافی کی کوئی سبیل ہے؟ اور کیا اس از دست رفتہ کو ڈھونڈھا جا سکتا ہے؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں فلاں کی جان ہے کسی اسماعیلی نے کبھی اس (نبوت) کا جھوٹا دعویٰ نہیں کیا۔

یقیناً حق ہے۔ آخر تمہاری عقل کہاں چلی گئی تھی؟[۳]

ایمان کی شعاعیں مکّے سے باہر

جس طرح رسول اللہ ﷺ نے قبائل اور وفود پر اسلام پیش کیا، اسی طرح افراد اور اشخاص کو بھی اسلام کی دعوت دی اور بعض نے اچھا جواب بھی دیا۔ پھر اس موسم حج کے کچھ ہی عرصے بعد کئی افراد نے اسلام قبول کیا۔ ذیل میں ان کی ایک مختصر رُوداد پیش کی جارہی ہے۔

۱۔ **سُوَیدؓ بن صامت** ۔ یہ شاعر تھے۔ گہری سوجھ بوجھ کے حامل اور یثرب کے باشندے، ان کی پختگی، شعرگوئی اور شرف و نسب کی وجہ سے ان کی قوم نے انہیں کامل کا خطاب دے رکھا تھا۔ یہ حج یا عمرہ کے لیے مکہ تشریف لائے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی۔ کہنے لگے "غالباً آپؐ کے پاس جو کچھ ہے وہ ویسا ہی ہے جیسا میرے پاس ہے۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تمہارے پاس کیا ہے؟" سُوَیدؓ نے کہا: حکمتِ لقمان۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "پیش کرو۔" انہوں نے پیش کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ کلام یقیناً اچھا ہے۔ لیکن میرے پاس جو کچھ ہے وہ اس سے بھی اچھا ہے، وہ قرآن ہے جو اللہ تعالےٰ نے مجھ پر نازل کیا ہے۔ وہ ہدایت اور نور ہے۔" اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے انہیں قرآن پڑھ کر سنایا۔ اور اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور بولے "یہ تو بہت ہی اچھا کلام ہے۔"[۴] اس کے بعد وہ مدینہ پلٹ کر آئے ہی تھے کہ جنگ بُعاث چھڑ گئی اور اسی میں قتل کر دیئے گئے۔ انہوں نے سنہ ۱۱ نبوی کے آغاز میں اسلام قبول کیا تھا[۵]

۲۔ **اِیَاس بن معاذ** ۔ یہ بھی یثرب کے باشندے تھے اور نوخیز جوان۔ سنہ ۱۱ نبوت میں جنگ بُعاث سے کچھ پہلے اَوس کا ایک وفد خزرج کے خلاف قریش سے حلف و تعاون کی تلاش میں مکہ آیا تھا۔ آپ بھی اسی کے ہمراہ تشریف لائے تھے۔ اس وقت یثرب میں ان دونوں قبیلوں کے درمیان عداوت کی آگ بھڑک رہی تھی اور اَوس کی تعداد خزرج سے کم تھی۔ رسول اللہ ﷺ کو وفد کی آمد کا علم ہوا تو آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور اُن کے درمیان بیٹھ کر یوں خطاب فرمایا: "آپ لوگ جس مقصد کے لیے تشریف لائے ہیں کیا اس

---

[۳] ابنِ ہشام ۱/ ۴۲۴، ۴۲۵ [۴] ابنِ ہشام ۱/ ۴۲۵- ۴۲۷- رحمۃ للعالمین ۱/ ۷۴،

[۵] تاریخ اسلام اکبر شاہ نجیب آبادی ۱/ ۱۲۵

سے بہتر چیز قبول کر سکتے ہیں؟" ان سب نے کہا وہ کیا چیز ہے ؟ آپ ﷺ نے فرمایا "میں اللہ کا رسول ہوں۔ اللہ نے مجھے اپنے بندوں کے پاس اس بات کی دعوت دینے کے لیے بھیجا ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں۔ اللہ نے مجھ پر کتاب بھی اتاری ہے۔" پھر آپ ﷺ نے اسلام کا ذکر کیا۔ اور قرآن کی تلاوت فرمائی۔

ایاس بن معاذ بولے : اے قوم یہ خدا کی قسم اس سے بہتر ہے جس کے لیے آپ لوگ یہاں تشریف لائے ہیں۔ لیکن وفد کے ایک رکن ابوالحیسر انس بن رافع نے ایک مٹھی مٹی اٹھا کر ایاس کے منہ پر دے ماری اور بولا "یہ بات چھوڑو! میری عمر کی قسم! یہاں ہم اس کے بجائے دوسرے ہی مقصد سے آئے ہیں۔" ایاس نے خاموشی اختیار کر لی اور رسول اللہ ﷺ بھی اٹھ گئے۔ وفد قریش کے ساتھ حلف و تعاون کا معاہدہ کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اور یوں ہی ناکام مدینہ واپس ہو گیا۔

مدینہ پلٹنے کے تھوڑے ہی دن بعد ایاس انتقال کر گئے۔ وہ اپنی وفات کے وقت تہلیل و تکبیر اور حمد و تسبیح کر رہے تھے اس لیے لوگوں کو یقین ہے کہ ان کی وفات اسلام پر ہوئی۔[1]

۳۔ **ابوذر غفاریؓ** ۔ یہ یثرب کے اطراف میں سکونت پذیر تھے۔ جب سُوَیدؓ بن صامت اور ایاس بن معاذ کے ذریعے یثرب میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی خبر پہنچی تو یہ خبر ابوذر رضی اللہ عنہ کے کان سے بھی ٹکرائی اور یہی ان کے اسلام لانے کا سبب بنی۔[2]

ان کے اسلام لانے کا واقعہ صحیح بخاری میں تفصیل سے مروی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں قبیلہ غفار کا ایک آدمی تھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ مکے میں ایک آدمی نمودار ہوا ہے جو اپنے آپ کو نبی کہتا ہے۔ میں نے اپنے بھائی سے کہا: تم اس آدمی کے پاس جاؤ اس سے بات کرو۔ اور میرے پاس اس کی خبر لاؤ۔ وہ گیا، ملاقات کی، اور واپس آیا۔ میں نے پوچھا، کیا خبر لائے ہو؟ بولا: خدا کی قسم میں نے ایک ایسا آدمی دیکھا ہے جو بھلائی کا حکم دیتا ہے، اور بُرائی سے روکتا ہے۔ میں نے کہا تم نے تشفی بخش خبر نہیں دی۔ آخر میں نے خود توشہ دان اور ڈنڈا اٹھایا اور مکہ کے لیے چل پڑا۔ (وہاں پہنچ تو گیا) لیکن آپ ﷺ کو پہچانتا نہ تھا اور یہ

---

[1] ابن ہشام ۱/۴۲۷، ۴۲۸

[2] یہ بات اکبر شاہ نجیب آبادی نے تحریر کی ہے۔ دیکھئے ان کی تاریخ اسلام ۱/۱۲۸

بھی گوارا نہ تھا کہ آپ کے متعلق کسی سے پوچھوں۔ چنانچہ میں زمزم کا پانی پیتا اور مسجد حرام میں پڑا رہتا۔ آخر میرے پاس سے علیؓ کا گذر ہوا۔ کہنے لگے: آدمی اجنبی معلوم ہوتے ہو! میں نے کہا: جی ہاں۔ انہوں نے کہا: اچھا تو گھر چلو۔ میں ان کے ساتھ چل پڑا۔ نہ وہ مجھ سے کچھ پوچھ رہے تھے نہ میں ان سے کچھ پوچھ رہا تھا اور نہ انہیں کچھ بتا ہی رہا تھا۔

صبح ہوئی تو میں اس ارادے سے پھر مسجد حرام گیا کہ آپ ﷺ کے متعلق دریافت کروں۔ لیکن کوئی نہ تھا جو مجھے آپ ﷺ کے متعلق کچھ بتاتا۔ آخر میرے پاس سے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ گذرے (دیکھ کر) بولے: اس آدمی کو ابھی اپنا ٹھکانہ معلوم نہ ہو سکا؟ میں نے کہا: نہیں۔ انہوں نے کہا: اچھا تو میرے ساتھ چلو۔ اس کے بعد انہوں نے کہا: اچھا تمہارا معاملہ کیا ہے؟ اور تم کیوں اس شہر میں آئے ہو؟ میں نے کہا: آپ رازداری سے کام لیں تو بتاؤں۔ انہوں نے کہا! ٹھیک ہے میں ایسا ہی کروں گا۔ میں نے کہا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہاں ایک آدمی نمودار ہوا ہے جو اپنے آپ کو اللہ کا نبی بتاتا ہے۔ میں نے اپنے بھائی کو بھیجا کہ وہ بات کر کے آئے۔ مگر اس نے پلٹ کر کوئی تشفی بخش بات نہ بتلائی اس لیے میں نے سوچا کہ خود ہی ملاقات کر لوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: بھئی تم صحیح جگہ پہنچے۔ دیکھو میرا رخ انہیں کی طرف ہے۔ جہاں میں گھسوں وہاں تم بھی گھس جانا۔ اور ہاں اگر میں کسی ایسے شخص کو دیکھوں جس سے تمہارے لیے خطرہ ہے تو دیوار کی طرف اس طرح جا رہوں گا گویا اپنا جوتا ٹھیک کر رہا ہوں لیکن تم راستہ چلتے رہنا۔" اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے اور میں بھی ساتھ ساتھ چل پڑا۔ یہاں تک کہ وہ اندر داخل ہوتے اور میں بھی ان کے ساتھ نبی ﷺ کے پاس جا داخل ہوا اور عرض پرداز ہوا کہ آپ (ﷺ) مجھ پر اسلام پیش کریں۔ آپ ﷺ نے اسلام پیش فرمایا۔ اور میں وہیں مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے ابوذرؓ! اس معاملے کو پس پردہ رکھو۔ اور اپنے علاقے میں واپس چلے جاؤ۔ جب ہمارے ظہور کی خبر ملے تو آجانا۔ میں نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں تو ان کے درمیان بہانگ دہل اس کا اعلان کروں گا۔ اس کے بعد میں مسجد حرام آیا۔ قریش موجود تھے۔ میں نے کہا: قریش کے لوگو!

اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا عبده و رسوله

"میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمدؐ

ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

لوگوں نے کہا: اٹھو۔ اس بے دین کی خبر لو، لوگ اُٹھ پڑے۔ اور مجھے اسقدر مارا گیا کہ مرجاؤں۔ لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے مجھے آبچایا۔ انہوں نے مجھے جھک کر دیکھا۔ پھر قریش کی طرف پلٹ کر بولے: تمہاری بربادی ہو۔ تم لوگ غفار کے ایک آدمی کو مارے دے رہے ہو؟ حالانکہ تمہاری تجارت گاہ اور گذرگاہ غفار ہی سے ہو کر جاتی ہے! اس پر لوگ مجھے چھوڑ کر ہٹ گئے۔ دوسرے دن صبح ہوئی تو میں پھر وہیں گیا اور جو کچھ کل کہا تھا آج پھر کہا اور لوگوں نے پھر کہا کہ اٹھو اس بے دین کی خبر لو۔ اس کے بعد پھر میرے ساتھ وہی ہُوا جو کل ہو چکا تھا اور آج بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہی نے مجھے آ بچایا۔ وہ مجھ پر جھکے پھر ویسی ہی بات کہی جیسی کل کہی تھی۔[۳]

۴۔ **طُفَیلؓ بن عَمرو دَوسِیؓ** ۔ یہ شریف انسان شاعر، سوجھ بوجھ کے مالک اور قبیلہ دَوس کے سردار تھے۔ ان کے قبیلے کو بعض نواحی یمن میں امارت یا تقریباً امارت حاصل تھی۔ وہ نبوت کے گیارہویں سال مکہ تشریف لائے تو وہاں پہنچنے سے پہلے ہی اہلِ مکہ نے ان کا استقبال کیا اور نہایت عزت و احترام سے پیش آئے۔ پھر ان سے عرض پرداز ہوئے کہ اے طفیل! آپ ہمارے شہر تشریف لائے ہیں اور یہ شخص جو ہمارے درمیان ہے اس نے ہمیں سخت پیچیدگی میں پھنسا رکھا ہے۔ ہماری جمعیت بکھیر دی ہے اور ہمارا شیرازہ منتشر کر دیا ہے۔ اس کی بات جادو کا سا اثر رکھتی ہے کہ آدمی اور اس کے باپ کے درمیان آدمی اور اس کے بھائی کے درمیان اور آدمی اور اس کی بیوی کے درمیان تفرقہ ڈال دیتی ہے۔ ہمیں ڈر لگتا ہے کہ جس افتاد سے ہم دوچار ہیں کہیں وہ آپ پر اور آپ کی قوم پر بھی نہ آن پڑے، لہٰذا آپ اس سے ہرگز گفتگو نہ کریں اور اس کی کوئی چیز نہ سنیں۔

حضرت طُفَیلؓ کا ارشاد ہے کہ یہ لوگ مجھے برابر اسی طرح کی باتیں سمجھاتے رہے یہاں تک کہ میں نے تہیہ کر لیا کہ نہ آپؐ کی کوئی چیز سنوں گا نہ آپ ﷺ سے بات چیت کروں گا؛ حتیٰ کہ جب میں صبح کو مسجد حرام گیا تو کان میں روئی ٹھونس رکھی تھی کہ مبادا آپ ﷺ کی کوئی بات میرے کان میں پڑ جائے، لیکن اللہ کو منظور تھا کہ آپؐ کی بعض باتیں مجھے سنا ہی دے۔ چنانچہ میں نے بڑا عمدہ کلام سُنا۔ پھر میں نے اپنے جی میں کہا: ہائے مجھ پر میری ماں کی آہ و فغاں! میں تو بخدا، ایک سوجھ

---

[۳] صحیح بخاری باب قصۃ زمزم ۱/۴۹۹، ۵۰۰۔ باب اسلام ابی ذر ۱/۵۴۴، ۵۴۵

بوجھ رکھنے والا شاعر آدمی ہوں، مجھ پر بھلا برا چھپا نہیں رہ سکتا۔ پھر کیوں نہ میں اس شخص کی بات سنوں؟ اگر اچھی ہوئی تو قبول کر لوں گا۔ بُری ہوئی تو چھوڑ دوں گا۔ یہ سوچ کر میں رُک گیا اور جب آپؐ گھر پلٹے تو میں بھی پیچھے ہو لیا۔ آپ ﷺ اندر داخل ہوئے تو میں بھی داخل ہو گیا اور آپؐ کو اپنی آمد کا واقعہ اور لوگوں کے خوف دلانے کی کیفیت، پھر کان میں روئی ٹھونسنے اور اس کے باوجود آپؐ کی بعض باتیں سن لینے کی تفصیلات بتائیں، پھر عرض کیا کہ آپؐ اپنی بات پیش کیجیے۔ آپ ﷺ نے مجھ پر اسلام پیش کیا۔ اور قرآن کی تلاوت فرمائی۔ خدا گواہ ہے: میں نے اس سے عمدہ قول اور اس سے زیادہ انصاف کی بات کبھی نہ سُنی تھی؛ چنانچہ میں نے وہیں اسلام قبول کر لیا اور حق کی شہادت دی۔ اس کے بعد آپ ﷺ سے عرض کیا کہ میری قوم میں میری بات مانی جاتی ہے۔ میں ان کے پاس پلٹ کر جاؤں گا اور انہیں اسلام کی دعوت دوں گا۔ لہٰذا آپ ﷺ اللہ سے دُعا فرمائیں کہ وہ مجھے کوئی نشانی دے دے۔ آپ ﷺ نے دُعا فرمائی۔

حضرت طفیل کو جو نشانی عطا ہوئی وہ یہ تھی کہ جب وہ اپنی قوم کے قریب پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے چہرے پر چراغ جیسی روشنی پیدا کر دی۔ انہوں نے کہا "یا اللہ چہرے کے بجائے کسی اور جگہ۔ مجھے اندیشہ ہے کہ لوگ اسے مثلہ کہیں گے۔" چنانچہ یہ روشنی ان کے ڈنڈے میں پلٹ گئی۔ پھر انہوں نے اپنے والد اور اپنی بیوی کو اسلام کی دعوت دی اور وہ دونوں مسلمان ہو گئے؛ لیکن قوم نے اسلام قبول کرنے میں تاخیر کی۔ مگر حضرت طفیلؓ بھی مسلسل کوشاں رہے۔ حتیٰ کہ غزوۂ خندق کے بعد[۹] جب انہوں نے ہجرت فرمائی تو ان کے ساتھ ان کی قوم کے ستر یا اسی[۸۰] خاندان تھے۔ حضرت طفیلؓ نے اسلام میں بڑے اہم کارنامے انجام دے کر یمامہ کی جنگ میں جام شہادت نوش فرمایا۔[۱۰]

۵۔ ضِمَادُ اَزْدِی ۔ یہ یمن کے باشندے اور قبیلہ اَزْدِ شَنُوءَہ کے ایک فرد تھے۔ جھاڑ پھونک کرنا اور آسیب اتارنا ان کا کام تھا۔ مکہ آئے تو وہاں کے احمقوں سے سنا کہ محمد ﷺ پاگل ہیں۔ سوچا کیوں نہ اس شخص کے پاس چلوں ہو سکتا ہے اللہ میرے ہی ہاتھوں سے اسے شفا دے دے؛ چنانچہ آپؐ سے ملاقات کی، اور کہا: اے محمد (ﷺ) ! میں آسیب اتارنے کے لیے

---

۹ بلکہ صلح حدیبیہ کے بعد کیونکہ جب وہ مدینہ تشریف لاتے تو رسول اللہ ﷺ خیبر میں تھے۔ دیکھئے ابن ہشام ۱/ ۳۸۵

۱۰ ابن ہشام ۱/ ۳۸۲، ۳۸۵۔ رحمۃ للعالمین ۱/ ۸۱، ۸۲۔ مختصر السیرۃ للشیخ عبد اللہ ص ۱۴۴

جھاڑ پھونک کیا کرتا ہوں، کیا آپ (ﷺ) کو بھی اس کی ضرورت ہے؟ آپؐ نے جواب میں فرمایا:

ان الحمد لله نحمده ونستعينه من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له، واشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له واشهد ان محمدا عبده ورسوله، امابعد!

"یقیناً ساری تعریف اللہ کے لیے ہے۔ ہم اسی کی تعریف کرتے ہیں اور اسی سے مدد چاہتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے اللہ بھٹکا دے اُسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ امابعد:

ضمادؓ نے کہا ذرا اپنے یہ کلمات مجھے پھر سنا دیجئے۔ آپ ﷺ نے تین بار دہرایا۔ اس کے بعد ضماد نے کہا، میں کاہنوں، جادوگروں اور شاعروں کی بات سن چکا ہوں لیکن میں نے آپ ﷺ کے ان جیسے کلمات کہیں نہیں سنے۔ یہ تو سمندر کی اتھاہ گہرائی کو پہنچے ہوئے ہیں لائیے اپنا ہاتھ بڑھائیے! آپ ﷺ سے اسلام پر بیعت کروں، اور اس کے بعد انہوں نے بیعت کر لی۔[۱]

یثرب کی چھ سعادت مند روحیں

گیارہویں سن نبوت کے موسم حج (جولائی ۶۲۰ء) میں اسلامی دعوت کو چند کارآمد بیج دستیاب ہوئے۔ جو دیکھتے دیکھتے سرو قامت درختوں میں تبدیل ہوگئے۔ اور ان کی لطیف اور گھنی چھاؤں میں بیٹھ کر مسلمانوں نے برسوں ظلم وستم کی تپش سے راحت ونجات پائی۔

اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو جھٹلانے اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے کا جو بیڑا اٹھا رکھا تھا اس کے تئیں نبی ﷺ کی حکمتِ عملی یہ تھی کہ آپؐ رات کی تاریکی میں قبائل کے پاس تشریف لے جاتے تاکہ مکے کا کوئی مشرک رکاوٹ نہ ڈال سکے۔

اسی حکمتِ عملی کے مطابق ایک رات آپ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہمراہ لے کر باہر نکلے۔ بنو ذہل اور بنو شیبان بن ثعلبہ کے ڈیروں سے گذرے تو ان سے اسلام کے بارے میں بات چیت کی۔ انہوں نے جواب تو بڑا امید افزا دیا لیکن اسلام

---

[۱] صحیح مسلم، مشکاۃ المصابیح باب علامات النبوۃ ۲/۵۲۵

قبول کرنے کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ نہ کیا۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور بنو ذہل کے ایک آدمی کے درمیان سلسلہ نسب کے متعلق بڑا دلچسپ سوال و جواب بھی ہوا۔ دونوں ہی ماہرِ انساب تھے۔[۱۲]

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ منیٰ کی گھاٹی سے گذرے تو کچھ لوگوں کو باہم گفتگو کرتے سنا۔[۱۳] آپ ﷺ نے سیدھے ان کا رُخ کیا اور ان کے پاس جا پہنچے۔ یہ یثرب کے چھ جوان تھے اور سب کے سب قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ نام یہ ہیں:

(۱) اَسْعَدؓ بن زُرارہ (قبیلہ بنی النَّجار)

(۲) عوفؓ بن حارث بن رفاعہ (ابن عفراء) (" ")

(۳) رافعؓ بن مالک بن عجلان (قبیلہ بنی زُرَیق)

(۴) قطبہؓ بن عامر بن حدیدہ (قبیلہ بنی سلمہ)

(۵) عقبہؓ بن عامر بن نابی (قبیلہ بنی حرام بن کعب)

(۶) حارثؓ بن عبداللہ بن رئاب، (قبیلہ بنی عبید بن غنم)

یہ اہلِ یثرب کی خوش قسمتی تھی کہ وہ اپنے حلیف یہود مدینہ سے سُنا کرتے تھے کہ اس زمانے میں ایک نبی بھیجا جانے والا ہے اور اب جلد ہی وہ نمودار ہوگا۔ ہم اس کی پیروی کرکے اس کی معیت میں تمہیں عادِ اِرَم کی طرح قتل کر ڈالیں گے۔[۱۴]

رسول اللہ ﷺ نے ان کے پاس پہنچ کر دریافت کیا کہ آپ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا، ہم قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "یعنی یہود کے حلیف؟" بولے، ہاں۔ فرمایا، "پھر کیوں نہ آپ حضرات بیٹھیں، کچھ بات چیت کی جائے۔" وہ لوگ بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے ان کے سامنے اسلام کی حقیقت بیان فرمائی۔ انہیں اللہ عزّوجل کی طرف دعوت دی اور قرآن کی تلاوت فرمائی۔ انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا، بھئی دیکھو! یہ تو وہی نبی معلوم ہوتے ہیں جن کا حوالہ دے کر یہود تمہیں دھمکیاں دیا کرتے ہیں۔ لہٰذا یہود تم پر سبقت نہ لے جانے پائیں۔ اس کے بعد انہوں نے فوراً آپ ﷺ کی دعوت قبول کرلی اور مسلمان ہوگئے۔

---

[۱۲] دیکھئے مختصر السیرۃ للشیخ عبداللہ ص ۱۵۰ تا ۱۵۲ [۱۳] رحمۃ للعالمین ۱/۸۴

[۱۴] زاد المعاد ۲/۵۰ - ابن ہشام ۱/۴۲۹، ۵۴۱

یہ یثرب کے عقلاء الرجال تھے۔ حال ہی میں جو جنگ گذر چکی تھی، اور جس کے دھوئیں اب تک فضا کو تاریک کئے ہوئے تھے، اس جنگ نے انہیں چور چور کر دیا تھا اس لیے انہوں نے بجا طور پر یہ توقع قائم کی کہ آپؐ کی دعوت، جنگ کے خاتمے کا ذریعہ ثابت ہوگی، چنانچہ انہوں نے کہا "ہم اپنی قوم کو اس حالت میں چھوڑ کر آئے ہیں کہ کسی اور قوم میں ان کے جیسی عداوت و دشمنی نہیں پائی جاتی۔ امید ہے کہ اللہ آپؐ کے ذریعے انہیں یکجا کر دے گا۔ ہم وہاں جا کر لوگوں کو آپؐ کے مقصد کی طرف بلائیں گے اور یہ دین جو ہم نے خود قبول کر لیا ہے ان پر بھی پیش کریں گے۔ اگر اللہ نے آپؐ پر ان کو یکجا کر دیا تو پھر آپؐ سے بڑھ کر کوئی اور معزز نہ ہوگا۔"

اس کے بعد جب یہ لوگ مدینہ واپس ہوئے تو اپنے ساتھ اسلام کا پیغام بھی لے گئے؛ چنانچہ وہاں گھر گھر رسول اللہ ﷺ کا چرچا پھیل گیا۔[15]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح

اسی سال شوال ۱۱ھ نبوت میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر چھ برس تھی۔ پھر ہجرت کے پہلے سال شوال ہی کے مہینہ میں مدینہ کے اندر ان کی رخصتی ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر نو برس تھی۔[16]

---

[15] ابن ہشام ۱/۴۲۸، ۴۳۰ [16] تلقیح الفہوم ص ۱۰۔ صحیح البخاری ۱/۵۵۰

اسراء اور معراج

نبی ﷺ کی دعوت و تبلیغ ابھی کامیابی اور ظلم و ستم کے اس درمیانی مرحلے سے گذر رہی تھی اور افق کی دُور دراز پہنائیوں میں دھندلے تاروں کی جھلک دکھائی پڑنا شروع ہو چکی تھی کہ اِسراء اور معراج کا واقعہ پیش آیا۔ یہ معراج کب واقع ہوئی؟ اس بارے میں اہل سیر کے اقوال مختلف ہیں جو یہ ہیں:

۱۔ جس سال آپ ﷺ کو نبوت دی گئی اسی سال معراج بھی واقع ہوئی (یہ طبری کا قول ہے)

۲۔ نبوت کے پانچ سال بعد معراج ہوئی (اسے امام نووی اور امام قرطبی نے راجح قرار دیا ہے)

۳۔ نبوت کے دسویں سال ۲۷ رجب کو ہوئی (اسے علامہ منصور پوری نے اختیار کیا ہے۔)

۴۔ ہجرت سے سولہ مہینے پہلے یعنی نبوت کے بارہویں سال ماہ رمضان میں ہوئی۔

۵۔ ہجرت سے ایک سال دو ماہ پہلے یعنی نبوت کے تیرہویں سال محرّم میں ہوئی۔

۶۔ ہجرت سے ایک سال پہلے یعنی نبوت کے تیرہویں سال ماہ ربیع الاوّل میں ہوئی۔

ان میں سے پہلے تین اقوال اس لیے صحیح نہیں مانے جا سکتے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات نماز پنجگانہ فرض ہونے سے پہلے ہوئی تھی اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ نماز پنجگانہ کی فرضیت معراج کی رات ہوئی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات معراج سے پہلے ہوئی تھی اور معلوم ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات نبوت کے دسویں سال ماہ رمضان میں ہوئی تھی۔ لہٰذا معراج کا زمانہ اس کے بعد کا ہوگا اس سے پہلے کا نہیں۔ باقی رہے اخیر کے تین اقوال تو ان میں سے کسی کو کسی پر ترجیح دینے کے لیے کوئی دلیل نہ مل سکی۔ البتہ سورہ اسراء کے سیاق سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مکی زندگی کے بالکل آخری دور کا ہے۔ [1]

ائمہ حدیث نے اس واقعے کی جو تفصیلات روایت کی ہیں ہم اگلی سطور میں ان کا حاصل

---

[1] ان اقوال کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمایئے۔ زاد المعاد ۲/ ۴۹- مختصر السیرۃ للشیخ عبد اللہ ص ۱۴۸، ۱۴۹، رحمۃ للعالمین ۱/ ۷۶

پیش کر رہے ہیں۔

ابنِ قیم لکھتے ہیں کہ صحیح قول کے مطابق رسول اللہ ﷺ کو آپ کے جسم مبارک سمیت بُراق پر سوار کرکے حضرت جبریل علیہ السلام کی معیت میں مسجد حرام سے بیت المقدس تک سیر کرائی گئی پھر آپ ﷺ نے وہاں نزول فرمایا' اور انبیاء کی امامت فرماتے ہوئے نماز پڑھائی، اور بُراق کو مسجد کے دروازے کے حلقے سے باندھ دیا تھا۔

اس کے بعد اسی رات آپ ﷺ کو بیت المقدس سے آسمانِ دنیا تک لے جایا گیا۔

جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھلوایا۔ آپ ﷺ کے لیے دروازہ کھولا گیا۔ آپ ﷺ نے وہاں انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو دیکھا' اور انہیں سلام کیا۔ انہوں نے آپؐ کو مرحبا کہا۔ سلام کا جواب دیا اور آپ ﷺ کی نبوت کا اقرار کیا۔ اللہ نے آپؐ کو ان کے دائیں جانب سعادت مندوں کی رُوحیں اور بائیں جانب بدبختوں کی رُوحیں دکھلائیں۔

پھر آپ ﷺ کو دوسرے آسمان پر لے جایا گیا اور دروازہ کھلوایا گیا۔ آپؐ نے وہاں حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام اور حضرت عیسےٰ بن مریم علیہما السلام کو دیکھا۔ دونوں سے ملاقات کی اور سلام کیا۔ دونوں نے سلام کا جواب دیا، مبارک باد دی، اور آپؐ کی نبوت کا اقرار کیا۔

پھر تیسرے آسمان پر لے جایا گیا۔ آپ ﷺ نے وہاں حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا اور سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا، مبارک باد دی، اور آپؐ کی نبوت کا اقرار کیا۔

پھر چوتھے آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں آپ ﷺ نے حضرت ادریس علیہ السّلام کو دیکھا اور انہیں سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا، مرحبا کہا، اور آپؐ کی نبوت کا اقرار کیا۔

پھر پانچویں آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں آپ ﷺ نے حضرت ہارون بن عمران علیہ السّلام کو دیکھا۔ اور انہیں سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا، مبارک باد دی اور اقرارِ نبوت کیا۔

پھر آپ ﷺ کو چھٹے آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں آپؐ کی ملاقات حضرت موسیٰ بن عمران سے ہُوئی۔ آپ ﷺ نے سلام کیا۔ انہوں نے مرحبا کہا، اور اقرارِ نبوّت کیا۔ البتہ جب آپؐ وہاں سے آگے بڑھے تو وہ رونے لگے۔ اُن سے کہا گیا آپ کیوں رو رہے ہیں؟ انہوں نے کہا: میں اس لیے رو رہا ہوں کہ ایک نوجوان جو میرے بعد مبعوث کیا گیا اس کی اُمت کے لوگ میری اُمت کے لوگوں سے بہت زیادہ تعداد میں جنّت کے اندر داخل ہوں گے۔

اس کے بعد آپ ﷺ کو ساتویں آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں آپؐ کی ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی۔ آپؐ نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا، مبارک باد دی اور آپ ﷺ کی نبوت کا اقرار کیا۔

اس کے بعد آپ ﷺ کو سِدرَۃُ المُنتَہیٰ تک لے جایا گیا۔ پھر آپؐ کے لیے بیتِ مَعمُور کو ظاہر کیا گیا۔

پھر خدائے جَبّار جلّ جلالہٗ کے دربار میں پہنچایا گیا اور آپ ﷺ اللہ کے اتنے قریب ہوئے کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ اس وقت اللہ نے اپنے بندے پر وحی فرمائی جو کچھ کہ وحی فرمائی اور پچاس وقت کی نمازیں فرض کیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ واپس ہوئے یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے پاس سے گذرے تو انہوں نے پوچھا کہ اللہ نے آپ ﷺ کو کس چیز کا حکم دیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا پچاس نمازوں کا؛ انہوں نے کہا، "آپؐ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ اپنے پروردگار کے پاس واپس جائیے اور اپنی امت کے لیے تخفیف کا سوال کیجئے"۔ آپ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف دیکھا گویا ان سے مشورہ لے رہے ہیں۔ انہوں نے اشارہ کیا کہ ہاں، اگر آپؐ چاہیں۔ اس کے بعد حضرت جبریلؑ آپ ﷺ کو جبّار تبارک تعالیٰ کے حضور لے گئے، اور وہ اپنی جگہ تھا ـــ بعض طرق میں صحیح بخاری کا لفظ یہی ہے ـــ اس نے دس نمازیں کم کر دیں اور آپ ﷺ نیچے لائے گئے۔ جب موسےٰ علیہ السّلام کے پاس سے گذر ہوا تو انہیں خبر دی۔ انہوں نے کہا "آپ ﷺ اپنے رب کے پاس واپس جائیے اور تخفیف کا سوال کیجئے"۔ اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور اللہ عزّ وجل کے درمیان آپؐ کی آمد و رفت برابر جاری رہی یہاں تک کہ اللہ عزّ وجل نے صرف پانچ نمازیں باقی رکھیں۔ اس کے بعد بھی موسیٰ علیہ السّلام نے آپ ﷺ کو واپسی اور طلبِ تخفیف کا مشورہ دیا مگر آپ ﷺ نے فرمایا: "اب مجھے اپنے رب سے شرم محسوس ہو رہی ہے۔ میں اسی پر راضی ہوں اور سرِ تسلیم خم کرتا ہوں"۔ پھر جب آپؐ مزید کچھ دور تشریف لے گئے تو ندا آئی کہ میں نے اپنا فریضہ نافذ کر دیا اور اپنے بندوں سے تخفیف کر دی[۱]

اس کے بعد ابنِ قیم نے اس بارے میں اختلاف ذکر کیا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے رب

---

[۱] زاد المعاد ۲/ ۴۷، ۴۸

تبارک تعالیٰ کو دیکھا یا نہیں ؟ پھر امام ابن تیمیہ کی ایک تحقیق ذکر کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنکھ سے دیکھنے کا سرے سے کوئی ثبوت نہیں اور نہ کوئی صحابی اس کا قائل ہے ؛ اور ابن عباس سے مطلقاً دیکھنے اور دل سے دیکھنے کے جو دو قول منقول ہیں۔ ان میں سے پہلا دوسرے کے منافی نہیں اس کے بعد امام ابن قیم لکھتے ہیں کہ سورۂ نجم میں اللہ تعالیٰ کا جو یہ ارشاد ہے :

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ○ (۸:۵۳)

" پھر وہ نزدیک آیا اور قریب تر ہو گیا "

تو یہ اس قربت کے علاوہ ہے جو معراج کے واقعے میں حاصل ہوئی تھی کیونکہ سورۂ نجم میں جس قربت کا ذکر ہے اس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام کی قربت و تدلّی ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے ؛ اور سیاق بھی اسی پر دلالت کرتا ہے اس کے برخلاف حدیث معراج میں جس قربت و تدلی کا ذکر ہے اس کے بارے میں صراحت ہے کہ یہ رب تبارک و تعالیٰ سے قربت و تدلی تھی ، اور سورۂ نجم میں اس کو سرے سے چھیڑا ہی نہیں گیا ، بلکہ اس میں یہ کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں دوسری بار سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا اور یہ حضرت جبریلؑ تھے۔ انہیں محمد ﷺ نے ان کی اپنی شکل میں دو مرتبہ دیکھا تھا ایک مرتبہ زمین پر اور ایک مرتبہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ واللہ اعلم [۳]

اس دفعہ بھی نبی ﷺ کے ساتھ شقِ صدر (سینہ چاک کئے جانے) کا واقعہ پیش آیا اور آپؐ کو اس سفر کے دوران کئی چیزیں دکھلائی گئیں۔

آپ ﷺ پر دودھ اور شراب پیش کئے گئے۔ آپؐ نے دودھ اختیار فرمایا۔ اس پر آپؐ سے کہا گیا کہ آپ ﷺ کو فطرت کی راہ بتائی گئی ، یا آپؐ نے فطرت پا لی۔ اور یاد رکھیے کہ اگر آپ ﷺ نے شراب لی ہوتی تو آپؐ کی امت گمراہ ہو جاتی۔

آپ ﷺ نے جنت میں چار نہریں دیکھیں ، دو ظاہری اور دو باطنی ، ظاہری نہریں نیل و فرات تھیں۔ (اس کا مطلب غالباً یہ ہے کہ آپؐ کی رسالت نیل و فرات کی شاداب وادیوں کو اپنا وطن بنائے گی ، یعنی یہاں کے باشندے نسلاً بعد نسل مسلمان ہوں گے۔ یہ نہیں کہ ان دونوں نہروں کے

---

[۳] زاد المعاد ۲/ ۴۷ ، ۴۸ ، نیز دیکھئے صحیح بخاری ۱/ ۵۰ ، ۴۵۵ ، ۴۵۶ ، ۴۷۰ ، ۴۷۱ ، ۴۸۱ ، ۵۴۸ ، ۵۴۹ ، ۵۵۰/۲ ، ۶۸۴ ، صحیح مسلم ۱/ ۹۱ ، ۹۲ ، ۹۳ ، ۹۴ ، ۹۵ ، ۹۶ ،

پانی کا منبع جنت میں ہے۔ واللہ اعلم)

آپ ﷺ نے مالک، داروغۂ جہنم کو بھی دیکھا۔ وہ ہنستا نہ تھا اور نہ اس کے چہرے پر خوشی اور بشاشت تھی، آپ ﷺ نے جنت و جہنم بھی دیکھی۔

آپ ﷺ نے ان لوگوں کو بھی دیکھا جو یتیموں کا مال ظلماً کھا جاتے ہیں۔ ان کے ہونٹ اونٹ کے ہونٹوں کی طرح تھے اور وہ اپنے منہ میں پتھر کے ٹکڑوں جیسے انگارے ٹھونس رہے تھے جو دوسری جانب ان کے پاخانے کے راستے سے نکل رہے تھے۔

آپ ﷺ نے سود خوروں کو بھی دیکھا۔ ان کے پیٹ اتنے بڑے بڑے تھے کہ وہ اپنی جگہ سے ادھر اُدھر نہیں ہو سکتے تھے اور جب آلِ فرعون کو آگ پر پیش کرنے کے لیے لے جایا جاتا تو ان کے پاس سے گذرتے وقت انہیں روندتے ہوئے جاتے تھے۔

آپ ﷺ نے زناکاروں کو بھی دیکھا۔ اُن کے سامنے تازہ اور فربہ گوشت تھا اور اِسی کے پہلو بہ پہلو سڑا ہُوا چھچھڑا بھی تھا۔ یہ لوگ تازہ اور فربہ گوشت چھوڑ کر سڑا ہُوا چھچھڑا کھا رہے تھے۔

آپ ﷺ نے ان عورتوں کو دیکھا جو اپنے شوہروں پر دوسروں کی اولاد داخل کر دیتی ہیں۔ (یعنی دوسروں سے زنا کے ذریعے حاملہ ہوتی ہیں لیکن لاعلمی کی وجہ سے بچہ ان کے شوہر کا سمجھا جاتا ہے آپ ﷺ نے انہیں دیکھا کہ ان کے سینوں میں بڑے بڑے ٹیڑھے کانٹے چبھا کر انہیں آسمان و زمین کے درمیان لٹکا دیا گیا ہے۔

آپ ﷺ نے آتے جاتے ہوئے اہلِ مکہ کا ایک قافلہ بھی دیکھا اور انہیں ان کا ایک اونٹ بھی بتایا جو بھڑک کر بھاگ گیا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کا پانی بھی پیا جو ایک ڈھکے ہوئے برتن میں رکھا تھا۔ اس وقت قافلہ سو رہا تھا، پھر آپؐ نے اُسی طرح برتن ڈھک کر چھوڑ دیا اور یہ بات معراج کی صبح آپ ﷺ کے دعویٰ کی صداقت کی ایک دلیل ثابت ہوئی۔[۱]

علامہ ابنِ قیم فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے صبح کی اور اپنی قوم کو ان بڑی بڑی نشانیوں کی خبر دی جو اللہ عزوجل نے آپؐ کو دکھلائی تھیں تو قوم کی تکذیب اور اذیت و ضرر رسانی میں اور شدت آگئی۔ انہوں نے آپؐ سے سوال کیا کہ بیت المقدس کی کیفیت بیان کریں۔ اس پر اللہ نے آپ ﷺ کے لیے بیت المقدس کو ظاہر فرما دیا اور وہ آپؐ کی نگاہوں کے سامنے آگیا چنانچہ

---

[۱] سابقہ حوالے۔ نیز ابنِ ہشام ۳۹۷/۱، ۴۰۲-۴۰۳-۴۰۶۔ اور کتب تفاسیر، تفسیر سورہ اسراء

آپ ﷺ نے قوم کو اس کی نشانیاں بتلانا شروع کیں۔ اور ان سے کسی بات کی تردید نہ بن پڑی۔ آپ ﷺ نے جاتے اور آتے ہوئے اُن کے قافلے سے ملنے کا بھی ذکر فرمایا اور بتلایا کہ اس کی آمد کا وقت کیا ہے۔ آپ ﷺ نے اس اونٹ کی بھی نشاندہی کی جو قافلے کے آگے آگے آ رہا تھا، پھر جیسا کچھ آپؐ نے بتایا تھا ویسا ہی ثابت ہُوا لیکن ان سب کے باوجود ان کی نفرت میں اضافہ ہی ہُوا۔ اور ان ظالموں نے کفر کرتے ہوئے کچھ بھی ماننے سے انکار کر دیا۔ [۵]

کہا جاتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اسی موقع پر صدیق کا خطاب دیا گیا کیونکہ آپ نے اس واقعے کی اس وقت تصدیق کی جبکہ اور لوگوں نے تکذیب کی تھی۔ [۶]

معراج کا فائدہ بیان فرماتے ہوئے جو سب سے مختصر اور عظیم بات کہی گئی وہ یہ ہے:

لِنُرِيَهُ مِنْ اٰيٰتِنَا ط (۱:۱۷)

"تاکہ ہم (اللہ تعالےٰ) آپ کو اپنی کچھ نشانیاں دکھلائیں۔"

اور انبیاء کرام کے بارے میں یہی اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔ ارشاد ہے:

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ○ (۶:۷۵)

"اور اسی طرح ہم نے ابراہیمؑ کو آسمان و زمین کا نظامِ سلطنت دِکھلایا۔ اور تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو۔"

اور موسیٰ علیہ السّلام سے فرمایا:-

لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ○ (۲۰:۲۳)

"تاکہ ہم تمہیں اپنی کچھ بڑی نشانیاں دکھلائیں۔"

پھر ان نشانیوں کے دکھلانے کا جو مقصود تھا اسے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ (تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو) کے ذریعے واضح فرما دیا۔ چنانچہ جب انبیاء کرامؑ کے علوم کو اس طرح کے مشاہدات کی سند حاصل ہو جاتی تھی تو انہیں عین الیقین کا وہ مقام حاصل ہو جاتا تھا جس کا اندازہ لگانا ممکن نہیں کہ "شنیدہ کے بود مانند دیدہ" اور یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرامؑ اللہ کی راہ میں ایسی ایسی مشکلات جھیل لیتے تھے جنہیں کوئی اور جھیل ہی نہیں سکتا۔

---

[۵] زاد المعاد ۱/۴۸ نیز دیکھئے صحیح بخاری ۲/۶۸۴ صحیح مسلم ۱/۹۶، ابن ہشام ۱/۴۰۲، ۴۰۳۔

[۶] ابن ہشام ۱/۳۹۹

درحقیقت ان کی نگاہوں میں دُنیا کی ساری قوتیں مل کر بھی مچھر کے پَر کے برابر حیثیت نہیں رکھتی تھیں اسی لیے وہ ان قوتوں کی طرف سے ہونے والی سختیوں اور ایذا رسانیوں کی کوئی پروا نہیں کرتے تھے۔

اس واقعۂ معراج کی جزئیات کے پس پردہ مزید جو حکمتیں اور اسرار کارفرما تھے ان کی بحث کا اصل مقام اسرارِ شریعت کی کتابیں ہیں البتہ چند موٹے موٹے حقائق ایسے ہیں، جو اس مبارک سفر کے سرچشموں سے پھوٹ کر سیرت نبوی کے گلشن کی طرف رواں دواں ہیں اس لیے یہاں مختصراً انہیں قلمبند کیا جارہا ہے۔

آپ دیکھیں گے کہ اللہ تعالےٰ نے سورہ اسراء میں اسراء کا واقعہ صرف ایک آیت میں ذکر کرکے کلام کا رُخ یہود کی سیاہ کاریوں اور جرائم کے بیان کی جانب موڑ دیا ہے؛ پھر انہیں آگاہ کیا ہے کہ یہ قرآن اس راہ کی ہدایت دیتا ہے جو سب سے سیدھی اور صحیح راہ ہے۔ قرآن پڑھنے والے کو بسا اوقات شُبہ ہوتا ہے کہ دونوں باتیں بے جوڑ ہیں لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے؛ بلکہ اللہ تعالےٰ اس اسلوب کے ذریعے یہ اشارہ فرمارہا ہے کہ اب یہود کو نوعِ انسانی کی قیادت سے معزول کیا جانے والا ہے کیونکہ انہوں نے ایسے ایسے جرائم کا ارتکاب کیا ہے جن سے ملوث ہونے کے بعد انہیں اس منصب پر باقی نہیں رکھا جاسکتا؛ لہٰذا اب یہ منصب رسول اللہ ﷺ کو سونپا جائے گا اور دعوتِ ابراہیمی کے دونوں مراکز ان کے ماتحت کردیئے جائیں گے۔ بالفاظ دیگر اب وقت آگیا ہے کہ روحانی قیادت ایک اُمت سے دوسری اُمت کو منتقل کردی جائے؛ یعنی ایک ایسی اُمت سے جس کی تاریخ غدر و خیانت اور ظلم و بدکاری سے بھری ہوئی ہے، یہ قیادت چھین کر ایک ایسی اُمت کے حوالے کردی جائے جس سے نیکیوں اور بھلائیوں کے چشمے پھوٹیں گے اور جس کا پیغمبر سب سے زیادہ درست راہ بتانے والے قرآن کی وحی سے بہرہ ور ہے۔

لیکن یہ قیادت منتقل کیسے ہوسکتی ہے جب کہ اس اُمت کا رسُول مکّے کے پہاڑوں میں لوگوں کے درمیان ٹھوکریں کھاتا پھر رہا ہے؟ اس وقت یہ ایک سوال تھا جو ایک دوسری حقیقت سے پردہ اٹھا رہا تھا۔ اور وہ حقیقت یہ تھی کہ اسلامی دعوت کا ایک دَور اپنے خاتمے اور اپنی تکمیل کے قریب آلگا ہے اور اب ایک دوسرا دَور شروع ہونے والا ہے جس کا دھارا پہلے سے مختلف ہوگا۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ بعض آیات میں مشرکین کو کھلی وارننگ اور سخت دھمکی دی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا۟ فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَٰهَا تَدْمِيرًا ۝ (۱۷: ۱۶)

"اور جب ہم کسی بستی کو تباہ کرنا چاہتے ہیں تو وہاں کے اصحابِ ثروت کو حکم دیتے ہیں مگر وہ کھلی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ پس اس بستی پر (تباہی کا) قول برحق ہو جاتا ہے اور ہم اسے کچل کر رکھ دیتے ہیں۔"

وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُونِ مِن بَعْدِ نُوحٍ ۗ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ عِبَادِهِۦ خَبِيرًۢا بَصِيرًا ۝ (۱۷: ۱۷)

"اور ہم نے نوح کے بعد کتنی ہی قوموں کو تباہ کر دیا؛ اور تمہارا رب اپنے بندوں کے جرائم کی خبر رکھنے اور دیکھنے کے لیے کافی ہے۔"

پھر ان آیات کے پہلو بہ پہلو کچھ ایسی آیات بھی ہیں جن میں مسلمانوں کو ایسے تمدنی قواعدو ضوابط اور دفعات ومبادی بتلائے گئے ہیں جن پر آئندہ اسلامی معاشرے کی تعمیر ہونی تھی۔ گویا اب وہ کسی ایسی سرزمین پر اپنا ٹھکانا بنا چکے ہیں، جہاں ہر پہلو سے ان کے معاملات ان کے اپنے ہاتھ میں ہیں اور انہوں نے ایک ایسی وحدت متماسکہ بنالی ہے جس پر سماج کی چکی گھوما کرتی ہے لہٰذا ان آیات میں اشارہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ عنقریب ایسی جائے پناہ اور امن گاہ پالیں گے جہاں آپ ﷺ کے دین کو استقرار نصیب ہوگا۔

یہ اسراء و معراج کے بابرکت واقعے کی تہ میں پوشیدہ حکمتوں اور رازہائے سربستہ میں سے ایک ایسا راز اور ایک ایسی حکمت ہے جس کا ہمارے موضوع سے براہِ راست تعلق ہے۔ اس لیے ہم نے مناسب سمجھا کہ اسے بیان کر دیں۔ اسی طرح کی دو بڑی حکمتوں پر نظر ڈالنے کے بعد ہم نے یہ رائے قائم کی ہے کہ اسراء کا یہ واقعہ یا تو بیعتِ عقبۂ اُولیٰ سے کچھ ہی پہلے کا ہے یا عقبہ کی دونوں بیعتوں کے درمیان کا ہے۔ واللہ اعلم

پہلی بیعتِ عقبہ[1]

ہم بتا چکے ہیں کہ نبوت کے گیارہویں سال موسمِ حج میں یثرب کے چھ آدمیوں نے اسلام قبول کرلیا تھا اور رسول اللہ ﷺ سے وعدہ کیا تھا کہ اپنی قوم میں جاکر آپ ﷺ کی رسالت کی تبلیغ کریں گے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگلے سال جب موسمِ حج آیا (یعنی ذی الحجہ ۱۲ نبوی، مطابق جولائی ۶۲۱ء) تو بارہ آدمی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں حضرت جابرؓ بن عبداللہ بن رئاب کو چھوڑ کر باقی پانچ وہی تھے جو پچھلے سال بھی آچکے تھے اور ان کے علاوہ سات آدمی نئے تھے۔ جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) معاذؓ بن الحارث ابن عفراء	قبیلہ بنی النجار	(خزرج)
(۲) ذکوانؓ بن عبد القیس	" بنی زریق	(")
(۳) عبادہؓ بن صامت	" بنی غنم	(")
(۴) یزیدؓ بن ثعلبہ	" بنی غنم کے حلیف	(")
(۵) عباسؓ بن عبادہ بن نضلہ	قبیلہ بنی سالم	(خزرج)
(۶) ابوالہیثمؓ بن التیہان	" بنی عبدالاشہل	(اوس)
(۷) عویمؓ بن ساعدہ	" بنی عمرو بن عوف	(")

---

[1] عقبہ (ع۔ق۔ب تینوں کو زبر) پہاڑ کی گھاٹی یعنی تنگ پہاڑی گذرگاہ کو کہتے ہیں۔ مکہ سے منیٰ آتے جاتے ہوئے منیٰ کے مغربی کنارے پر ایک تنگ پہاڑی راستے سے گذرنا پڑتا تھا۔ یہی گذرگاہ عقبہ کے نام سے مشہور ہے۔ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو جس ایک جمرہ کو کنکری ماری جاتی ہے وہ اسی گذرگاہ کے سرے پر واقع ہے اس لیے اسے جمرۂ عقبہ کہتے ہیں۔ اس جمرہ کا دوسرا نام جمرۂ کبریٰ بھی ہے۔ باقی دو جمرے اس سے مشرق میں تھوڑے فاصلے پر واقع ہیں۔ چونکہ منیٰ کا پورا میدان جہاں حجاج قیام کرتے ہیں، ان تینوں جمرات کے مشرق میں ہے اس لیے ساری چہل پہل ادھر ہی رہتی تھی اور کنکریاں مارنے کے بعد اس طرف لوگوں کی آمد و رفت کا سلسلہ ختم ہو جاتا تھا۔ اسی لیے نبی ﷺ نے بیعت لینے کے لیے اس گھاٹی کو منتخب کیا اور اسی مناسبت سے اس کو بیعت عقبہ کہتے ہیں۔ اب پہاڑ کاٹ کر یہاں کشادہ سڑکیں نکال لی گئی ہیں۔

ان میں صرف اخیر کے دو آدمی قبیلہ اوس سے تھے؛ بقیہ سب کے سب قبیلہ خزرج سے تھے۔[۲]

ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے منیٰ میں عقبہ کے پاس ملاقات کی اور آپ ﷺ سے چند باتوں پر بیعت کی۔ یہ باتیں وہی تھیں جن پر آئندہ صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ کے وقت عورتوں سے بیعت لی گئی۔

عقبہ کی اس بیعت کی تفصیل صحیح بخاری میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "آؤ! مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو گے، چوری نہ کرو گے، زنا نہ کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گے، اپنے ہاتھ پاؤں کے درمیان سے گھڑ کر کوئی بہتان نہ لاؤ گے اور کسی بھلی بات میں میری نافرمانی نہ کرو گے۔ جو شخص یہ ساری باتیں پوری کرے گا اس کا اجر اللہ پر ہے اور جو شخص ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب کر بیٹھے گا پھر اسے دنیا ہی میں اس کی سزا دے دی جائے گی تو یہ اس کے لیے کفارہ ہوگی۔ اور جو شخص ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب کر بیٹھے گا پھر اللہ اس پر پردہ ڈال دے گا تو اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے، چاہے گا تو سزا دے گا اور چاہے گا تو معاف کر دے گا۔" حضرت عبادہؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس پر آپ ﷺ سے بیعت کی۔[۳]

مدینہ میں اسلام کا سفیر

بیعت پوری ہوگئی اور حج ختم ہوگیا تو نبی ﷺ نے ان لوگوں کے ہمراہ یثرب میں اپنا پہلا سفیر بھیجا تاکہ وہ مسلمانوں کو اسلامی احکام کی تعلیم دے اور انہیں دین کے دروبست سکھائے۔ اور جو لوگ اب تک شرک پر چلے آرہے ہیں ان میں اسلام کی اشاعت کرے۔ نبی ﷺ نے اس سفارت کے لیے سابقین اولین میں سے ایک جوان کا انتخاب فرمایا جس کا نام نامی اور اسم گرامی مُصعَب بن عُمَیر عبدری رضی اللہ عنہ ہے۔

قابلِ رشک کامیابی

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچے تو حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے گھر نزول فرما ہوئے۔ پھر دونوں نے مل کر

---

[۲] رحمۃ للعالمین ۱/۸۵، ابن ہشام ۱/۴۳۱ تا ۴۳۳

[۳] صحیح بخاری، باب بعد باب حلاوۃ الایمان ۱/۷، باب وفود الانصار ۱/۵۵۰، ۵۵۱ لفظ اسی باب کا ہے، باب قولہ تعالیٰ اذا جاءك المؤمنات ۲/۷۲۷، باب الحدود کفارۃ ۲/۱۰۰۳

اہلِ یثرب میں جوش و خروش سے اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ حضرت مُصعَبؓ مُقری کے خطاب سے مشہور ہوئے۔ (مُقری کے معنی ہیں پڑھانے والا۔ اس وقت معلّم اور استاد کو مُقرِی کہتے تھے۔)

تبلیغ کے سلسلے میں ان کی کامیابی کا ایک نہایت شاندار واقعہ یہ ہے کہ ایک روز حضرت اسعد بن زُرارہ رضی اللہ عنہ انہیں ہمراہ لے کر بنی عبد الاشہل اور بنی ظفر کے محلے میں تشریف لے گئے اور وہاں بنی ظفر کے ایک باغ کے اندر مرق نامی ایک کنوئیں پر بیٹھ گئے۔ ان کے پاس چند مسلمان بھی جمع ہو گئے۔ اُس وقت تک بنی عبد الاشہل کے دونوں سردار یعنی حضرت سعدؓ بن معاذؓ اور حضرت اُسَیدؓ بن حُضَیرؓ مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ شرک ہی پر تھے۔ انہیں جب خبر ہوئی تو حضرت سعدؓ نے حضرت اُسیدؓ سے کہا کہ ذرا جاؤ اور ان دونوں کو، جو ہمارے کمزوروں کو بیوقوف بنانے آتے ہیں، ڈانٹ دو اور ہمارے محلے میں آنے سے منع کر دو۔ چونکہ اسعدؓ بن زرارہ میری خالہ کا لڑکا ہے (اس لیے تمہیں بھیج رہا ہوں) ورنہ یہ کام میں خود انجام دے دیتا۔

اُسَیدؓ نے اپنا حربہ اٹھایا۔ اور ان دونوں کے پاس پہنچے۔ حضرت اسعدؓ نے انہیں آتا دیکھ کر حضرت مصعبؓ سے کہا: "یہ اپنی قوم کا سردار تمہارے پاس آ رہا ہے۔ اس کے بارے میں اللہ سے سچائی اختیار کرنا"۔ حضرت مصعبؓ نے کہا: "اگر یہ بیٹھا تو اس سے بات کروں گا"۔ اُسَیدؓ پہنچے تو ان کے پاس کھڑے ہو کر سخت سست کہنے لگے۔ بولے "تم دونوں ہمارے یہاں کیوں آتے ہو؟ ہمارے کمزوروں کو بیوقوف بناتے ہو؟ یاد رکھو! اگر تمہیں اپنی جان کی ضرورت ہے تو ہم سے الگ ہی رہو"۔ حضرت مصعبؓ نے کہا: "کیوں نہ آپ بیٹھیں اور کچھ سنیں۔ اگر کوئی بات پسند آجائے تو قبول کر لیں پسند نہ آئے تو چھوڑ دیں"۔ حضرت اُسَیدؓ نے کہا: "بات منصفانہ کہہ رہے ہو۔ اس کے بعد اپنا حربہ گاڑ کر بیٹھ گئے"۔ اب حضرت مصعبؓ نے اسلام کی بات شروع کی اور قرآن کی تلاوت فرمائی۔ ان کا بیان ہے کہ بخدا ہم نے حضرت اُسَیدؓ کے بولنے سے پہلے ہی اُن کے چہرے کی چمک دمک سے ان کے اسلام کا پتہ لگا لیا۔ اس کے بعد انہوں نے زبان کھولی تو فرمایا "یہ تو بڑا ہی عمدہ اور بہت ہی خوب تر ہے۔ تم لوگ کسی کو اس دین میں داخل کرنا چاہتے ہو تو کیا کرتے ہو؟" انہوں نے کہا "آپ غسل کر لیں۔ کپڑے پاک کر لیں۔ پھر حق کی شہادت دیں، پھر دو رکعت نماز پڑھیں"۔ انہوں نے اٹھ کر غسل کیا، کپڑے پاک کیے۔ کلمۂ شہادت ادا کیا اور دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر بولے! میرے پیچھے ایک اور شخص ہے، اگر وہ تمہارا پیروکار بن جائے تو اُس کی قوم کا کوئی آدمی پیچھے نہ رہے گا، اور میں اس کو ابھی تمہارے پاس بھیج رہا

ہوں۔ (اشارہ حضرت سعدؓ بن معاذ کی طرف تھا۔)

اس کے بعد حضرت اُسیدؓ نے اپنا حربہ اٹھایا اور پلٹ کر حضرت سعدؓ کے پاس پہنچے۔ وہ اپنی قوم کے ساتھ محفل میں تشریف فرما تھے (حضرت اُسیدؓ کو دیکھ کر) بولے: "میں بخدا کہہ رہا ہوں کہ یہ شخص تمہارے پاس جو چہرہ لے کر آ رہا ہے یہ وہ چہرہ نہیں ہے جسے لے کر گیا تھا۔" پھر جب حضرت اُسیدؓ محفل کے پاس آن کھڑے ہوئے تو حضرت سعدؓ نے ان سے دریافت کیا کہ تم نے کیا کیا؟ انہوں نے کہا: "میں نے ان دونوں سے بات کی تو واللہ مجھے کوئی حرج تو نظر نہیں آیا۔ ویسے میں نے انہیں منع کر دیا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ ہم وہی کریں گے جو آپ چاہیں گے۔

اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ بنی حارثہ کے لوگ اسعدؓ بن زُرارہ کو قتل کرنے گئے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ اسعد آپ کی خالہ کا لڑکا ہے لہذا وہ چاہتے ہیں کہ آپ کا عہد توڑ دیں۔" یہ سن کر سعد غصے سے بھڑک اُٹھے اور اپنا نیزہ لے کر سیدھے ان دونوں کے پاس پہنچے۔ دیکھا تو دونوں اطمینان سے بیٹھے ہیں۔ سمجھ گئے کہ اُسیدؓ کا منشا یہ تھا کہ آپ بھی ان کی باتیں سنیں لیکن یہ ان کے پاس پہنچے تو کھڑے ہو کر سخت سست کہنے لگے۔ پھر اسعدؓ بن زرارہ کو مخاطب کر کے بولے "خدا کی قسم اے ابوامامہ! اگر میرے اور تیرے درمیان قرابت کا معاملہ نہ ہوتا تو تم مجھ سے اس کی امید نہ رکھ سکتے تھے۔ ہمارے محلے میں آ کر ایسی حرکتیں کرتے ہو جو ہمیں گوارا نہیں۔"

ادھر حضرت اسعدؓ نے حضرت مُصعبؓ سے پہلے ہی سے کہہ دیا تھا کہ بخدا تمہارے پاس ایک ایسا سردار آ رہا ہے جس کے پیچھے اس کی پوری قوم ہے۔ اگر اس نے تمہاری بات مان لی تو پھر ان میں سے کوئی بھی نہ پچھڑے گا، اس لیے حضرت مصعبؓ نے حضرت سعد سے کہا: "کیوں نہ آپ تشریف رکھیں اور سنیں۔ اگر کوئی بات پسند آگئی تو قبول کر لیں اور اگر پسند نہ آئی تو ہم آپ کی ناپسندیدہ بات کو آپ سے دُور ہی رکھیں گے۔" حضرت سعد نے کہا: "انصاف کی بات کہتے ہو۔" اس کے بعد اپنا نیزہ گاڑ کر بیٹھ گئے۔ حضرت مصعبؓ نے ان پر اسلام پیش کیا اور قرآن کی تلاوت کی۔ اُن کا بیان ہے کہ ہمیں حضرت سعد کے بولنے سے پہلے ہی ان کے چہرے کی چمک دمک سے اُن کے اسلام کا پتا لگ گیا۔ اس کے بعد انہوں نے زبان کھولی اور فرمایا "تم لوگ اسلام لاتے ہو تو کیا کرتے ہو؟" انہوں نے کہا: "آپ غسل کر لیں کپڑے پاک کر لیں، پھر حق کی شہادت دیں، پھر دو رکعت نماز پڑھیں۔" حضرت سعدؓ نے ایسا ہی کیا۔

اس کے بعد اپنا نیزہ اٹھایا اور اپنی قوم کی محفل میں تشریف لائے۔ لوگوں نے دیکھتے ہی کہا: "ہم بخدا کہہ رہے ہیں کہ حضرت سعدؓ جو چہرہ لے کر گئے تھے اس کے بجائے دوسرا ہی چہرہ لے کر پلٹے ہیں"۔ پھر جب حضرت سعدؓ اہل مجلس کے پاس آکر رُکے تو بولے "اے بنی عبد الاشہل! تم لوگ اپنے اندر میرا معاملہ کیسا جانتے ہو؟" انہوں نے کہا، آپ ہمارے سردار ہیں۔ سب سے اچھی سوجھ بوجھ کے مالک ہیں اور ہمارے سب سے بابرکت پاسبان ہیں۔ انہوں نے کہا: "اچھا تو سنو! اب تمہارے مردوں اور عورتوں سے میری بات چیت حرام ہے جب تک کہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان نہ لاؤ"۔ ان کی اس بات کا یہ اثر ہوا کہ شام ہوتے ہوتے اس قبیلے کا کوئی بھی مرد اور کوئی بھی عورت ایسی نہ بچی جو مسلمان نہ ہوگئی ہو۔ صرف ایک آدمی جس کا نام اُصَیرِم تھا اس کا اسلام جنگ احد تک موخر ہوا۔ پھر احد کے دن اس نے اسلام قبول کیا اور جنگ میں لڑتا ہوا کام آگیا۔ اس نے ابھی اللہ کے لیے ایک سجدہ بھی نہ کیا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اس نے تھوڑا عمل کیا اور زیادہ اجر پایا۔

حضرت مصعبؓ، حضرت اسعدؓ بن زرارہ ہی کے گھر مقیم رہ کر اسلام کی تبلیغ کرتے رہے یہاں تک کہ انصار کا کوئی گھرانہ باقی نہ بچا جس میں چند مرد اور عورتیں مسلمان نہ ہو چکی ہوں۔ صرف بنی امیہ بن زید اور خطمہ اور وائل کے مکانات باقی رہ گئے تھے۔ مشہور شاعر قیس بن اسلت انہیں کا آدمی تھا اور یہ لوگ اسی کی بات مانتے تھے۔ اس شاعر نے انہیں جنگ خندق (۵ھ ہجری) تک اسلام سے روکے رکھا۔ بہرحال اگلے موسم حج یعنی تیرھویں سال نبوت کا موسم حج آنے سے پہلے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کامیابی کی بشارتیں لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مکہ تشریف لائے۔ اور آپ ﷺ کو قبائل یثرب کے حالات، ان کی جنگی اور دفاعی صلاحیتوں، اور خیر کی لیاقتوں کی تفصیلات سنائیں۔[۱]

---

[۱] ابن ہشام ۱/۴۳۵-۴۳۸، ۲/۹۰، زاد المعاد ۲/۵۱

دُوسری بیعتِ عقَبَہ

نبوت کے تیرہویں سال موسم حج ـــ جون ۶۲۲ءـــ میں یثرب کے ستر سے زیادہ مسلمان فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے مکّہ تشریف لائے۔ یہ اپنی قوم کے مشرک حاجیوں میں شامل ہو کر آئے تھے اور ابھی یثرب ہی میں تھے، یا مکّے کے راستے ہی میں تھے کہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ ہم کب تک رسول اللہ ﷺ کو یوں ہی مکّے کے پہاڑوں میں چکّر کاٹتے، ٹھوکریں کھاتے اور خوفزدہ کیے جاتے چھوڑے رکھیں گے؟

پھر جب یہ مسلمان مکّہ پہنچ گئے تو درپردہ نبی ﷺ کے ساتھ سلسلہ اور رابطہ شروع کیا اور آخر کار اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ دونوں فریق ایامِ تشریق[1] کے درمیانی دن ـــ ۱۲ ذی الحجہ کو ـــ منیٰ میں جمرۂ اولیٰ، یعنی جمرۂ عقبہ کے پاس جو گھاٹی ہے اسی میں جمع ہوں اور یہ اجتماع رات کی تاریکی میں بالکل خفیہ طریقے پر ہو۔

آیئے اب اس تاریخی اجتماع کے احوال، انصار کے ایک قائد کی زبانی سنیں کہ یہی وہ اجتماع ہے جس نے اسلام و بت پرستی کی جنگ میں رفتارِ زمانہ کا رُخ موڑ دیا۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"ہم لوگ حج کے لیے نکلے۔ رسول اللہ ﷺ سے ایامِ تشریق کے درمیانی روز عقَبَہ میں ملاقات طے ہوئی اور بالآخر وہ رات آگئی جس میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات طے تھی۔ ہمارے ساتھ ہمارے ایک معزز سردار عبداللہ بن حرام بھی تھے (جو ابھی اسلام نہ لائے تھے) ہم نے ان کو ساتھ لے لیا تھا۔ ورنہ ہمارے ساتھ ہماری قوم کے جو مشرکین تھے ہم ان سے اپنا سارا معاملہ خفیہ رکھتے تھے ـــ مگر ہم نے عبداللہ بن حرام سے بات چیت کی اور کہا کہ اے ابو جابر! آپ ہمارے ایک معزز اور شریف سربراہ ہیں اور ہم آپ کو آپ کی موجودہ حالت سے نکالنا چاہتے ہیں تاکہ آپ کل کلاں کو آگ کا ایندھن نہ بن جائیں۔ اس کے بعد ہم نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور بتلایا

---

[1] ماہ ذی الحجہ کی گیارہ، بارہ، تیرہ تاریخوں کو ایامِ تشریق کہتے ہیں۔

کہ آج عقبہ میں رسول اللہ ﷺ سے ہماری ملاقات طے ہے۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور ہمارے ساتھ عقبہ میں تشریف لے گئے اور نقیب بھی مقرر ہوئے"۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ واقعے کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں "ہم لوگ حسب دستور اس رات اپنی قوم کے ہمراہ اپنے ڈیروں میں سوئے، لیکن جب تہائی رات گذر گئی تو اپنے ڈیروں سے نکل نکل کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ طے شدہ مقام پر جا پہنچے۔ ہم اس طرح چپکے چپکے دبک کر نکلتے تھے جیسے چڑیا گھونسلے سے سکڑ کر نکلتی ہے، یہاں تک کہ ہم سب عقبہ میں جمع ہو گئے۔ ہماری کل تعداد پچھتر تھی۔ تہتّر مرد اور دو عورتیں۔ ایک امِ عمّارہ نسیبہ بنت کعب تھیں جو قبیلہ بنو مازن بن نجار سے تعلق رکھتی تھیں اور دوسری امّ منیعؓ اسماء بنت عمرو تھیں۔ جن کا تعلق قبیلہ بنو سلمہ سے تھا۔

ہم سب گھاٹی میں جمع ہو کر رسول اللہ ﷺ کا انتظار کرنے لگے اور آخر وہ لمحہ آ ہی گیا جب آپ تشریف لائے۔ آپؐ کے ساتھ آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ بن عبد المطّلب بھی تھے۔ وہ اگرچہ ابھی تک اپنی قوم کے دین پر تھے مگر چاہتے تھے کہ اپنے بھتیجے کے معاملے میں موجود رہیں اور ان کے لیے پختہ اطمینان حاصل کریں۔ سب سے پہلے بات بھی انہیں نے شروع کی"۔[۲]

گفتگو کا آغاز اور حضرت عباسؓ کی طرف سے معاملے کی نزاکت کی تشریح

مجلس مکمّل ہو گئی تو دینی اور فوجی تعاون کے عہد و پیمان کو قطعی اور آخری شکل دینے کے لیے گفتگو کا آغاز ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عبّاسؓ نے سب سے پہلے زبان کھولی۔ ان کا مقصود یہ تھا کہ وہ پوری صراحت کے ساتھ اس ذمہ داری کی نزاکت واضح کر دیں جو اس عہد و پیمان کے نتیجے میں ان حضرات کے سر پڑنے والی تھی۔ چنانچہ انہوں نے کہا:

خزرج کے لوگو!۔ عام اہلِ عرب انصار کے دونوں ہی قبیلے یعنی خزرج اور اوس کو خزرج ہی کہتے تھے۔ ہمارے اندر محمد ﷺ کی جو حیثیت ہے وہ تمہیں معلوم ہے۔ ہماری قوم کے جو لوگ دینی نقطۂ نظر سے ہمارے ہی جیسی رائے رکھتے ہیں ہم نے محمد ﷺ کو ان سے محفوظ رکھا ہے۔ وہ اپنی قوم اور اپنے شہر میں قوت و عزت اور طاقت و حفاظت کے اندر ہیں مگر اب

---

[۲] ابنِ ہشام ۱/ ۴۴۰، ۴۴۱

وہ تمہارے یہاں جانے اور تمہارے ساتھ لاحق ہونے پر مصر ہیں ؛ لہذا اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ تم انہیں جس چیز کی طرف بلا رہے ہو اسے نبھا لو گے اور انہیں ان کے مخالفین سے بچا لو گے تب تو ٹھیک ہے۔ تم نے جو ذمے داری اٹھائی ہے اسے تم جانو۔ لیکن اگر تمہارا یہ اندازہ ہے کہ تم انہیں اپنے پاس لے جانے کے بعد ان کا ساتھ چھوڑ کر کنارہ کش ہو جاؤ گے تو پھر ابھی سے انہیں چھوڑ دو۔ کیونکہ وہ اپنی قوم اور اپنے شہر میں بہر حال عزت و حفاظت سے ہیں۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے عباسؓ سے کہا کہ آپ کی بات ہم نے سن لی۔ اب اے اللہ کے رسول ﷺ ! آپؐ گفتگو فرمایئے۔ اور اپنے لیے اور اپنے رب کے لیے جو عہد و پیمان پسند کریں لیجیے۔[۳]

اس جواب سے پتہ چلتا ہے کہ اس عظیم ذمے داری کو اٹھانے اور اس کے پُرخطر نتائج کو جھیلنے کے سلسلے میں انصار کے عزمِ محکم، شجاعت و ایمان اور جوش و اخلاص کا کیا حال تھا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے گفتگو فرمائی۔ آپؐ نے پہلے قرآن کی تلاوت کی، اللہ کی طرف دعوت دی اور اسلام کی ترغیب دی۔ اس کے بعد بیعت ہوئی۔

بیعت کی دفعات

بیعت کا واقعہ امام احمدؒ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ ہم نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ ! ہم آپؐ سے کس بات پر بیعت کریں۔ آپؐ نے فرمایا" اس بات پر کہ،

(۱) چستی اور سستی ہر حال میں بات سنو گے اور مانو گے۔

(۲) تنگی اور خوشحالی ہر حال میں مال خرچ کرو گے۔

(۳) بھلائی کا حکم دو گے اور بُرائی سے روکو گے۔

(۴) اللہ کی راہ میں اُٹھ کھڑے ہو گے اور اللہ کے معاملے میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا نہ کرو گے۔

(۵) اور جب میں تمہارے پاس آجاؤں گا تو میری مدد کرو گے اور جس چیز سے اپنی جان اور اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہو اس سے میری بھی حفاظت کرو گے۔

اور تمہارے لیے جنّت ہے۔"[۴]

---

[۳] ابن ہشام ۱/ ۴۴۱، ۴۴۲ [۴] اسے امام احمد بن حنبل نے حسن سند سے روایت کیا ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی روایت میں۔ جسے ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے — صرف آخری دفعہ (۵) کا ذکر ہے۔ چنانچہ اس میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن کی تلاوت' اللہ کی طرف دعوت اور اسلام کی ترغیب دینے کے بعد فرمایا: "میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم اس چیز سے میری حفاظت کروگے جس سے اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہو"۔ اس پر حضرت براءؓ بن معرورؓ نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑا اور کہا ہاں: اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے ہم یقیناً اس چیز سے آپ ﷺ کی حفاظت کریں گے جس سے اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہیں — لہٰذا اے اللہ کے رسول ﷺ! آپؐ ہم سے بیعت لیجئے۔ ہم خدا کی قسم جنگ کے بیٹے ہیں اور ہتھیار ہمارا کھلونا ہے۔ ہماری یہی ریت باپ دادا سے چلی آ رہی ہے۔

حضرت کعبؓ کہتے ہیں کہ حضرت براءؓ رسول اللہ ﷺ سے بات کر ہی رہے تھے کہ ابوالہیثمؓ بن تیہان نے بات کاٹتے ہوئے کہا: "اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمارے اور کچھ لوگوں — یعنی یہود — کے درمیان — عہد و پیمان کی — رسیاں ہیں۔ اور اب ہم ان رسیوں کو کاٹنے والے ہیں، تو کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ ہم ایسا کر ڈالیں پھر اللہ آپ ﷺ کو غلبہ وظہور عطا فرمائے تو آپؐ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم کی طرف پلٹ آئیں۔"

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے تبسّم فرمایا، پھر فرمایا: "(نہیں) بلکہ آپ لوگوں کا خون میرا خون اور آپ لوگوں کی بربادی میری بربادی ہے۔ میں آپ سے ہوں اور آپ مجھ سے ہیں۔ جس سے آپ جنگ کریں گے اس سے میں جنگ کروں گا اور جس سے آپ صُلح کریں گے اس سے میں صلح کروں گا۔"[۵]

خطرناکی بیعت کی مکرر یاد دہانی

بیعت کی شرائط کے متعلق گفت و شنید مکمل ہو چکی اور لوگوں نے بیعت شروع کرنے کا ارادہ کیا تو صفِ اوّل کے دو مسلمان جو ۱۱ نبوت اور ۱۲ نبوت کے ایام حج میں مسلمان ہوئے تھے، یکے بعد دیگرے اٹھے تاکہ لوگوں کے سامنے ان کی ذمے داری کی نزاکت اور خطرناکی کو اچھی طرح واضح کر دیں اور یہ لوگ معاملے کے سارے پہلوؤں کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد ہی بیعت کریں۔ اس سے یہ بھی پتہ لگانا مقصود

(بقیہ نوٹ گزشتہ صفحہ) اور امام حاکمؒ اور ابن حبانؒ نے صحیح کہا ہے۔ دیکھئے مختصر السیرہ شیخ عبداللہ نجدی ص ۱۵۵۔ ابن اسحاق نے قریب قریب یہی چیز حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے؛ البتہ اس میں ایک دفعہ کا اضافہ ہے جو یہ ہے کہ ہم اہل حکومت سے حکومت کے لیے نزاع نہ کریں گے۔ دیکھئے ابن ہشام ۱/۴۵۴

۵ ابن ہشام ۱/۴۴۲

تھا کہ قوم کس حد تک قربانی دینے کے لیے تیار ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب لوگ بیعت کے لیے جمع ہو گئے تو حضرت عباسؓ بن عبادہ بن نضلہ نے کہا: "تم لوگ جانتے ہو کہ ان سے (اشارہ نبی ﷺ کی طرف تھا) کس بات پر بیعت کر رہے ہو؟ جی ہاں کی آوازوں پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا تم ان سے سرخ اور سیاہ لوگوں سے جنگ پر بیعت کر رہے ہو۔ اگر تمہارا یہ خیال ہو کہ جب تمہارے اموال کا صفایا کر دیا جائے گا اور تمہارے اشراف قتل کر دئے جائیں گے تو تم ان کا ساتھ چھوڑ دو گے تو ابھی سے چھوڑ دو؛ کیونکہ اگر تم نے انہیں لے جانے کے بعد چھوڑ دیا تو یہ دنیا اور آخرت کی رسوائی ہو گی۔ اور اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ تم مال کی تباہی اور اشراف کے قتل کے باوجود وہ عہد نبھاؤ گے جس کی طرف تم نے انہیں بلایا ہے تو پھر بے شک تم انہیں لے لو۔ کیونکہ یہ خدا کی قسم دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔"

اس پر سب نے بیک آواز کہا! ہم مال کی تباہی اور اشراف کے قتل کا خطرہ مول لے کر انہیں قبول کرتے ہیں۔ ہاں! اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم نے یہ عہد پورا کیا تو ہمیں اس کے عوض کیا ملے گا؟۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جنت۔ لوگوں نے عرض کی: اپنا ہاتھ پھیلایئے! آپؐ نے ہاتھ پھیلایا اور لوگوں نے بیعت کی۔[۶]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس وقت ہم بیعت کرنے اٹھے تو حضرت اسعدؓ بن زرارہ نے — جو ان ستر آدمیوں میں سب سے کم عمر تھے — آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولے: "اہل یثرب ذرا ٹھہر جاؤ! ہم آپ کی خدمت میں اونٹوں کے کلیجے مار کر (یعنی لمبا چوڑا سفر کر کے) اس یقین کے ساتھ حاضر ہوئے ہیں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ آج آپؐ کو یہاں سے لے جانے کے معنی ہیں سارے عرب سے دشمنی، تمہارے چیدہ سرداروں کا قتل، اور تلواروں کی مار۔ لہذا اگر یہ سب کچھ برداشت کر سکتے ہو تب تو انہیں لے چلو، اور تمہارا اجر اللہ پر ہے۔ اور اگر تمہیں اپنی جان عزیز ہے تو انہیں ابھی سے چھوڑ دو۔ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ قابلِ قبول عذر ہو گا۔"[۷]

بیعت کی تکمیل

بیعت کی دفعات پہلے ہی طے ہو چکی تھیں، ایک بار نزاکت کی وضاحت بھی ہو چکی تھی۔ اب یہ تاکید مزید ہوئی تو لوگوں نے بیک آواز کہا: "اسعد بن زرارہ! اپنا ہاتھ ہٹاؤ۔ خدا کی قسم ہم اس بیعت کو نہ چھوڑ سکتے ہیں اور نہ توڑ سکتے ہیں۔"[۸]

---

[۶] ایضاً ۱/۴۶۴ [۷] مسند احمد [۸] ایضاً

اس جواب سے حضرت اسعدؓ کو اچھی طرح معلوم ہوگیا کہ قوم کس حد تک اس راہ میں جان دینے کے لیے تیار ہے ـــــ درحقیقت حضرت اسعدؓ بن زرارہ حضرت مُصعَبؓ بن عُمیرؓ کے ساتھ مل کر مدینے میں اسلام کے سب سے بڑے مبلغ تھے، اس لیے طبعی طور پر وہی ان بیعت کنندگان کے دینی سربراہ بھی تھے اور اسی لیے سب سے پہلے انہیں نے بیعت بھی کی۔ چنانچہ ابنِ اسحاق کی روایت ہے کہ بنو النجار کہتے ہیں کہ ابو امامہ اسعدؓ بن زرارہ سب سے پہلے آدمی ہیں جنہوں نے آپ ﷺ سے ہاتھ ملایا۔[۹] اور اس کے بعد بیعتِ عامّہ ہوئی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ ایک ایک آدمی کرکے اُٹھے اور آپ ﷺ نے ہم سے بیعت لی اور اس کے عوض جنّت کی بشارت دی۔[۱۰]

باقی رہیں دو عورتیں جو اس موقعے پر حاضر تھیں تو ان کی بیعت صرف زبانی ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی اجنبی عورت سے مصافحہ نہیں کیا۔[۱۱]

بارہ نقیب

بیعت مکمّل ہو چکی تو رسول اللہ ﷺ نے یہ تجویز رکھی کہ بارہ سربراہ منتخب کر لیے جائیں جو اپنی اپنی قوم کے نقیب ہوں اور اس بیعت کی دفعات پر عملدرآمد کے لیے اپنی قوم کی طرف سے وہی ذمے دار اور مکلف ہوں۔ آپ کا ارشاد تھا کہ آپ لوگ اپنے اندر سے بارہ نقیب پیش کیجئے تاکہ وہی لوگ اپنی اپنی قوم کے معاملات کے ذمہ دار ہوں۔ آپؐ کے اس ارشاد پر فوراً ہی نقیبوں کا انتخاب عمل میں آگیا۔ نو خزرج سے منتخب کیے گئے اور تین اَوس سے۔ نام یہ ہیں:۔

خزرج کے نُقباء:

۱۔ اسعدؓ بن زرارہ بن عدس	۲۔ سعدؓ بن ربیع بن عمرو
۳۔ عبد اللہؓ بن رواحہ بن ثعلبہ	۴۔ رافعؓ بن مالک بن عجلان
۵۔ براءؓ بن معرور بن صخر	۶۔ عبد اللہؓ بن عمرو بن حرام
۷۔ عبادہؓ بن صامت بن قیس	۸۔ سعدؓ بن عُبادہ بن دلیم

---

۹ ابنِ اسحاق کا یہ بھی بیان ہے کہ بنو عبد الاشہل کہتے ہیں کہ سب سے پہلے ابو الہیثم بن تیہان نے بیعت کی اور حضرت کعبؓ بن مالک کہتے ہیں کہ براءؓ بن معرور نے کی (ابن ہشام ۱/۴۴۷)۔ راقم کا خیال ہے کہ ممکن ہے بیعت سے پہلے نبی ﷺ سے حضرت ابو الہیثم اور براء کی جو گفتگو ہوئی تھی۔ لوگوں نے اسی کو بیعت شمار کر لیا ہو ورنہ اس وقت آگے بڑھائے جانے کے سب سے زیادہ حقدار حضرت اسعدؓ بن زرارہ ہی تھے۔ واللہ اعلم

۱۰ مسند احمد ۱۱ دیکھئے صحیح مسلم باب کیفیۃ بیعۃ النساء ۲/۱۳۱

۹۔ مُنذِرؓ بن عمرو بن خنیس

اَوس کے نُقَبَاء!

۱۔ اُسَیدؓ بن حُضَیر بن سماک ۲۔ سَعدؓ بن خیثمہ بن حارث

۳۔ رِفَاعَۃؓ بن عبدالمنذر بن زبیر[12]

جب ان نقباء کا انتخاب ہو چکا تو ان سے سردار اور ذمّے دار ہونے کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ نے ایک اور عہد لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "آپ لوگ اپنی قوم کے جملہ معاملات کے کفیل ہیں۔ جیسے حواری حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کی جانب سے کفیل ہوئے تھے اور میں اپنی قوم یعنی مسلمانوں کا کفیل ہوں۔" ان سب نے کہا: جی ہاں۔[13]

شیطان معاہدہ کا انکشاف کرتا ہے

معاہدہ مکمل ہو چکا تھا اور اب لوگ بکھرنے ہی والے تھے کہ ایک شیطان کو اس کا پتا لگ گیا۔ چونکہ یہ انکشاف بالکل آخری لمحات میں ہُوا تھا اور اتنا موقع نہ تھا کہ یہ خبر چپکے سے قریش کو پہنچا دی جائے، اور وہ اچانک اس اجتماع کے شرکاء پر ٹوٹ پڑیں اور انہیں گھاٹی ہی میں جالیں اس لیے اس شیطان نے جھٹ ایک اونچی جگہ کھڑے ہو کر نہایت بلند آواز سے، جو شاید ہی کبھی سُنی گئی ہو، یہ پکار لگائی "خیمے والو! محمد (ﷺ) کو دیکھو۔ اس وقت بددین اس کے ساتھ ہیں اور تم سے لڑنے کے لیے جمع ہیں۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یہ اس گھاٹی کا شیطان ہے او! اللہ کے دشمن، سُن، اب میں تیرے لیے جلد ہی فارغ ہو رہا ہوں۔" اس کے بعد آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ وہ اپنے ڈیروں پر چلے جائیں۔[14]

قریش پر ضرب لگانے کے لیے انصار کی مستعدی

اس شیطان کی آواز سُن کر حضرت عباسؓ بن عبادہ بن نضلہ نے فرمایا: "اس ذات کی قسم! جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ آپؐ چاہیں تو ہم کل اہلِ منیٰ

---

[12] زبیر، حرف ب سے۔ بعض لوگوں نے ب کی جگہ ن کہا ہے یعنی زنیر۔ بعض اہلِ سیر نے رفاعہ کے بدلے ابوالہیثم بن تیہان کا نام درج کیا ہے۔

[13] ابن ہشام ۱/۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۶۔ [14] زاد المعاد ۲/۵۱

پر اپنی تلواروں کے ساتھ ٹوٹ پڑیں"۔ آپ نے فرمایا "ہمیں اس کا حکم نہیں دیا گیا ہے پس آپ لوگ اپنے ڈیروں میں چلے جائیں"۔ اس کے بعد لوگ واپس جا کر سو گئے۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔[۱۵]

رؤسا یثرب سے قریش کا احتجاج

یہ خبر قریش کے کانوں تک پہنچی تو غم والم کی شدّت سے ان کے اندر کہرام مچ گیا کیونکہ اس جیسی بیعت کے جو نتائج ان کی جان و مال پر مرتب ہو سکتے تھے اس کا انہیں اچھی طرح اندازہ تھا؛ چنانچہ صبح ہوتے ہی ان کے رؤسا اور اکابر مجرمین کے ایک بھاری بھرکم وفد نے اس معاہدے کے خلاف سخت احتجاج کے لیے اہل یثرب کے خیموں کا رُخ کیا، اور یوں عرض پرداز ہوا:

"خزرج کے لوگو! ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ لوگ ہمارے اس صاحب کو ہمارے درمیان سے نکال لے جانے کے لیے آئے ہیں اور ہم سے جنگ کرنے کے لیے اس کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں حالانکہ کوئی عرب قبیلہ ایسا نہیں جس سے جنگ کرنا ہمارے لیے اتنا زیادہ ناگوار ہو جتنا آپ حضرات سے ہے"۔[۱۶]

لیکن چونکہ مشرکین خزرج اس بیعت کے بارے میں سرے سے کچھ جانتے ہی نہ تھے۔ کیونکہ یہ مکمل رازداری کے ساتھ رات کی تاریکی میں زیر عمل آئی تھی اس لیے ان مشرکین نے اللہ کی قسم کھا کھا کر یقین دلایا کہ ایسا کچھ ہوا ہی نہیں ہے، ہم اس طرح کی کوئی بات سرے سے جانتے ہی نہیں۔ بالآخر یہ وفد عبداللہ بن اُبَیّ ابن سلول کے پاس پہنچا۔ وہ بھی کہنے لگا "یہ باطل ہے۔ ایسا نہیں ہوا ہے، اور یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ میری قوم مجھے چھوڑ کر اس طرح کا کام کر ڈالے۔ اگر میں یثرب میں ہوتا تو بھی مجھ سے مشورہ کیے بغیر میری قوم ایسا نہ کرتی"۔

باقی رہے مسلمان تو انہوں نے کنکھیوں سے ایک دوسرے کو دیکھا اور چپ سادھ لی۔ ان میں سے کسی نے ہاں یا نہیں کے ساتھ زبان ہی نہیں کھولی۔ آخر رؤسا قریش کا رجحان یہ رہا کہ مشرکین کی بات سچ ہے اس لیے وہ نامراد واپس چلے گئے۔

خبر کا یقین اور بیعت کرنے والوں کا تعاقب

رؤسا مکہ تقریباً اس یقین کے ساتھ پلٹے تھے کہ یہ خبر غلط ہے لیکن اس کی کرید میں وہ برابر لگے رہے۔ بالآخر انہیں یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ خبر صحیح ہے اور بیعت ہو چکی ہے۔ لیکن یہ پتا اس وقت چلا جب

---

[۱۵] ابن ہشام ۱/۴۴۸ [۱۶] ایضاً ۱/۴۴۸

حُجّاج اپنے اپنے وطن روانہ ہو چکے تھے، اس لیے ان کے سواروں نے تیز رفتاری سے اہلِ یثرب کا پیچھا کیا لیکن موقع نکل چکا تھا، البتہ انہوں نے سعدؓ بن عبادہ اور مُنذِرؓ بن عمرو کو دیکھ لیا اور انہیں جا کھدیڑا لیکن مُنذِرؓ زیادہ تیز رفتار ثابت ہوئے اور نکل بھاگے البتہ سعدؓ بن عبادہ پکڑ لیے گئے اور ان کا ہاتھ گردن کے پیچھے انہیں کے کجاوے کی رسّی سے باندھ دیا گیا؛ پھر انہیں مارتے پیٹتے اور بال نوچتے ہوئے مکہ لے جایا گیا، لیکن وہاں مطعم بن عدی اور حارث بن حرب بن امیہ نے آکر چھڑا دیا کیونکہ ان دونوں کے جو قافلے مدینے سے گذرتے تھے وہ حضرت سعدؓ ہی کی پناہ میں گذرتے تھے۔ ادھر انصار ان کی گرفتاری کے بعد باہم مشورہ کر رہے تھے کہ کیوں نہ دھاوا بول دیا جائے مگر اتنے میں وہ دکھائی پڑ گئے۔ اس کے بعد تمام لوگ بخیریت مدینہ پہنچ گئے۔[۱]

یہی عقبہ کی دوسری بیعت ہے جسے بیعتِ عقبۂ کُبریٰ کہا جاتا ہے۔ یہ بیعت ایک ایسی فضا میں زیرِ عمل آئی جس پر محبّت و وفاداری، منتشر اہلِ ایمان کے درمیان تعاون و تناصر، باہمی اعتماد، اور جاں سپاری و شجاعت کے جذبات چھائے ہوئے تھے۔ چنانچہ یثربی اہلِ ایمان کے دل اپنے کمزور مکّی بھائیوں کی شفقت سے لبریز تھے۔ ان کے اندر ان بھائیوں کی حمایت کا جوش تھا اور ان پر ظلم کرنے والوں کے خلاف غم و غصّہ تھا۔ ان کے سینے اپنے اس بھائی کی محبّت سے سرشار تھے جسے دیکھے بغیر محض للہ فی اللہ اپنا بھائی قرار دے لیا تھا۔

اور یہ جذبات و احساسات محض کسی عارضی کشش کا نتیجہ نہ تھے جو دن گذرنے کے ساتھ ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔ بلکہ اس کا منبع ایمان باللہ، ایمان بالرسول اور ایمان بالکتاب تھا۔ یعنی وہ ایمان جو ظلم و عدوان کی کسی بڑی سے بڑی قوت کے سامنے سرنگوں نہیں ہوتا؛ وہ ایمان کہ جب اس کی بادِ بہاری چلتی ہے تو عقیدہ و عمل میں عجائبات کا ظہور ہوتا ہے۔ اسی ایمان کی بدولت مسلمانوں نے صفحاتِ زمانہ پر ایسے ایسے کارنامے ثبت کیے اور ایسے ایسے آثار و نشانات چھوڑے کہ ان کی نظیر سے ماضی و حاضر خالی ہیں۔ اور غالباً مستقبل بھی خالی ہی رہے گا۔

---

[۱] زاد المعاد ۲/۵۱، ۵۲۔ ابنِ ہشام ۱/۴۴۸ - ۴۵۰

ہجرت کے ہراول دستے

جب دوسری بیعتِ عقبہ مکمل ہوگئی۔ اسلام، کفر و جہالت کے لق و دق صحرا میں اپنے ایک وطن کی بنیاد رکھنے میں کامیاب ہوگیا ___ اور یہ سب سے اہم کامیابی تھی جو اسلام نے اپنی دعوت کے آغاز سے اب تک حاصل کی تھی ___ تو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو اجازت مرحمت فرمائی کہ وہ اپنے اس نئے وطن کی طرف ہجرت کر جائیں۔

ہجرت کے معنی یہ تھے کہ سارے مفادات تج کر اور مال کی قربانی دے کر محض جان بچالی جائے اور وہ بھی یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ جان بھی خطرے کی زد میں ہے۔ ابتدائے راہ سے انتہائے راہ تک کہیں بھی ہلاک کی جاسکتی ہے۔ پھر سفر بھی ایک مبہم مستقبل کی طرف ہے معلوم نہیں آگے چل کر ابھی کون کون سے مصائب اور غم و الم رُونما ہوں گے۔

مسلمانوں نے یہ سب کچھ جانتے ہوئے ہجرت کی ابتداء کر دی۔ ادھر مشرکین نے بھی ان کی روانگی میں رکاوٹیں کھڑی کرنی شروع کیں کیونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ اس میں خطرات مضمر ہیں۔ ہجرت کے چند نمونے پیشِ خدمت ہیں۔

۱۔ سب سے پہلے مہاجر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے ابنِ اسحاق کے بقول بیعتِ عقبۂ کُبریٰ سے ایک سال پہلے ہجرت کی تھی، ان کے ہمراہ ان کے بیوی بچے بھی تھے۔ جب انہوں نے روانہ ہونا چاہا تو ان کے سسرال والوں نے کہا کہ یہ رہی آپ کی بیگم۔ اسکے متعلق تو آپ ہم پر غالب آگئے۔ لیکن یہ بتایئے کہ یہ ہمارے گھر کی لڑکی آخر کس بنا پر ہم آپ کو چھوڑ دیں کہ آپ اسے شہر شہر گھماتے پھریں؟ چنانچہ انہوں نے ان سے ان کی بیوی چھین لی۔ اس پر ابوسلمہؓ کے گھر والوں کو تاؤ آگیا اور انہوں نے کہا کہ جب تم لوگوں نے اس عورت کو ہمارے آدمی سے چھین لیا تو ہم اپنا بیٹا اس عورت کے پاس نہیں رہنے دے سکتے۔ چنانچہ دونوں فریق نے اس بچے کو اپنی اپنی طرف کھینچا جس سے اس کا ہاتھ اکھڑ گیا۔ اور ابوسلمہؓ کے گھر والے اس کو اپنے پاس لے گئے۔ خلاصہ یہ کہ ابوسلمہؓ نے تنہا مدینہ کا سفر کیا۔ اس کے بعد حضرت امِ سلمہؓ کا حال یہ تھا کہ وہ اپنے شوہر کی روانگی اور اپنے بچے سے محرومی کے

بعد روزانہ صبح ابطح پہنچ جاتیں۔ (جہاں یہ ماجرا پیش آیا تھا) اور شام تک روتی رہتیں۔ اسی حالت میں ایک سال گذر گیا۔ بالآخر ان کے گھرانے کے کسی آدمی کو ترس آگیا اور اس نے کہا کہ اس بیچاری کو جانے کیوں نہیں دیتے؟ اسے خواہ مخواہ اس کے شوہر اور بیٹے سے جُدا کر رکھا ہے۔ اس پر اُمّ سلمہؓ سے ان کے گھر والوں نے کہا کہ اگر تم چاہو تو اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤ۔ حضرت اُمّ سلمہؓ نے بیٹے کو اس کے ددھیال والوں سے واپس لیا اور مدینہ چل پڑیں۔ اللہ اکبر! کوئی پانچ سو کیلومیٹر کی مسافت کا سفر اور ساتھ میں اللہ کی کوئی مخلوق نہیں، جب تنعیم پہنچیں تو عثمان بن ابی طلحہ مل گیا۔ اسے حالات کی تفصیل معلوم ہوئی تو مشایعت کرتا ہُوا مدینہ پہنچانے لے گیا اور جب قُباء کی آبادی نظر آئی تو بولا "تمہارا شوہر اسی بستی میں ہے اسی میں چلی جاؤ اللہ برکت دے۔" اس کے بعد وہ مکہ پلٹ آیا[1]

۲۔ حضرت صُہیبؓ نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو ان سے کفّارِ قریش نے کہا "تم ہمارے پاس آئے تھے تو حقیر و فقیر تھے۔ لیکن یہاں آکر تمہارا مال بہت زیادہ ہو گیا اور تم بہت آگے پہنچ گئے۔ اب تم چاہتے ہو کہ اپنی جان اور اپنا مال دونوں لے کر چل دو تو بخدا ایسا نہیں ہو سکتا۔" حضرت صہیبؓ نے کہا: "اچھا یہ بتاؤ کہ اگر میں اپنا مال چھوڑ دوں تو تم میری راہ چھوڑ دو گے؟" انہوں نے کہا ہاں حضرت صہیبؓ نے کہا اچھا تو پھر ٹھیک ہے، چلو میرا مال تمہارے حوالے ـــ رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم ہُوا تو آپ نے فرمایا "صہیبؓ نے نفع اٹھایا۔ صہیبؓ نے نفع اٹھایا۔"[2]

(۳) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، عیاشؓ بن ابی ربیعہ اور ہشامؓ بن عاص بن وائل نے آپس میں طے کیا کہ فلاں جگہ صبح صبح اکٹھے ہو کر وہیں سے مدینہ کو ہجرت کی جائے گی۔ حضرت عمرؓ اور عیّاشؓ تو وقتِ مقررہ پر آگئے لیکن ہشام کو قید کر لیا گیا۔

پھر جب یہ دونوں حضرات مدینہ پہنچ کر قُبا میں اُتر چکے تو عیاشؓ کے پاس ابو جہل اور اس کا بھائی حارث پہنچے۔ تینوں کی ماں ایک تھی۔ ان دونوں نے عیّاشؓ سے کہا "تمہاری ماں نے نذر مانی ہے کہ جب تک وہ تمہیں دیکھ نہ لے گی سر میں کنگھی نہ کرے گی اور دُھوپ چھوڑ کر سائے میں نہ آئے گی۔" یہ سُن کر عیاش کو اپنی ماں پر ترس آگیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کیفیت دیکھ کر عیّاشؓ سے کہا: "عیّاشؓ! دیکھو خدا کی قسم یہ لوگ تم کو محض تمہارے دین سے فتنے میں ڈالنا چاہتے ہیں؛ لہٰذا ان سے ہوشیار رہو خدا کی قسم اگر تمہاری ماں کو جُوؤں نے اذیت پہنچائی تو وہ کنگھی کرلے گی اور اسے مکہ کی ذرا کڑی دھوپ

---

[1] ابن ہشام ۱/۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰ [2] ایضاً ۱/۴۷۷

لگی تو وہ سائے میں چلی جائے گی" مگر عیاشؓ نہ مانے انہوں نے اپنی ماں کی قسم پوری کرنے کے لیے ان دونوں کے ہمراہ نکلنے کا فیصلہ کر لیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا! "اچھا جب یہی کرنے پر آمادہ ہو تو میری یہ اونٹنی لے لو۔ یہ بڑی عمدہ اور تیز رو ہے۔ اس کی پیٹھ نہ چھوڑنا اور لوگوں کی طرف سے کوئی مشکوک حرکت ہو تو نکل بھاگنا۔"

عیاشؓ اونٹنی پر سوار ان دونوں کے ہمراہ نکل پڑے۔ راستے میں ایک جگہ ابوجہل نے کہا: "بھئی میرا یہ اونٹ تو بڑا سخت نکلا، کیوں نہ تم مجھے بھی اپنی اس اونٹنی پر پیچھے بٹھا لو" عیاشؓ نے کہا 'ٹھیک ہے۔ اور اس کے بعد اونٹنی بٹھا دی۔ ان دونوں نے بھی اپنی اپنی سواریاں بٹھائیں تاکہ ابوجہل عیاشؓ کی اونٹنی پر پلٹ آئے، لیکن جب تینوں زمین پر آگئے تو یہ دونوں اچانک عیاشؓ پر ٹوٹ پڑے اور انہیں رسی سے جکڑ کر باندھ دیا اور اسی بندھی ہوئی حالت میں دن کے وقت مکہ لائے اور کہا کہ اے اہل مکہ! اپنے بیوقوفوں کے ساتھ ایسا ہی کرو جیسا ہم نے اپنے اس بیوقوف کے ساتھ کیا ہے [۳]

عازمین ہجرت کا علم ہو جانے کی صورت میں ان کے ساتھ مشرکین جو سلوک کرتے تھے اس کے یہ تین نمونے ہیں، لیکن ان سب کے باوجود لوگ آگے پیچھے پے درپے نکلتے ہی رہے چنانچہ بیعت عقبۂ کبریٰ کے صرف دو ماہ چند دن بعد مکہ میں رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کے علاوہ کچھ ایسے مسلمان ضرور رہ گئے تھے جنہیں مشرکین نے زبردستی روک رکھا تھا۔ ان دونوں حضرات (حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ) کو بھی رسول اللہ ﷺ نے روک رکھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ بھی اپنا ساز و سامان تیار کر کے روانگی کے لیے حکم خداوندی کا انتظار کر رہے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا رخت سفر بھی بندھا ہوا تھا۔ [۴]

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں

---

[۳] ہشامؓ اور عیاشؓ کفار کی قید میں پڑے رہے۔ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما چکے تو آپ نے ایک روز کہا، کون ہے جو میرے لیے ہشامؓ اور عیاشؓ کو چھڑا لائے۔ ولیدؓ بن ولید نے کہا: میں آپ کے لیے ان کو لانے کا ذمہ دار ہوں۔ پھر ولیدؓ خفیہ طور پر مکہ گئے اور ایک عورتؓ جو ان دونوں کے پاس کھانا لے جا رہی تھی) اس کے پیچھے پیچھے جا کر ان کا ٹھکانا معلوم کیا۔ یہ دونوں ایک بغیر چھت کے مکان میں قید تھے۔ رات ہوئی تو حضرت ولیدؓ دیوار پھلانگ کر ان دونوں کے پاس پہنچے اور بیڑیاں کاٹ کر اپنے اونٹ پر بٹھایا اور مدینہ بھاگ آئے۔ ابن ہشام ۱/ ۴۷۴ - ۴۷۶ - اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ ہجرت کی تھی۔ صحیح بخاری ۱/ ۵۵۸

[۴] زاد المعاد ۲/ ۵۲

سے فرمایا: "مجھے تمہارا مقام ہجرت دکھلایا گیا ہے۔ یہ لاوے کی دو پہاڑیوں کے درمیان واقع ایک نخلستانی علاقہ ہے۔" اس کے بعد لوگوں نے مدینے کی جانب ہجرت کی۔ عام مہاجرین حبشہ بھی مدینہ ہی آگئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی سفرِ مدینہ کے لیے ساز و سامان تیار کر لیا۔ (لیکن) رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: "ذرا رکے رہو کیونکہ توقع ہے مجھے بھی اجازت دے دی جائے گی۔" ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: "میرے باپ آپؐ پر فدا کیا آپؐ کو اس کی امید ہے۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں۔" اسکے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ رکے رہے۔ تاکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کریں۔ ان کے پاس دو اونٹنیاں تھیں۔ انھیں بھی چار ماہ تک ببول کے پتوں کا خوب چارہ کھلایا۔ ۵ے

○

۵ے صحیح البخاری۔ باب ہجرۃ النبی ﷺ واصحابہ ۱/ ۵۵۳

قریش کی پارلیمنٹ 'دارالندوہ' میں

جب مشرکین نے دیکھا کہ صحابہ کرامؓ تیار ہو ہو کر نکل گئے اور بال بچوں اور مال و دولت کو لاد پھاند کر اوس و خزرج کے علاقے میں جا پہنچے تو ان میں بڑا کہرام مچا۔ غم والم کے لاوے پھوٹ پڑے اور انہیں ایسا رنج وقلق ہوا کہ اس سے کبھی سابقہ نہ پڑا تھا۔ اب ان کے سامنے ایک ایسا عظیم اور حقیقی خطرہ مجسم ہو چکا تھا جو ان کی بت پرستانہ اور اقتصادی اجتماعیت کے لیے چیلنج تھا۔

مشرکین کو معلوم تھا کہ محمد ﷺ کے اندر کمال قیادت و رہنمائی کے ساتھ ساتھ کس قدر انتہائی درجہ قوتِ تاثیر موجود ہے اور آپ ﷺ کے صحابہؓ میں کیسی عزیمت و استقامت اور کیسا جذبۂ فداکاری پایا جاتا ہے۔ پھر اوس و خزرج کے قبائل میں کس قدر قوت و قدرت اور جنگی صلاحیت ہے۔ اور ان دونوں قبائل کے عقلاء میں صلح و صفائی کے کیسے جذبات ہیں۔ اور وہ کئی برس تک خانہ جنگی کی تلخیاں چکھنے کے بعد اب باہمی رنج و عداوت کو ختم کرنے پر کس قدر آمادہ ہیں۔

انہیں اس کا بھی احساس تھا کہ یمن سے شام تک بحر احمر کے ساحل سے ان کی جو تجارتی شاہراہ گذرتی ہے۔ اس شاہراہ کے اعتبار سے مدینہ فوجی اہمیت کے کس قدر حساس اور نازک مقام پر واقع ہے۔ دراں حالیکہ ملک شام سے صرف مکہ والوں کی سالانہ تجارت ڈھائی لاکھ دینار سونے کے تناسب سے ہوا کرتی تھی۔ اہل طائف وغیرہ کی تجارت اسکے علاوہ تھی اور معلوم ہے کہ اس تجارت کا سارا دارومدار اس پر تھا کہ یہ راستہ پُر امن رہے۔

ان تفصیلات سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ یثرب میں اسلامی دعوت کے جڑ پکڑنے اور اہل مکہ کے خلاف اہل یثرب کے صف آرا ہونے کی صورت میں مکے والوں کے لیے کتنے خطرات تھے۔ چونکہ مشرکین کو اس گمبھیر خطرے کا پورا پورا احساس تھا جو ان کے وجود کے لیے چیلنج بن رہا تھا اس لیے انہوں نے اس خطرے کا کامیاب ترین علاج سوچنا شروع کیا۔ اور معلوم ہے کہ اس خطرے کی اصل بنیاد دعوتِ اسلام کے علمبردار حضرت محمد ﷺ ہی تھے۔

مشرکین نے اس مقصد کے لیے بیعتِ عقبۂ کُبریٰ کے تقریباً ڈھائی مہینہ بعد ۲۶ صفر ۱۴ نبوت مطابق ۱۲ ستمبر ۶۲۲ء یوم جمعرات[1] کو دن کے پہلے پہر[2] مکے کی پارلیمنٹ دارالندوہ میں تاریخ کا سب سے خطرناک

[1]/[2] نوٹ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیے۔

اجتماع منعقد کیا۔ اور اس میں قریش کے تمام قبائل کے نمائندوں نے شرکت کی۔ موضوع بحث ایک ایسے قطعی پلان کی تیاری تھی جس کے مطابق اسلامی دعوت کے علمبردار کا قصہ بہ عجلت تمام پاک کر دیا جائے اور اس دعوت کی روشنی کلی طور پر مٹادی جائے۔

اس خطرناک اجتماع میں قبائل قریش کے نمایاں چہرے یہ تھے:

۱۔ ابوجہل بن ہشام	قبیلہ بنی مخزوم سے۔
۲۔ جبیر بن مطعم، طعیمہ بن عدی اور حارث بن عامر،	بنی نوفل بن عبد مناف سے
۳۔ شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ اور ابوسفیان بن حرب،	بنی عبد شمس بن عبد مناف سے
۴۔ نضر بن حارث،	بنی عبد الدار سے۔
۵۔ ابوالبختری بن ہشام، زمعہ بن اسود اور حکیم بن حزام	بنی اسد بن عبدالعزیٰ سے
۶۔ نبیہ بن حجاج اور منبہ بن حجاج	بنی سہم سے
۷۔ امیہ بن خلف	بنی جمح سے

وقتِ مقررہ پر یہ نمائندگان دارالندوہ پہنچے تو ابلیس بھی ایک شیخ جلیل کی صورت، عبا اوڑھے، راستہ روکے، دروازے پر آن کھڑا ہوا۔ لوگوں نے کہا یہ کون سے شیخ ہیں؟ ابلیس نے کہا "یہ اہل نجد کا ایک شیخ ہے۔ آپ لوگوں کا پروگرام سُن کر حاضر ہو گیا ہے۔ باتیں سننا چاہتا ہے اور کچھ بعید نہیں کہ آپ لوگوں کو خیر خواہانہ مشورے سے بھی محروم نہ رکھے۔" لوگوں نے کہا "بہتر ہے آپ بھی آجایئے"، چنانچہ ابلیس بھی ان کے ساتھ اندر گیا۔

پارلیمانی بحث اور نبی ﷺ کے قتل کی ظالمانہ قرارداد پر اتفاق

اجتماع مکمل ہو گیا تو تجاویز اور حل پیش کیے جانے شروع ہوئے اور دیر تک بحث جاری رہی۔ پہلے ابوالاسود نے یہ تجویز پیش کی کہ ہم اس شخص کو اپنے درمیان سے نکال دیں اور اپنے شہر سے جلاوطن کر دیں۔ پھر ہمیں اس سے

انوٹ گوشۂ صفحہ م

۱؎ یہ تاریخ علامہ منصور پوری کی درج کردہ تحقیقات کی روشنی میں متعین کی گئی ہے۔ رحمۃ للعالمین ۱/۹۵، ۹۷، ۱۰۲، ۲/۴۷۱

۲؎ پہلے پہر اس اجتماع کے منعقد ہونے کی دلیل ابن اسحاق کی وہ روایت ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت جبریلؑ نبی ﷺ کی خدمت میں اس اجتماع کی خبر لے کر آئے اور آپ کو ہجرت کی اجازت دی۔ اس کے ساتھ صحیح بخاری میں مروی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت کو ملایئے کہ نبی ﷺ ٹھیک دوپہر کے وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے۔ اور فرمایا "مجھے روانگی کی اجازت دے دی گئی ہے۔" روایت بہ تفصیل آگے آرہی ہے۔

کوئی واسطہ نہیں کہ وہ کہاں جاتا اور کہاں رہتا ہے۔ بس ہمارا معاملہ ٹھیک ہو جائے گا اور ہمارے درمیان پہلے جیسی یگانگت ہو جائے گی۔

مگر شیخ نجدی نے کہا: "نہیں۔ خدا کی قسم یہ مناسب رائے نہیں ہے۔ تم دیکھتے نہیں کہ اس شخص کی بات کتنی عمدہ اور بول کتنے میٹھے ہیں اور جو کچھ لاتا ہے اس کے ذریعے کس طرح لوگوں کا دل جیت لیتا ہے۔ خدا کی قسم اگر تم نے ایسا کیا تو کچھ اطمینان نہیں کہ وہ عرب کے کسی قبیلے میں نازل ہو اور انہیں اپنا پیرو بنا لینے کے بعد تم پر یورش کر دے اور تمہیں تمہارے شہر کے اندر روند کر تم سے جیسا سلوک چاہے کرے۔ اسکے بجائے کوئی اور تجویز سوچو۔"

ابو البختری نے کہا: "اسے لوہے کی بیڑیوں میں جکڑ کر قید کر دو اور باہر سے دروازہ بند کر دو پھر اسی انجام (موت) کا انتظار کرو جو اس سے پہلے دوسرے شاعروں مثلاً زُہَیر اور نابغہ وغیرہ کا ہو چکا ہے۔"

شیخ نجدی نے کہا: "نہیں خدا کی قسم یہ بھی مناسب رائے نہیں ہے۔ واللہ اگر تم لوگوں نے اسے قید کر دیا جیسا کہ تم کہہ رہے ہو تو اس کی خبر بند دروازے سے باہر نکل کر اس کے ساتھیوں تک ضرور پہنچ جائے گی۔ پھر کچھ بعید نہیں کہ وہ لوگ تم پر دھاوا بول کر اس شخص کو تمہارے قبضے سے نکال لے جائیں۔ پھر اس کی مدد سے اپنی تعداد بڑھا کر تمہیں مغلوب کر لیں —— لہذا یہ بھی مناسب رائے نہیں۔ کوئی اور تجویز سوچو!"

یہ دونوں تجاویز پارلیمنٹ رد کر چکی تو ایک تیسری مجرمانہ تجویز پیش کی گئی جس سے تمام ممبران نے اتفاق کیا۔ اسے پیش کرنے والا مکے کا سب سے بڑا مجرم ابوجہل تھا۔ اس نے کہا: "اس شخص کے بارے میں میری ایک رائے ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ اب تک تم لوگ اس پر نہیں پہنچے" لوگوں نے کہا: 'ابو الحکم وہ کیا ہے؟' ابوجہل نے کہا: "میری رائے یہ ہے کہ ہم ہر ہر قبیلے سے ایک مضبوط، صاحب نسب اور بانکا جوان منتخب کر لیں، پھر ہر ایک کو ایک تیز تلوار دیں۔ اس کے بعد سب کے سب اس شخص کا رُخ کریں اور اس طرح یکبارگی تلوار مار کر قتل کر دیں جیسے ایک ہی آدمی نے تلوار ماری ہو۔ یوں ہمیں اس شخص سے راحت مل جائے گی اور اس طرح قتل کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس شخص کا خون سارے قبائل میں بکھر جائے گا اور بنو عبد مناف سارے قبیلوں سے جنگ نہ کر سکیں گے۔ لہذا دیت (خون بہا) لینے پر راضی ہو جائیں گے۔ اور ہم دیت ادا کر دیں گے۔"[لے]

شیخ نجدی نے کہا: "بات یہ رہی جو اس جوان نے کہی۔ اگر کوئی تجویز اور رائے ہو سکتی ہے تو یہی ہے' باقی سب ہیچ۔"

اس کے بعد پارلیمانِ مکہ نے اس مجرمانہ قرارداد پر اتفاق کر لیا اور ممبران اس عزمِ مصمم کے ساتھ اپنے گھروں کو واپس گئے کہ اس قرارداد پر عمل فی الفور کرنا ہے۔

لے ابن ہشام ۱/ ۴۸۰ - ۴۸۲ -

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت

جب نبی ﷺ کے قتل کی مجرمانہ قرارداد طے ہو چکی تو حضرت جبریل علیہ السّلام اپنے رب تبارک و تعالیٰ کی وحی لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ کو قریش کی سازش سے آگاہ کرتے ہوئے بتلایا کہ اللہ تعالےٰ نے آپ ﷺ کو یہاں سے روانگی کی اجازت دے دی ہے اور یہ کہتے ہوئے ہجرت کے وقت کا تعین بھی فرما دیا کہ آپ ﷺ یہ رات اپنے اس بستر پر نہ گذاریں جس پر اب تک گذارا کرتے تھے۔[1]

اس اطلاع کے بعد نبی ﷺ ٹھیک دوپہر کے وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے تاکہ ان کے ساتھ ہجرت کے سارے پروگرام اور مرحلے طے فرمالیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ٹھیک دوپہر کے وقت ہم لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مکان میں بیٹھے تھے کہ کسی کہنے والے نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا' یہ رسول اللہ ﷺ سر ڈھانکے تشریف لا رہے ہیں۔ یہ ایسا وقت تھا جس میں آپ ﷺ تشریف نہیں لایا کرتے تھے۔ ابوبکرؓ نے کہا' میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ ﷺ اس وقت کسی اہم معاملے ہی کی وجہ سے تشریف لاتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، اجازت طلب کی۔ آپؐ کو اجازت دی گئی اور آپ ﷺ اندر داخل ہوئے۔ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "تمہارے پاس جو لوگ ہیں انہیں ہٹا دو۔" ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: "بس آپؐ کی اہلِ خانہ ہی ہیں آپ ﷺ پر میرے باپ فدا ہوں اے اللہ کے رسول! (ﷺ) آپ نے فرمایا: "اچھا تو مجھے روانگی کی اجازت مل چکی ہے۔" ابوبکرؓ نے کہا' ساتھ..... اے اللہ کے رسولؐ! میرے باپ آپؐ پر فدا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ہاں"۔[2]

اس کے بعد ہجرت کا پروگرام طے کر کے رسول اللہ ﷺ اپنے گھر واپس تشریف لائے اور رات کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔

---

[1] ابن ہشام ۱/۴۸۲، زاد المعاد ۲/۵۲ [2] صحیح بخاری باب ہجرۃ النبی ﷺ ۱/۵۵۳

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کا گھیراؤ

ادھر قریش کے اکابر مجرمین نے اپنا سارا دن مکے کی پارلیمان دار الندوہ کی پہلے پہر کی طے کردہ قرارداد کے نفاذ کی تیاری میں گذارا اور اس مقصد کے لیے ان اکابر مجرمین میں سے گیارہ سردار منتخب کئے ـــ جن کے نام یہ ہیں۔

۱۔ ابوجہل بن ہشام
۲۔ حکم بن عاص
۳۔ عُقبہ بن ابی مُعیط
۴۔ نضر بن حارث
۵۔ اُمیّہ بن خلف
۶۔ زَمعہ بن الاسود
۷۔ طُعیمہ بن عدی
۸۔ ابولہب
۹۔ اُبی بن خلف
۱۰۔ نُبیہ بن الحجاج
۱۱۔ اور اس کا بھائی مُنبّہ بن الحجاج [3]

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب رات ذرا تاریک ہوگئی تو یہ لوگ گھات لگا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر بیٹھ گئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو جائیں تو یہ لوگ آپ پر ٹوٹ پڑیں۔ [4]

ان لوگوں کو پورا وثوق اور پختہ یقین تھا کہ ان کی یہ ناپاک سازش کامیاب ہو کر رہے گی یہاں تک کہ ابوجہل نے بڑے متکبرانہ اور پُرغرور انداز میں مذاق و استہزاء کرتے ہوئے اپنے گھیرا ڈالنے والے ساتھیوں سے کہا: "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتا ہے کہ اگر تم لوگ اس کے دین میں داخل ہو کر اس کی پیروی کرو گے تو عرب و عجم کے بادشاہ بن جاؤ گے، پھر مرنے کے بعد اٹھائے جاؤ گے تو تمہارے لیے اردن کے باغات جیسی جنتیں ہوں گی۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ان کی طرف سے تمہارے اندر ذبح کے واقعات پیش آئیں گے۔ پھر تم مرنے کے بعد اٹھائے جاؤ گے اور تمہارے لیے آگ ہوگی جس میں جلائے جاؤ گے۔" [5]

بہرحال اس سازش کے نفاذ کے لیے آدھی رات کے بعد کا وقت مقرر تھا اس لیے یہ لوگ جاگ کر رات گذار رہے تھے اور وقت مقررہ کے منتظر تھے، لیکن اللہ اپنے کام پر غالب ہے، اسی کے ہاتھ میں آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ جسے بچانا چاہے کوئی اس کا بال بیکا نہیں کر سکتا اور جسے پکڑنا چاہے کوئی اس کو بچا نہیں سکتا؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے

---

[3] زاد المعاد ۲/۵۲ [4] ابن ہشام ۱/۴۸۲ [5] ایضاً ۱/۴۸۳

اس موقع پر وہ کام کیا جسے ذیل کی آیتِ کریمہ میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے بیان فرمایا ہے کہ

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ۝ (۸ : ۳۰)

"وہ موقع یاد کرو جب کفار تمہارے خلاف سازش کر رہے تھے۔ تاکہ تمہیں قید کر دیں یا قتل کر دیں یا نکال باہر کریں اور وہ لوگ داؤ چل رہے تھے اور اللہ بھی داؤ چل رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر داؤ والا ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا گھر چھوڑتے ہیں

بہر حال قریش اپنے پلان کے نفاذ کی انتہائی تیاری کے باوجود فاش ناکامی سے دوچار ہوئے، چنانچہ اس نازک ترین لمحے میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ اور میری یہ سبز حضرمی[1] چادر اوڑھ کر سو رہو۔ تمہیں ان کے ہاتھوں کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔" رسول اللہ ﷺ یہی چادر اوڑھ کر سویا کرتے تھے۔[2]

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے۔ مشرکین کی صفیں چیریں اور ایک مٹھی سنگریزوں والی مٹی لے کر ان کے سروں پر ڈالی لیکن اللہ نے ان کی نگاہیں پکڑ لیں اور وہ آپ ﷺ کو دیکھ نہ سکے۔ اس وقت آپؐ یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے۔

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ۝ (۳۶ : ۹)

"ہم نے ان کے آگے رکاوٹ کھڑی کر دی اور ان کے پیچھے رکاوٹ کھڑی کر دی پس ہم نے انہیں ڈھانک لیا ہے اور وہ دیکھ نہیں رہے ہیں۔"

اس موقع پر کوئی بھی مشرک باقی نہ بچا جس کے سر پر آپ ﷺ نے مٹی نہ ڈالی ہو۔ اس کے بعد آپؐ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور پھر ان کے مکان کی ایک کھڑکی سے نکل کر دونوں حضرات نے رات ہی رات یمن کا رخ کیا اور چند میل پر واقع ثور نامی پہاڑ کے ایک غار میں جا پہنچے۔[3]

---

[1] حضر موت (جنوبی یمن) کی بنی ہوئی چادر حضرمی کہلاتی ہے۔

[2] ابن ہشام ۱/ ۴۸۲، ۴۸۳ [3] ایضاً ۱/ ۴۸۳۔ زاد المعاد ۲/ ۵۲

ادھر محاصرین وقتِ صفر کا انتظار کر رہے تھے لیکن اس سے ذرا پہلے انہیں اپنی ناکامی و نامرادی کا علم ہوگیا۔ ہُوا یہ کہ ان کے پاس ایک غیر متعلق شخص آیا اور انہیں آپ ﷺ کے دروازے پر دیکھ کر پوچھا کہ آپ لوگ کس کا انتظار کر رہے ہیں؟ انہوں نے کہا محمد (ﷺ) کا۔ اس نے کہا، آپ لوگ ناکام و نامراد ہوئے۔ خدا کی قسم! محمد (ﷺ) تو آپ لوگوں کے پاس سے گذرے اور آپ کے سروں پر مٹی ڈالتے ہوئے اپنے کام کو گئے۔ انہوں نے کہا، بخدا! ہم نے تو انہیں نہیں دیکھا اور اس کے بعد اپنے سروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے اُٹھ پڑے۔

لیکن پھر دروازے کی دراز سے جھانک کر دیکھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نظر آئے۔ کہنے لگے: خدا کی قسم! یہ تو محمد (ﷺ) سوئے پڑے ہیں۔ ان کے اوپر ان کی چادر موجود ہے چنانچہ یہ لوگ صبح تک وہیں ڈٹے رہے۔ ادھر صبح ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بستر سے اُٹھے تو مشرکین کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کہاں ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا، مجھے معلوم نہیں۔[۹]

گھر سے غار تک

رسول اللہ ﷺ ۲۷ صفر ۱۴ نبوت مطابق ۱۲-۱۳ ستمبر ۶۲۲ء[۱۰] کی درمیانی رات اپنے مکان سے نکل کر جان و مال کے سلسلے میں اپنے سب سے قابلِ اعتماد ساتھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے تھے اور وہاں سے پچھواڑے کی ایک کھڑکی سے نکل کر دونوں حضرات نے باہر کی راہ لی تھی تاکہ مکہ سے جلد از جلد یعنی طلوعِ فجر سے پہلے پہلے باہر نکل جائیں۔

چونکہ نبی ﷺ کو معلوم تھا کہ قریش پوری جانفشانی سے آپ ﷺ کی تلاش میں لگ جائیں گے اور جس راستے پر پہلے اُن کی نظر اُٹھے گی وہ مدینہ کا کاروانی راستہ ہوگا جو شمال کے رخ پر جاتا ہے اس لیے آپ ﷺ نے وہ راستہ اختیار کیا جو اس کے بالکل اُلٹ تھا یعنی یمن جانے والا راستہ جو مکہ کے جنوب میں واقع ہے۔ آپ ﷺ نے اس راستے پر کوئی پانچ میل

---

۹ ایضاً ایضاً

۱۰ رحمۃ للعالمین ۱/ ۹۵۔ صفر کا یہ مہینہ چودھویں سنہ نبوت کا اس وقت ہوگا جب سنہ کا آغاز محرم کے مہینے سے مانا جائے اور اگر سنہ کی ابتدا اسی مہینے سے کریں جس میں آپ ﷺ کو نبوت سے مشرف کیا گیا تھا تو صفر کا یہ مہینہ قطعی طور پر تیرہویں سنہ نبوت کا ہوگا۔ عام اہل سیر نے کہیں پہلا حساب اختیار کیا ہے اور کہیں دوسرا جسکی وجہ سے وہ واقعات کی ترتیب میں خبط اور غلطی میں پڑ گئے ہیں ہم نے سنہ کا آغاز محرم سے مانا ہے۔

کا فاصلہ طے کیا اور اس پہاڑ کے دامن میں پہنچے جو ثور کے نام سے معروف ہے۔ یہ نہایت بلند، پُرپیچ اور مشکل چڑھائی والا پہاڑ ہے۔ یہاں پتھر بھی بکثرت ہیں جن سے رسول اللہ ﷺ کے دونوں پاؤں زخمی ہو گئے اور کہا جاتا ہے کہ آپؐ نشانِ قدم چھپانے کے لیے پنجوں کے بل چل رہے تھے اس لیے آپ ﷺ کے پاؤں زخمی ہو گئے۔ بہر حال وجہ جو بھی رہی ہو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پہاڑ کے دامن میں پہنچ کر آپ ﷺ کو اٹھا لیا اور دوڑتے ہوئے پہاڑ کی چوٹی پر ایک غار کے پاس جا پہنچے جو تاریخ میں غارِ ثور کے نام سے معروف ہے۔[۱]

غار میں

غار کے پاس پہنچ کر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: "خدا کے لیے ابھی آپ ﷺ اس میں داخل نہ ہوں۔ پہلے میں داخل ہو کر دیکھے لیتا ہوں، اگر اس میں کوئی چیز ہوئی تو آپ ﷺ کے بجائے مجھے اس سے سابقہ پیش آئے گا۔" چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اندر گئے اور غار کو صاف کیا۔ ایک جانب چند سوراخ تھے۔ جنہیں اپنا تہ بند پھاڑ کر بند کیا لیکن دو سوراخ باقی بچ رہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان دونوں پر اپنے پاؤں رکھ دیے۔ پھر رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ اندر تشریف لائیں۔ آپ ﷺ اندر تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آغوش میں سر رکھ کر سو گئے۔ ادھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں کسی چیز نے ڈس لیا مگر اس ڈر سے ہلے بھی نہیں کہ رسول اللہ ﷺ جاگ نہ جائیں۔ لیکن ان کے آنسو رسول اللہ ﷺ کے چہرے پر ٹپک گئے (اور آپ ﷺ کی آنکھ کھل گئی) آپ ﷺ نے فرمایا: "ابوبکرؓ تمہیں کیا ہوا؟" عرض کی میرے ماں باپ آپؐ پر قربان! مجھے کسی چیز نے ڈس لیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر لعابِ دہن لگا دیا اور تکلیف جاتی رہی۔[۲]

یہاں دونوں حضرات نے تین راتیں یعنی جمعہ، سنیچر اور اتوار کی راتیں چھپ کر گزاریں۔[۳] اس دوران ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہؓ بھی یہیں رات گذارتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ وہ گہری سوجھ بوجھ کے مالک، سخن فہم نوجوان تھے۔ سحر کی تاریکی میں ان دونوں حضرات کے پاس سے چلے جاتے اور مکّہ میں قریش کے ساتھ یوں صبح کرتے گویا انہوں نے یہیں رات گذاری ہے پھر آپ دونوں کے خلاف سازش کی جو کوئی بات سنتے اُسے اچھی طرح یاد کر لیتے اور جب

---

[۱] رحمۃ للعالمین ۱/۹۵ مختصر السیرۃ للشیخ عبداللہ ص ۱۶۷

[۲] یہ بات رزین نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ پھر یہ زہر پھوٹ پڑا (یعنی موت کے وقت اس کا اثر پلٹ آیا) اور یہی موت کا سبب بنا۔ دیکھئے مشکوٰۃ ۲/۵۵۶ باب مناقب ابی بکر۔

تاریکی گہری ہو جاتی تو اس کی خبر لے کر غار میں پہنچ جاتے۔

ادھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فُہیرہ بکریاں چراتے رہتے اور جب رات کا ایک حصہ گذر جاتا تو بکریاں لے کر ان کے پاس پہنچ جاتے۔ اس طرح دونوں حضرات رات کو آسودہ ہو کر دودھ پی لیتے۔ پھر صبح تڑکے ہی عامر بن فُہیرہ بکریاں ہانک کر چل دیتے۔ تینوں رات انہوں نے یہی کیا۔ [۱۴] (مزید یہ کہ) عامر بن فُہیرہ، حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے مکہ جانے کے بعد انہیں کے نشانات قدم پر بکریاں ہانکتے تھے تاکہ نشانات مٹ جائیں۔ [۱۵]

قریش کی تگ و دو

اُدھر قریش کا یہ حال تھا کہ جب منصوبۂ قتل کی رات گذر گئی اور صبح کو یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ ان کے ہاتھ سے نکل چکے ہیں تو ان پر گویا جنون طاری ہو گیا۔ انہوں نے سب سے پہلے اپنا غصہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اتارا آپ کو گھسیٹ کر خانہ کعبہ تک لے گئے اور ایک گھڑی زیر حراست رکھا کہ ممکن ہے ان دونوں کی خبر لگ جائے [۱۶] لیکن جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کچھ حاصل نہ ہُوا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ برآمد ہوئیں۔ ان سے پوچھا تمہارے ابا کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا، بخدا مجھے معلوم نہیں کہ میرے ابا کہاں ہیں۔ اس پر کمبخت خبیث ابوجہل نے ہاتھ اٹھا کر اُن کے رخسار پر اس زور کا تھپڑ مارا کہ ان کے کان کی بالی گر گئی۔ [۱۷]

اس کے بعد قریش نے ایک ہنگامی اجلاس کر کے یہ طے کیا کہ ان دونوں کو گرفتار کرنے کے لیے تمام ممکنہ وسائل کام میں لائے جائیں؛ چنانچہ مکے سے نکلنے والے تمام راستوں پر خواہ وہ کسی بھی سمت جا رہا ہو نہایت کڑا مسلح پہرہ بٹھا دیا گیا۔ اسی طرح یہ اعلان عام بھی کیا گیا کہ جو کوئی رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یا ان میں سے کسی ایک کو زندہ یا مردہ حاضر کرے گا اسے ہر ایک کے بدلے سو اونٹوں کا گرانقدر انعام دیا جائے گا۔ [۱۸] اس اعلان کے نتیجے میں سوار اور پیادے اور نشانات قدم کے ماہر کھوجی نہایت سرگرمی سے تلاش میں لگ گئے اور پہاڑوں، وادیوں اور نشیب و فراز میں ہر طرف بکھر گئے؛ لیکن نتیجہ اور حاصل کچھ نہ رہا۔

تلاش کرنے والے غار کے دہانے تک بھی پہنچے لیکن اللہ اپنے کام پر غالب ہے چنانچہ صحیح بخاری

---

[۱۳] فتح الباری ۷/۲۳۶ [۱۴] صحیح بخاری ۱/۵۵۳، ۵۵۴ [۱۵] ابن ہشام ۱/۴۸۶
[۱۶] رحمۃ للعالمین ۱/۹۶ [۱۷] ابن ہشام ۱/۴۸۷ [۱۸] صحیح بخاری ۱/۵۵۴

میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں نبی ﷺ کے ساتھ غار میں تھا سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ لوگوں کے پاؤں نظر آرہے ہیں۔ میں نے کہا' اے اللہ کے نبیؐ! اگر ان میں سے کوئی شخص محض اپنی نگاہ نیچی کر دے تو ہمیں دیکھ لے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، "ابو بکرؓ! خاموش رہو (ہم) دو ہیں جن کا تیسرا اللہ ہے"۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں مَا ظَنُّكَ يَا اَبَا بَكْرٍ بِاثْنَيْنِ اَللّٰهُ ثَالِثُهُمَا۔ ابو بکرؓ! ایسے دو آدمیوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے، جن کا تیسرا اللہ ہے[19]

حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک معجزہ تھا جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو مشرف فرمایا چنانچہ تلاش کرنے والے اس وقت واپس چلے گئے جب آپؐ کے درمیان اور ان کے درمیان چند قدم سے زیادہ فاصلہ باقی نہ رہ گیا تھا۔

مدینہ کی راہ میں

جب جستجو کی آگ بجھ گئی، تلاش کی تگ و دو رک گئی اور تین روز کی مسلسل اور بے نتیجہ دوڑ دھوپ کے بعد قریش کے جوش و جذبات سرد پڑ گئے تو رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے لیے نکلنے کا عزم فرمایا۔ عبد اللہ بن اریقط لیثی سے، جو صحرائی اور بیابانی راستوں کا ماہر تھا، پہلے ہی اجرت پر مدینہ پہنچانے کا معاملہ طے ہو چکا تھا۔ یہ شخص ابھی قریش ہی کے دین پر تھا لیکن قابل اطمینان تھا اس لیے سواریاں اس کے حوالے کر دی گئی تھیں اور طے ہوا تھا کہ تین راتیں گذر جانے کے بعد وہ دونوں سواریاں لے کر غار ثور پہنچ جائے گا۔ چنانچہ جب دوشنبہ کی رات آئی جو ربیع الاول سلہ کی چاند رات تھی (مطابق ۱۶ ستمبر ۶۲۲ء) تو عبد اللہ بن اریقط سواریاں لے کر آگیا اور اسی موقع پر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں افضل ترین اونٹنی پیش کرتے ہوئے گذارش کی کہ آپ میری ان دو سواریوں میں سے ایک قبول فرمالیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "قیمتاً لوں گا"۔

ادھر اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا بھی زاد سفر لے کر آئیں مگر اس میں لٹکانے والا بندھن لگانا بھول گئیں۔ جب روانگی کا وقت آیا اور حضرت اسماءؓ نے توشہ لٹکانا چاہا تو دیکھا کہ اس میں بندھن ہی نہیں

---

19 ایضاً ۱/۵۱۶، ۵۵۸۔ یہاں یہ نکتہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کا اضطراب اپنی جان کے خوف سے نہ تھا بلکہ اس کا واحد سبب وہی تھا جو اس روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جب قیافہ شناسوں کو دیکھا تو رسول اللہ ﷺ پر آپ کا غم فزوں تر ہو گیا اور آپ نے کہا، کہ اگر میں مارا گیا تو میں محض ایک آدمی ہوں لیکن اگر آپؐ قتل کر دیے گئے تو پوری امت ہی غارت ہو جائے گی۔ اور اسی موقع پر ان سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ غم نہ کرو یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ دیکھئے مختصر السیرۃ للشیخ عبد اللہ ص ۱۶۸

ہے۔ انہوں نے اپنا پٹکا (کمر بند) کھولا اور دو حصوں میں چاک کرکے ایک میں توشہ لٹکا دیا اور دوسرا کمر میں باندھ لیا۔ اسی وجہ سے ان کا لقب ذات النطاقین پڑ گیا۔[20]

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کوچ فرمایا۔ عامر بن فُہیرہ رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے۔ رہنما عبداللہ بن اریقط نے ساحل کا راستہ اختیار کیا۔

غار سے روانہ ہوکر اس نے سب سے پہلے یمن کے رُخ پر چلایا اور جنوب کی سمت خوب دُور تک لے گیا پھر پچھم کی طرف مڑا اور ساحلِ سمندر کا رخ کیا؛ پھر ایک ایسے راستے پر پہنچ کر جس سے عام لوگ واقف نہ تھے شمال کی طرف مُڑ گیا۔ یہ راستہ ساحلِ بحرِ احمر کے قریب ہی تھا اور اس پر شاذ و نادر ہی کوئی چلتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ اس راستے میں جن مقامات سے گذرے ابنِ اسحاق نے ان کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب راہنما آپ دونوں کو ساتھ لے کر نکلا تو زیریں مکہ سے لے چلا پھر ساحل کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا زیریں عُسفان سے راستہ کاٹا، پھر زیریں امج سے گذرتا ہوا آگے بڑھا، اور قدید پار کرنے کے بعد پھر راستہ کاٹا اور وہیں سے آگے بڑھتا ہوا خرار سے گذرا، پھر ثنیۃ المرۃ سے، پھر لقف سے، پھر بیابان لقف سے گذرا، پھر مجاح کے بیابان میں پہنچا۔ اور وہاں سے ہوکر پھر مجاح کے موڑ سے گذرا پھر ذوالغضوین کے موڑ کے نشیب میں چلا پھر ذی کشر کی وادی میں داخل ہوا پھر جداجد کا رُخ کیا پھر اجرد پہنچا اور اس کے بعد بیابان تعہن کے اطراف کی وادی ذوسلم سے گذرا۔ وہاں سے عبابید اور اسکے بعد فاجہ کا رُخ کیا پھر عرج میں اترا پھر رکوبہ کے داہنے ہاتھ ثنیۃ العائر میں چلا یہاں تک کہ وادی رئم میں اترا اور اسکے بعد قبا پہنچ گیا۔[21]

آیئے! اب راستے کے چند واقعات بھی سُنتے چلیں۔

۱۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا "ہم لوگ (غار سے نکل کر) رات بھر اور دن میں دوپہر تک چلتے رہے۔ جب ٹھیک دوپہر کا وقت ہوگیا راستہ خالی ہوگیا اور کوئی گذرنے والا نہ رہا تو ہمیں ایک لمبی چٹان دکھائی دی جس کے سائے پر دھوپ نہیں آئی تھی۔ ہم وہیں اتر پڑے۔ میں نے اپنے ہاتھ سے نبی ﷺ کے سونے کے لیے ایک جگہ برابر کی اور اس پر ایک پوستین بچھا کر گذارش کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ آپ سو جائیں اور میں آپ کے گردوپیش کی دیکھ بھال کئے لیتا ہوں۔ آپ ﷺ سو گئے اور میں آپ کے گردوپیش کی دیکھ بھال کے لیے نکلا۔ اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ ایک چرواہا

---

[20] صحیح البخاری ۱/۵۵۳، ۵۵۵، ابن ہشام ۱/۴۸۶ [21] ابن ہشام ۱/۴۹۱، ۴۹۲

اپنی بکریاں لیے چٹان کی جانب چلا آرہا ہے۔ وہ بھی اس چٹان سے وہی چاہتا تھا جو ہم نے چاہا تھا۔ میں نے اُس سے کہا، اے جوان تم کس کے آدمی ہو؟ اس نے مکہ یا مدینہ کے کسی آدمی کا ذکر کیا۔ میں نے کہا، تمہاری بکریوں میں کچھ دودھ ہے؟ اس نے کہا، ہاں۔ میں نے کہا دوہ سکتا ہوں۔ اُس نے کہا ہاں! اور ایک بکری پکڑی۔ میں نے کہا ذرا تھن کو مٹی، بال اور تنکے وغیرہ سے صاف کر لو۔ پھر اس نے ایک کاب میں تھوڑا سا دودھ دوہا اور میرے پاس ایک چرمی لوٹا تھا جو میں نے رسول اللہ ﷺ کے پینے اور وضو کرنے کے لیے رکھ لیا تھا۔ میں نبی ﷺ کے پاس آیا لیکن گوارا نہ ہوا کہ آپ کو بیدار کروں۔ چنانچہ جب آپ بیدار ہوئے تو میں آپؐ کے پاس آیا اور دودھ پر پانی انڈیلا یہاں تک کہ اس کا نچلا حصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے کہا، اے اللہ کے رسول ﷺ! پی لیجیے۔ آپؐ نے پیا یہاں تک کہ میں خوش ہو گیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا، کیا ابھی کوچ کا وقت نہیں ہوا؟ میں نے کہا، کیوں نہیں؟ اس کے بعد ہم لوگ چل پڑے[۲۲]

۲۔ اس سفر میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا طریقہ یہ تھا کہ وہ نبی ﷺ کے ردیف رہا کرتے تھے یعنی سواری پر حضورؐ کے پیچھے بیٹھا کرتے تھے، چونکہ ان پر بڑھاپے کے آثار نمایاں تھے اس لیے لوگوں کی توجہ انہیں کی طرف جاتی تھی۔ نبی ﷺ پر ابھی جوانی کے آثار غالب تھے اس لیے آپؐ کی طرف توجہ کم جاتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کسی آدمی سے سابقہ پڑتا تو وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھتا کہ یہ آپ کے آگے کون سا آدمی ہے؟ (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کا بڑا لطیف جواب دیتے) فرماتے: "یہ آدمی مجھے راستہ بتاتا ہے۔" اس سے سمجھنے والا سمجھتا کہ وہ یہی راستہ مراد لے رہے ہیں حالانکہ وہ خیر کا راستہ مراد لیتے تھے۔[۲۳]

۳۔ اسی سفر میں آپ ﷺ کا گذر اُمِّ مَعْبَدْ خُزَاعِیہ کے خیمے سے ہوا۔ یہ ایک نمایاں اور توانا خاتون تھیں۔ ہاتھوں میں گھٹنے ڈالے خیمے کے صحن میں بیٹھی رہتیں اور آنے جانے والے کو کھلاتی پلاتی رہتیں۔ آپؐ نے ان سے پوچھا کہ پاس میں کچھ ہے؟ بولیں: "بخدا ہمارے پاس کچھ ہوتا تو آپ لوگوں کی میزبانی میں تنگی نہ ہوتی، بکریاں بھی دُور دراز ہیں۔" یہ قحط کا زمانہ تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ خیمے کے ایک گوشے میں ایک بکری ہے۔ فرمایا: "اُمِّ معبد! یہ کیسی بکری ہے؟" بولیں: "اسے کمزوری نے ریوڑ سے پیچھے چھوڑ رکھا ہے۔" آپ ﷺ نے

---

[۲۲] صحیح البخاری ۱/ ۵۱۰ [۲۳] صحیح البخاری عن انس ۱/ ۵۵۶

دریافت کیا کہ اس میں کچھ دودھ ہے؟ بولیں: "وہ اس سے کہیں زیادہ کمزور ہے۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "اجازت ہے کہ اسے دوہ لوں؟" بولیں "ہاں میرے ماں باپ تم پر قربان۔ اگر تمہیں اس میں دودھ دکھائی دے رہا ہے تو ضرور دوہ لو۔" اس گفتگو کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس بکری کے تھن پر ہاتھ پھیرا۔ اللہ کا نام لیا اور دعا کی۔ بکری نے پاؤں پھیلا دئے۔ تھن میں بھرپور دودھ اُتر آیا۔ آپؐ نے اُمِّ مَعبدؓ کا ایک بڑا سا برتن لیا جو ایک جماعت کو آسودہ کر سکتا تھا اور اس میں اتنا دوہا کہ جھاگ اُوپر آ گیا۔ پھر اُمِّ مَعبد کو پلایا۔ وہ پی کر شکم سیر ہو گئیں تو اپنے ساتھیوں کو پلایا۔ وہ بھی شکم سیر ہو گئے تو خود پیا۔ پھر اسی برتن میں دوبارہ اتنا دودھ دوہا کہ برتن بھر گیا اور اسے اُمِّ مَعبد کے پاس چھوڑ کر آگے چل پڑے۔

تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ ان کے شوہر ابو مَعبدؓ اپنی کمزور بکریوں کو جو دُبلے پن کی وجہ سے مریل چال چل رہی تھیں، ہانکتے ہوئے آ پہنچے۔ دودھ دیکھا تو حیرت میں پڑ گئے۔ پوچھا یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا؟ جبکہ بکریاں دور دراز تھیں اور گھر میں دودھ دینے والی بکری نہ تھی۔ بولیں: "بخدا کوئی بات نہیں سوائے اس کے کہ ہمارے پاس سے ایک بابرکت آدمی گذرا جس کی ایسی اور ایسی بات تھی اور یہ اور یہ حال تھا۔" ابو مَعبدؓ نے کہا یہ تو وہی صاحبِ قریش معلوم ہوتا ہے جسے قریش تلاش کر رہے ہیں۔ اچھا ذرا اس کی کیفیت تو بیان کرو۔ اس پر اُمِّ مَعبدؓ نے نہایت دلکش انداز سے آپ ﷺ کے اوصاف و کمالات کا ایسا نقشہ کھینچا کہ گویا سننے والا آپؐ کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہے ــــ کتاب کے آخیر میں یہ اوصاف درج کئے جائیں گے ــــ یہ اوصاف سن کر ابو مَعبدؓ نے کہا: "واللہ یہ تو وہی صاحبِ قریش ہے جس کے بارے میں لوگوں نے قسم قسم کی باتیں بیان کی ہیں۔ میرا ارادہ ہے کہ آپ ﷺ کی رفاقت اختیار کروں اور کوئی راستہ ملا تو ایسا ضرور کروں گا۔"

ادھر مکے میں ایک آواز ابھری جسے لوگ سن رہے تھے مگر اس کا بولنے والا دکھائی نہیں پڑ رہا تھا۔ آواز یہ تھی۔

جزی اللہ رب العرش خیر جزائہ	رفیقین حلا خیمتی ام معبد
ھما نزلا بالبر وارتحلا بہ	وافلح من امسی رفیق محمّد
فیا لقصیّ مازوی اللہ عنکم	بہ من فعال لایجازی وسؤدد
لیھن بنی کعب مکان فتاتھم	ومقعدھا للمومنین بمرصد
سلوا اختکم عن شأتھا وانائھا	فانکم ان تسألوا الشاۃ تشھد

"اللہ رب العرش ان دو رفیقوں کو بہترین جزا دے جو اُمِّ معبد کے خیمے میں نازل ہوئے۔ وُہ دونوں خیر کے ساتھ اُترے اور خیر کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اور جو محمد ﷺ کا رفیق ہُوا وہ کامیاب ہُوا۔ ہائے قُصَی! اللہ نے اس کے ساتھ کتنے بے نظیر کارنامے اور سرداریاں تم سے سمیٹ لیں۔ بنوکعب کو ان کی خاتون کی قیام گاہ اور مومنین کی نگہداشت کا پڑاؤ مبارک ہو۔ تم اپنی خاتون سے اس کی بکری اور برتن کے متعلق پُوچھو۔ تم اگر خود بکری سے پوچھو گے تو وہ بھی شہادت دے گی۔"

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں ہمیں معلوم نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کدھر کا رُخ فرمایا ہے کہ ایک جن زیریں مکہ سے یہ اشعار پڑھتا ہُوا آیا۔ لوگ اس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے، اس کی آواز سن رہے تھے لیکن خود اسے نہیں دیکھ رہے تھے، یہاں تک کہ وہ بالائی مکہ سے نکل گیا۔ وہ کہتی ہیں کہ جب ہم نے اس کی بات سنی تو ہمیں معلوم ہُوا کہ رسول اللہ ﷺ نے کدھر کا رُخ فرمایا ہے۔ یعنی آپ ﷺ کا رُخ مدینہ کی جانب ہے۔[۲۴]

۴۔ راستے میں سُراقہ بن مالک نے تعاقب کیا اور اس واقعے کو خود سُراقہ نے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: "میں اپنی قوم بنی مُدلِج کی ایک مجلس میں بیٹھا تھا کہ اتنے میں ایک آدمی آکر ہمارے پاس کھڑا ہُوا اور ہم بیٹھے تھے۔ اس نے کہا' اے سُراقہ! میں نے ابھی ساحل کے پاس چند افراد دیکھے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھی ہیں۔ سُراقہ کہتے ہیں کہ میں سمجھ گیا یہ وہی لوگ ہیں، لیکن میں نے اس آدمی سے کہا کہ یہ وہ لوگ نہیں ہیں بلکہ تم نے فلاں اور فلاں کو دیکھا ہے جو ہماری آنکھوں کے سامنے گزر کر گئے ہیں۔ پھر میں مجلس میں کچھ دیر تک ٹھہرا رہا۔ اس کے بعد اُٹھ کر اندر گیا اور اپنی لونڈی کو حکم دیا کہ وہ میرا گھوڑا نکالے اور ٹیلے کے پیچھے روک کر میرا انتظار کرے۔ ادھر میں نے اپنا نیزہ لیا اور گھر کے پچھواڑے سے باہر نکلا۔ لاٹھی کا ایک سرا زمین پر گھسیٹ رہا تھا اور دوسرا اوپری سرا نیچے کر رکھا تھا۔ اس طرح میں اپنے گھوڑے کے پاس پہنچا اور اس پر سوار ہوگیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ حسبِ معمول مجھے لے کر دوڑ رہا ہے یہاں تک کہ میں ان کے قریب آ گیا۔ اس کے بعد گھوڑا مجھ سمیت پھسلا اور میں اس سے گر گیا۔ میں نے اُٹھ کر ترکش کی طرف ہاتھ بڑھایا اور پانسے کے تیر نکال کر یہ جاننا چاہا کہ میں انہیں ضرر پہنچا سکوں گا یا نہیں تو وہ تیر نکلا جو مجھے ناپسند تھا، لیکن

---

۲۴ زاد المعاد ۲/ ۵۳، ۵۴۔ بنو خزاعہ کی آبادی کے محلِ وقوع کو مدِّنظر رکھتے ہوئے اغلب یہ ہے کہ یہ واقعہ غار سے روانگی کے بعد دوسرے دن پیش آیا ہوگا۔

میں نے تیر کی نافرمانی کی اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ وہ مجھے لے کر دوڑنے لگا یہاں تک کہ جب میں رسول اللہ ﷺ کی قراءت سن رہا تھا ——— اور آپ التفات نہیں فرماتے تھے جبکہ ابو بکرؓ بار بار مڑ کر دیکھ رہے تھے۔ تو میرے گھوڑے کے اگلے دونوں پاؤں زمین میں دھنس گئے یہاں تک کہ گھٹنوں تک جا پہنچے اور میں اس سے گر گیا، پھر میں نے اسے ڈانٹا تو اس نے اٹھنا چاہا لیکن وہ اپنے پاؤں بمشکل نکال سکا۔ بہرحال جب وہ سیدھا کھڑا ہوا تو اس کے پاؤں کے نشان سے آسمان کی طرف دھوئیں جیسا غبار اڑ رہا تھا۔ میں نے پھر پانسے کے تیر سے قسمت معلوم کی اور پھر وہی تیر نکلا جسے مجھے ناپسند تھا۔ اس کے بعد میں نے امان کے ساتھ انہیں پکارا تو وہ لوگ ٹھہر گئے اور میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے پاس پہنچا۔ جس وقت میں ان سے روک دیا گیا تھا اسی وقت میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کا معاملہ غالب آ کر رہے گا، چنانچہ میں نے آپ ﷺ سے کہا کہ آپؐ کی قوم نے آپ ﷺ کے بدلے دیت (کا انعام) رکھا ہے اور ساتھ ہی میں نے لوگوں کے عزائم سے آپ ﷺ کو آگاہ کیا اور توشہ اور ساز و سامان کی بھی پیش کش کی مگر انہوں نے میرا کوئی سامان نہیں لیا اور نہ مجھ سے کوئی سوال کیا۔ صرف اتنا کہا کہ ہمارے متعلق رازداری برتنا۔ میں نے آپؐ سے گزارش کی کہ آپؐ مجھے پروانۂ امن لکھ دیں۔ آپ ﷺ نے عامرؓ بن فہیرہ کو حکم دیا اور انہوں نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر لکھ کر میرے حوالے کر دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ آگے بڑھ گئے۔ [۲۵]

اس واقعے سے متعلق خود ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بھی ایک روایت ہے ان کا بیان ہے کہ ہم لوگ روانہ ہوئے تو قوم ہماری تلاش میں تھی مگر سراقہؓ بن مالک بن جعشم کے سوا، جو اپنے گھوڑے پر آیا تھا، اور کوئی ہمیں نہ پا سکا۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ پیچھا کرنے والا ہمیں آلینا چاہتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا

"غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے"۔ [۲۶]

بہرحال سراقہؓ واپس ہوا تو دیکھا کہ لوگ تلاش میں سرگرداں ہیں۔ کہنے لگا ادھر کی کھوج خبر لے

---

۲۵ صحیح بخاری ۱/۵۵۴ — بنی مدلج کا وطن رابغ کے قریب تھا اور سراقہؓ نے اس وقت آپؐ کا پیچھا کیا تھا جب آپؐ قدید سے اوپر جا رہے تھے (زاد المعاد ۲/۵۳) اس لیے اغلب یہ ہے کہ غار سے روانگی کے بعد تیسرے دن تعاقب کا یہ واقعہ پیش آیا تھا۔

۲۶ صحیح بخاری ۱/۵۱۶ ۲۷ زاد المعاد ۲/۵۳

چکا ہوں۔ یہاں تمہارا جو کام تھا وہ کیا جا چکا ہے۔ (اس طرح لوگوں کو واپس لے گیا) یعنی دن کے شروع میں تو چڑھا آ رہا تھا اور آخر میں پاسبان بن گیا۔ ۲۷

۵۔ راستے میں نبی ﷺ کو بُریدہ اَسلمی ملے، یہ اپنی قوم کے سردار تھے اور قریش نے جس زبردست انعام کا اعلان کر رکھا تھا اسی کے لالچ میں نبی ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تلاش میں نکلے تھے؛ لیکن جب رسول اللہ ﷺ سے سامنا ہوا اور بات چیت ہوئی تو نقد دل دے بیٹھے اور اپنی قوم کے ستّر آدمیوں سمیت وہیں مسلمان ہو گئے۔ پھر اپنی پگڑی اتار کر نیزہ سے باندھ لی جس کا سفید پھریرا ہوا میں لہراتا اور بشارت سناتا تھا کہ امن کا بادشاہ، صلح کا حامی، دُنیا کو عدالت و انصاف سے بھرپور کرنے والا تشریف لا رہا ہے۔ ۲۸

۶۔ راستے میں نبی ﷺ کو حضرت زُبیرؓ بن عوام رضی اللہ عنہ ملے۔ یہ مسلمانوں کے ایک تجارت پیشہ گروہ کے ساتھ ملک شام سے واپس آ رہے تھے۔ حضرت زبیرؓ نے رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سفید پارچہ جات پیش کیے۔ ۲۹

قبا میں تشریف آوری

دو شنبہ ۸۔ ربیع الاول ۱۴ سنہ نبوت یعنی ۱ سنہ ہجری مطابق ۲۳۔ ستمبر ۶۲۲ء کو رسُول اللہ ﷺ قبا میں وارد ہوئے۔ ۳۰

حضرت عروۃ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مسلمانانِ مدینہ نے مکّہ سے رسول اللہ ﷺ کی روانگی کی خبر سن لی تھی اس لیے لوگ روزانہ صبح ہی صبح حرّہ کی طرف نکل جاتے اور آپؐ کی راہ تکتے رہتے۔ جب دوپہر کو دھوپ سخت ہو جاتی تو واپس چلے آتے۔ ایک روز طویل انتظار کے بعد لوگ اپنے اپنے گھروں کو پہنچ چکے تھے کہ ایک یہودی اپنے کسی ٹیلے پر کچھ دیکھنے کے لیے چڑھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے رفقا سفید کپڑوں میں ملبوس ــ جن سے چاندنی چھٹک رہی تھی ــ تشریف لا رہے ہیں۔ اس نے بیخود ہو کر نہایت بلند آواز سے کہا: "عرب کے لوگو! یہ رہا تمہارا نصیب جس کا تم انتظار کر رہے تھے۔" یہ سنتے ہی مسلمان ہتھیاروں کی طرف دوڑ

---

۲۸ رحمۃ للعالمین ۱/۱۰۱ ۲۹ صحیح بخاری عن عروۃ ابن الزبیر ۱/۵۵۴

۳۰ رحمۃ للعالمین ۱/۱۰۲۔ اس دن نبی ﷺ کی عمر بغیر کسی کمی بیشی کے ٹھیک ترپن سال ہوئی تھی اور جو لوگ آپؐ کی نبوت کا آغاز ۹۔ ربیع الاول ۴۱ عام الفیل سے مانتے ہیں ان کے قول کے مطابق آپؐ کی نبوت پر ٹھیک تیرہ سال پورے ہوئے تھے۔ البتہ جو لوگ آپؐ کی نبوت کا آغاز رمضان ۴۱ عام الفیل سے مانتے ہیں ان کے قول کے مطابق بارہ سال پانچ مہینہ اٹھارہ دن یا بائیس دن ہوئے تھے۔

پڑے۔ ۳۱ (اور ہتھیار سج دھج کر استقبال کے لیے امنڈ پڑے)

ابن قیم کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ ہی بنی عمرو بن عوف (ساکنانِ قبا) میں شور بلند ہوا اور تکبیر سنی گئی۔ مسلمان آپ ﷺ کی آمد کی خوشی میں نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے استقبال کے لیے نکل پڑے۔ پھر آپ ﷺ سے مل کر تحیۂ نبوت پیش کیا اور گردوپیش پروانوں کی طرح جمع ہوگئے۔ اس وقت آپ ﷺ پر سکینت چھائی ہوئی تھی۔ اور یہ وحی نازل ہو رہی تھی۔

فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَٰلِكَ ظَهِيرٌ ○ (۶۶:۴)

"اللہ آپ کا مولیٰ ہے اور جبریل علیہ السلام اور صالح مومنین بھی اور اس کے بعد فرشتے آپ کے مددگار ہیں" ۳۲

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ لوگوں سے ملنے کے بعد آپ ان کے ساتھ داہنی جانب مڑے اور بنی عمرو بن عوف میں تشریف لائے۔ یہ دوشنبہ کا دن اور ربیع الاوّل کا مہینہ تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ آنے والوں کے استقبال کے لیے کھڑے تھے اور رسول اللہ ﷺ چپ چاپ بیٹھے تھے۔ انصار کے جو لوگ آتے، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا نہ تھا وہ سیدھے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سلام کرتے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ پر دھوپ آگئی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چادر تان کر آپ ﷺ پر سایہ کیا تب لوگوں نے پہچانا کہ یہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ ۳۳

آپ ﷺ کے استقبال اور دیدار کے لیے سارا مدینہ امنڈ پڑا تھا۔ یہ ایک تاریخی دن تھا جس کی نظیر سرزمین مدینہ نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ آج یہود نے بھی حبقوق نبی کی اس بشارت کا مطلب دیکھ لیا تھا "کہ اللہ جنوب سے اور وہ جو قدوس ہے کوہ فاران سے آیا۔" ۳۴

رسول اللہ ﷺ نے قبا میں کلثوم بن ہدم ــــ اور کہا جاتا ہے کہ سعد بن خیثمہ ــــ کے مکان میں قیام فرمایا ــــ پہلا قول زیادہ قوی ہے۔

ادھر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مکہ میں تین روز ٹھہر کر اور لوگوں کی جو امانتیں

---

۳۱ صحیح بخاری ۱/۵۵۵ ۳۲ زاد المعاد ۲/۵۴ ۳۳ صحیح بخاری ۱/۵۵۵

۳۴ کتاب بائبل صحیفہ حبقوق ۳، ۲

رسول اللہ ﷺ کے پاس تھیں انہیں ادا کر کے پیدل ہی مدینہ کا رخ کیا اور قبا میں رسول اللہ ﷺ سے آملے اور کلثوم بن ہدم کے یہاں قیام فرمایا[۳۵]

رسول اللہ ﷺ نے قبا میں کل چار دن[۳۶] (دوشنبہ، منگل، بدھ، جمعرات) یا دس سے زیادہ دن یا پانچ اور روانگی کے علاوہ ۲۴ دن قیام فرمایا اور اسی دوران مسجد قبا کی بنیاد رکھی اور اس میں نماز بھی پڑھی۔ یہ آپ ﷺ کی نبوت کے بعد پہلی مسجد ہے جس کی بنیاد تقوی پر رکھی گئی۔

پانچویں دن (یا بارہویں دن یا چھبیسویں دن) جمعہ کو۔۔۔ آپؐ حکم الہی کے مطابق سوار ہوئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ردیف تھے۔ آپؐ نے بنو النجار کو۔۔۔ جو آپ ﷺ کے ماموؤں کا قبیلہ تھا۔۔۔ اطلاع بھیج دی تھی۔ چنانچہ وہ تلواریں حمائل کئے حاضر تھے۔ آپؐ نے (ان کی معیت میں) مدینہ کا رُخ کیا۔ بنو سالم بن عوف کی آبادی میں پہنچے تو جمعہ کا وقت آگیا۔ آپؐ نے بطنِ وادی میں اس مقام پر جمعہ پڑھا جہاں اب مسجد ہے۔ کل ایک سو آدمی تھے۔[۳۷]

مدینہ میں داخلہ

جمعہ کے بعد نبی ﷺ مدینہ تشریف لے گئے اور اسی دن سے اس شہر کا نام یثرب کے بجائے مدینۃ الرسول۔ شہرِ رسول ﷺ۔ پڑ گیا جسے مختصراً مدینہ کہا جاتا ہے۔ یہ نہایت تابناک تاریخی دن تھا۔ گلی کوچے تقدیس وتحمید کے کلمات سے گونج رہے تھے اور انصار کی بچیاں خوشی ومسرت سے ان اشعار کے نغمے بکھیر رہی تھیں[۳۸]

اَشْرَقَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ

”ان پہاڑوں سے جو ہیں سوئے جنوب چودھویں کا چاند ہے ہم پر چڑھا

---

[۳۵] زاد المعاد ۲/۵۴۔ ابنِ ہشام ۱/۴۹۳۔ رحمۃ للعالمین ۱/۱۰۲

[۳۶] یہ ابنِ اسحاق کی روایت ہے۔ دیکھئے ابنِ ہشام ۱/۴۹۴۔ اسی کو علامہ منصور پوری نے اختیار کیا ہے۔ دیکھئے رحمۃ للعالمین ۱/۱۰۲۔ لیکن صحیح بخاری کی ایک روایت ہے کہ آپ ﷺ نے قبا میں ۲۴ رات قیام فرمایا (۱/۶۱) مگر ایک اور روایت میں دس رات سے چند روز زیادہ (۱/۵۵۵) اور ایک تیسری روایت میں چودہ رات (۱/۵۶۰) بتایا گیا ہے۔ ابنِ قیم نے اسی آخری روایت کو اختیار کیا ہے مگر ابنِ قیم نے خود تصریح کی ہے کہ آپؐ قبا میں دوشنبہ کو پہنچے تھے اور وہاں سے جمعہ کو روانہ ہوئے تھے۔ (زاد المعاد ۲/۵۴، ۵۵) اور معلوم ہے کہ دوشنبہ اور جمعہ دو الگ الگ ہفتوں کا لیا جائے تو پہنچ اور روانگی کا دن چھوڑ کر کل مدت دس دن ہوتی ہے اور پہنچ اور روانگی کا دن شامل کر کے ۱۲ دن ہوتی ہے اس لیے کل مدت چودہ دن کیسے ہو سکے گی۔

[۳۷] صحیح بخاری ۱/۵۵۵، ۵۶۰۔ زاد المعاد ۲/۵۵۔ ابنِ ہشام ۱/۴۹۴۔ رحمۃ للعالمین ۱/۱۰۲۔

[۳۸] اشعار کا یہ ترجمہ علامہ منصور پوریؒ نے کیا ہے۔ علامہ ابنِ قیم نے لکھا ہے کہ یہ اشعار (باقی اگلے صفحہ پر)

وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ
کیسا عمدہ دین اور تعلیم ہے شکر واجب ہے ہمیں اللہ کا

اَيُّهَا الْمَبْعُوْثُ فِيْنَا جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ
ہے اطاعت فرض تیرے حکم کی بھیجنے والا ہے تیرا کبریا[۳۸]

انصار اگرچہ بڑے دولت مند نہ تھے لیکن ہر ایک کی یہی آرزو تھی کہ رسول اللہ ﷺ اس کے یہاں قیام فرمائیں؛ چنانچہ آپ ﷺ انصار کے جس مکان یا محلے سے گزرتے وہاں کے لوگ آپؐ کی اونٹنی کی نکیل پکڑ لیتے اور عرض کرتے کہ تعداد و سامان اور ہتھیار و حفاظت فرشِ راہ ہیں تشریف لائیے! مگر آپ ﷺ فرماتے کہ اونٹنی کی راہ چھوڑ دو۔ یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے۔ چنانچہ اونٹنی مسلسل چلتی رہی اور اس مقام پر پہنچ کر بیٹھی جہاں آج مسجدِ نبوی ہے؛ لیکن آپ ﷺ نیچے نہیں اترے یہاں تک کہ وہ اٹھ کر تھوڑی دور گئی، پھر مڑ کر دیکھنے کے بعد پلٹ آئی اور اپنی پہلی جگہ بیٹھ گئی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نیچے تشریف لائے۔ یہ آپؐ کے ننہیال والوں یعنی بنو نجار کا محلہ تھا اور یہ اونٹنی کے لیے محض توفیق الٰہی تھی کیونکہ آپ ﷺ ننہیال میں قیام فرما کر ان کی عزت افزائی کرنا چاہتے تھے۔ اب بنو نجار کے لوگوں نے اپنے اپنے گھر لے جانے کے لیے رسول اللہ ﷺ سے عرض معروض شروع کی لیکن ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے لپک کر کجاوہ اٹھا لیا اور اپنے گھر لے کر چلے گئے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ فرمانے لگے، آدمی اپنے کجاوے کے ساتھ ہے۔ ادھر حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے آکر اونٹنی کی نکیل پکڑ لی۔ چنانچہ یہ اونٹنی انہیں کے پاس رہی۔[۳۹]

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "ہمارے کس آدمی کا گھر زیادہ قریب ہے؟" حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے کہا: میرا، اے اللہ کے رسول! یہ رہا میرا مکان اور یہ رہا میرا دروازہ۔ آپ ﷺ نے فرمایا "جاؤ! اور ہمارے لیے قیلولہ کی جگہ تیار

(بقیہ نوٹ گزشتہ صفحہ) تبوک سے نبی ﷺ کی واپسی پر پڑھے گئے تھے اور جو یہ کہتا ہے کہ مدینہ میں آپ ﷺ کے داخلے کے موقعے پر پڑھے گئے تھے اسے وہم ہوا ہے (زاد المعاد ۳/ ۱۰) لیکن علامہ ابنِ قیم نے اس کے وہم ہونے کی کوئی تشفی بخش دلیل نہیں دی ہے۔ ان کے برخلاف علامہ منصور پوری نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ یہ اشعار مدینہ میں داخلے کے وقت پڑھے گئے اور ان کے پاس اس کے ناقابل تردید دلائل بھی ہیں۔ دیکھئے رحمۃ للعالمین ۱/ ۱۰۶

[۳۹] زاد المعاد ۲/ ۵۵۔ رحمۃ للعالمین ۱/ ۱۰۶

کردو۔ انہوں نے عرض کی کہ آپ دونوں حضرات تشریف لے چلیں اللہ برکت دے۔[۱]

چند دن بعد آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور آپ کی دونوں صاحبزادیاں حضرت فاطمہؓ اور ام کلثومؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ اور اُمّ ایمنؓ بھی آگئیں۔ ان سب کو حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ آل ابی بکر کے ساتھ جن میں حضرت عائشہؓ بھی تھیں لے کر آئے تھے؛ البتہ نبی ﷺ کی ایک صاحبزادی حضرت زینبؓ، حضرت ابو العاصؓ کے پاس باقی رہ گئیں۔ انہوں نے آنے نہیں دیا اور وہ جنگِ بدر کے بعد تشریف لا سکیں۔[۲]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت بلالؓ کو بخار آگیا۔ میں نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ۔ ابا جان آپ کا کیا حال ہے۔؟ اور اے بلال! آپ کا کیا حال ہے؟ وہ فرماتی ہیں کہ جب حضرت ابوبکرؓ کو بخار آتا تو یہ شعر پڑھتے!

كُلُّ امْرِئٍ مُصَبَّحٌ فِي أَهْلِهِ　　وَالْمَوْتُ أَدْنَىٰ مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ

"ہر آدمی سے اسکے اہل کے اندر صبح بخیر کہا جاتا ہے حالانکہ موت اُسکے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے۔"

اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی حالت کچھ سنبھلتی تو وہ اپنی کربناک آواز بلند کرتے اور کہتے:

الا ليت شعري هل ابيتن ليلة　　بواد وحولي اذخر و جليل

وهل اردن يوما مياه مجنة　　وهل يبدون لي شامة وطفيل

"کاش میں جانتا کہ کوئی رات وادی (مکہ) میں گذار سکوں گا اور میرے گرد اِذخر اور جلیل (گھاس) ہوں گی۔ اور کیا کسی دن مجنہ کے چشمے پر وارد ہو سکوں گا اور مجھے شامہ اور طفیل (پہاڑ) دکھلائی پڑیں گے۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی خبر دی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اے اللہ! ہمارے نزدیک مدینہ کو اسی طرح محبوب کر دے جیسے مکّہ محبوب تھا یا اس سے بھی زیادہ اور مدینہ کی فضا صحت بخش بنا دے اور اس کے صاع اور مُدّ (غلّے کے پیمانوں) میں برکت دے اور اس کا بخار منتقل کر کے جُحفہ پہنچا دے۔"[۳] اللہ نے آپ ﷺ کی دُعا سُن لی اور حالات بدل گئے۔

یہاں تک حیاتِ طیبہ کی ایک قسم اور اسلامی دعوت کا ایک دور (یعنی مکّی دور) پورا ہو جاتا ہے۔

---

[۱] صحیح بخاری ۱/۵۵۶　[۲] زاد المعاد ۲/۵۵　[۳] صحیح بخاری ۱/۵۸۸، ۵۸۹

مدنی زندگی

مدنی عہد کو تین مرحلوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱- پہلا مرحلہ: جس میں فتنے اور اضطرابات برپا کیے گئے اندر سے رکاوٹیں کھڑی کی گئیں اور باہر سے دشمنوں نے مدینہ کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے چڑھائیاں کیں۔ یہ مرحلہ صلح حُدَیْبِیَہ ذی قعدہ ۶ھ پر ختم ہو جاتا ہے۔

۲- دوسرا مرحلہ: جس میں بُت پرست قیادت کے ساتھ صلح ہوئی یہ فتح مکہ رمضان ۸ھ پر مُنتہی ہوتا ہے۔ یہی مرحلہ شاہانِ عالم کو دعوتِ دین پیش کرنے کا بھی مرحلہ ہے۔

۳- تیسرا مرحلہ: جس میں خلقت اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوئی۔ یہی مرحلہ مدینہ میں قوموں اور قبیلوں کے وفود کی آمد کا بھی مرحلہ ہے۔ یہ مرحلہ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مُبارکہ کے اخیر یعنی ربیع الاول ۱۱ھ تک محیط ہے۔

پہلا مرحلہ :

ہجرت کے وقت مدینہ کے حالات

ہجرت کا مطلب صرف یہی نہیں تھا کہ فتنے اور تمسخر کا نشانہ بننے سے نجات حاصل کر لی جائے بلکہ اس میں یہ مفہوم بھی شامل تھا کہ ایک پُرامن علاقے کے اندر ایک نئے معاشرے کی تشکیل میں تعاون کیا جائے۔ اِسی لیے ہر صاحبِ استطاعت مسلمان پر فرض قرار پایا تھا کہ اس وطنِ جدید کی تعمیر میں حصہ لے اور اس کی پختگی، حفاظت اور رفعتِ شان میں اپنی کوشش صرف کرے۔

یہ بات تو قطعی طور پر معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہی اس معاشرے کی تشکیل کے امام، قائد اور رہنما تھے اور کسی نزاع کے بغیر سارے معاملات کی باگ ڈور آپ ﷺ ہی کے ہاتھ میں تھی۔

مدینے میں رسول اللہ ﷺ کو تین طرح کی قوموں سے سابقہ درپیش تھا جن میں سے ہر ایک کے حالات دوسرے سے بالکل جداگانہ تھے اور ہر ایک قوم کے تعلق سے کچھ خصوصی مسائل تھے جو دوسری قوموں کے مسائل سے مختلف تھے۔ یہ تینوں اقوام حسب ذیل تھیں:

۱۔ آپ ﷺ کے پاکباز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی منتخب اور ممتاز جماعت۔

۲۔ مدینے کے قدیم اور اصلی قبائل سے تعلق رکھنے والے مشرکین، جو اب تک ایمان نہیں لائے تھے۔

۳۔ یہود۔

(الف) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعلق سے آپ ﷺ کو جن مسائل کا سامنا تھا ان کی توضیح یہ ہے کہ ان کے لیے مدینے کے حالات مکّے کے حالات سے قطعی طور پر مختلف تھے۔ مکّے میں اگرچہ ان کا کلمہ ایک تھا اور ان کے مقاصد بھی ایک تھے مگر وہ خود مختلف گھرانوں میں بکھرے ہوئے تھے۔ اور مجبور و مقہور اور ذلیل و کمزور تھے۔ ان کے ہاتھ میں کسی طرح کا کوئی اختیار نہ تھا۔ سارے اختیارات دشمنانِ دین کے ہاتھوں میں تھے اور دنیا کا کوئی بھی انسانی معاشرہ جن اجزاء اور لوازمات سے قائم ہوتا ہے مکّہ کے مسلمانوں کے پاس وہ اجزاء سرے سے تھے ہی نہیں کہ ان کی بُنیاد پر کسی نئے اسلامی معاشرے کی تشکیل کر سکیں۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ مکّی سورتوں میں صرف اسلامی مبادیات کی تفصیل بیان کی گئی ہے اور صرف ایسے احکامات نازل کیے گئے ہیں جن پر ہر آدمی تنہا عمل کر سکتا ہے۔ اس کے

علاوہ نیکی بھلائی اور مکارمِ اخلاق کی ترغیب دی گئی ہے اور رذیل و ذلیل کاموں سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔

اس کے برخلاف مدینے میں مسلمانوں کی زمامِ کار پہلے ہی دن سے خود ان کے اپنے ہاتھ میں تھی۔ ان پر کسی دوسرے کا تسلّط نہ تھا اس لیے اب وقت آگیا تھا کہ مسلمان تہذیب و عمرانیات، معاشیات و اقتصادیات، سیاست و حکومت اور صلح و جنگ کے مسائل کا سامنا کریں اور ان کے لیے حلال و حرام اور عبادات و اخلاق وغیرہ مسائل زندگی کی بھرپور تنقیح کی جائے۔

وقت آگیا تھا کہ مسلمان ایک نیا معاشرہ یعنی اسلامی معاشرہ تشکیل کریں جو زندگی کے تمام مرحلوں میں جاہلی معاشرے سے مختلف اور عالمِ انسانی کے اندر موجود کسی بھی دوسرے معاشرے سے ممتاز ہو اور اس دعوتِ اسلامی کا نمائندہ ہو جس کی راہ میں مسلمانوں نے تیرہ سال تک طرح طرح کی مصیبتیں اور مشقتیں برداشت کی تھیں۔

ظاہر ہے اس طرح کے کسی معاشرے کی تشکیل ایک دن، ایک مہینہ یا ایک سال میں نہیں ہوسکتی بلکہ اس کے لیے ایک طویل مدت درکار ہوتی ہے تاکہ اس میں آہستہ آہستہ اور درجہ بدرجہ احکام صادر کیے جائیں۔ اور قانون سازی کا کام مشق و تربیت اور عملی نفاذ کے ساتھ ساتھ مکمل کیا جائے۔ اب جہاں تک احکام و قوانین صادر اور فراہم کرنے کا معاملہ ہے تو اللہ تعالیٰ خود اس کا کفیل تھا اور جہاں تک ان احکام کے نفاذ اور مسلمانوں کی تربیت و رہنمائی کا معاملہ ہے تو اس پر رسول اللہ ﷺ مامور تھے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ○ (۶۲:۲)

"وہی ہے جس نے اُمّیوں میں خود انہیں کے اندر سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاک و صاف کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور یہ لوگ یقیناً پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔"

ادھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ حال تھا کہ وہ آپ ﷺ کی طرف ہمہ تن متوجہ رہتے اور جو حکم صادر ہوتا اس سے اپنے آپ کو آراستہ کرکے خوشی محسوس کرتے جیسا کہ ارشاد ہے:

.. وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا .. (۲:۸)

جب ان پر اللہ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو اُن کے ایمان کو بڑھا دیتی ہیں۔

چونکہ ان سارے مسائل کی تفصیل ہمارے موضوع میں داخل نہیں اس لیے ہم اس پر بقدر ضرورت گفتگو کریں گے۔

بہرحال یہی سب سے عظیم مسئلہ تھا جو رسول اللہ ﷺ کو مسلمانوں کے تعلق سے درپیش تھا اور بڑے پیمانے پر یہی دعوتِ اسلامیہ اور رسالتِ محمدیہ کا مقصود بھی تھا لیکن یہ کوئی ہنگامی مسئلہ نہ تھا بلکہ مستقل اور دائمی تھا۔ البتہ اس کے علاوہ کچھ دوسرے مسائل بھی تھے جو فوری توجہ کے طالب تھے۔ جن کی مختصر کیفیت یہ ہے،

مسلمانوں کی جماعت میں دو طرح کے لوگ تھے۔ ایک وہ جو خود اپنی زمین، اپنے مکان اور اپنے اموال کے اندر رہ رہے تھے اور اس بارے میں ان کو اس سے زیادہ فکر نہ تھی جتنی کسی آدمی کو اپنے اہل و عیال میں امن و سکون کے ساتھ رہتے ہوئے کرنی پڑتی ہے۔ یہ انصار کا گروہ تھا اور ان میں پشتہا پشت سے باہم بڑی مستحکم عداوتیں اور نفرتیں چلی آرہی تھیں۔ ان کے پہلو بہ پہلو دوسرا گروہ مہاجرین کا تھا جو ان ساری سہولتوں سے محروم تھا اور لٹ پٹ کر کسی نہ کسی طرح تن بہ تقدیر مدینہ پہنچ گیا تھا۔ ان کے پاس نہ تو رہنے کے لیے کوئی ٹھکانہ تھا نہ پیٹ پالنے کے لیے کوئی کام —— اور نہ سرے سے کسی قسم کا کوئی مال جس پر ان کی معیشت کا ڈھانچہ کھڑا ہو سکے۔ پھر ان پناہ گیر مہاجرین کی تعداد کوئی معمولی بھی نہ تھی اور ان میں دن بدن اضافہ ہی ہو رہا تھا کیونکہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہے وہ ہجرت کر کے مدینہ آجائے؛ اور معلوم ہے کہ مدینے میں نہ کوئی بڑی دولت تھی نہ آمدنی کے ذرائع و وسائل۔ چنانچہ مدینے کا اقتصادی توازن بگڑ گیا اور اسی تنگی ترشی میں اسلام دشمن طاقتوں نے بھی مدینے کا تقریباً اقتصادی بائیکاٹ کر دیا جس سے درآمدات بند ہو گئیں اور حالات انتہائی سنگین ہو گئے۔

(ب) **دوسری قوم:** یعنی مدینے کے اصل مشرک باشندوں —— کا حال یہ تھا کہ انہیں مسلمانوں پر کوئی بالادستی حاصل نہ تھی۔ کچھ مشرکین شک و شبہے میں مبتلا تھے اور اپنے آبائی دین کو چھوڑنے میں تردّد محسوس کر رہے تھے، لیکن اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنے دل میں کوئی عداوت اور داؤ گھات نہیں رکھ رہے تھے۔ اس طرح کے لوگ تھوڑے ہی عرصے بعد مسلمان ہو گئے اور خالص اور پکے مسلمان ہوئے۔

اس کے برخلاف کچھ مشرکین ایسے تھے جو اپنے سینے میں رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف سخت کینہ وعداوت چھپائے ہوئے تھے لیکن انہیں بالمقابل آنے کی جرأت نہ تھی بلکہ حالات کے پیش نظر آپ ﷺ سے محبت وخلوص کے اظہار پر مجبور تھے۔ ان میں سرفہرست عبداللہ بن ابی ابن سلول تھا۔ یہ وہ شخص ہے جس کو جنگ بعاث کے بعد اپنا سربراہ بنانے پر اوس و خزرج نے اتفاق کرلیا تھا حالانکہ اس سے قبل دونوں فریق کسی کی سربراہی پر متفق نہیں ہوئے تھے لیکن اب اس کے لیے مونگوں کا تاج تیار کیا جارہا تھا تاکہ اس کے سر پر تاج شاہی رکھ کر اس کی باقاعدہ بادشاہت کا اعلان کردیا جائے، یعنی یہ شخص مدینے کا بادشاہ ہونے ہی والا تھا کہ اچانک رسول اللہ ﷺ کی آمد آمد ہوگئی اور لوگوں کا رخ اس کے بجائے آپ ﷺ کی طرف ہوگیا اس لیے اسے احساس تھا کہ آپؐ ہی نے اس کی بادشاہت چھینی ہے، لہٰذا وہ اپنے نہاں خانۂ دل میں آپؐ کے خلاف سخت عداوت چھپائے ہوئے تھا۔ اس کے باوجود جب اس نے جنگِ بدر کے بعد دیکھا کہ حالات اس کے موافق نہیں ہیں اور وہ شرک پر قائم رہ کر اب دنیاوی فوائد سے بھی محروم ہوا چاہتا ہے تو اس نے بظاہر قبولِ اسلام کا اعلان کردیا، لیکن وہ اب بھی درپردہ کافر ہی تھا اسی لیے جب بھی اسے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف کسی شرارت کا موقع ملتا وہ ہرگز نہ چوکتا۔ اس کے ساتھی عموماً وہ رؤساء تھے جو اس کی بادشاہت کے زیرِ سایہ بڑے بڑے مناصب کے حصول کی توقع باندھے بیٹھے تھے مگر اب انہیں اس سے محروم ہوجانا پڑا تھا۔ یہ لوگ اس شخص کے شریک کار تھے اور اس کے منصوبوں کی تکمیل میں اس کی مدد کرتے تھے اور اس مقصد کے لیے بسا اوقات نوجوانوں اور سادہ لوح مسلمانوں کو بھی اپنی چابکدستی سے اپنا آلۂ کار بنالیتے تھے۔

(ج) تیسری قوم یہود تھی —— جیسا کہ گذر چکا ہے۔ یہ لوگ اشوری اور رومی ظلم وجبر سے بھاگ کر حجاز میں پناہ گزین ہوگئے تھے۔ یہ درحقیقت عبرانی تھے لیکن حجاز میں پناہ گزین ہونے کے بعد ان کی وضع قطع، زبان اور تہذیب وغیرہ بالکل عربی رنگ میں رنگ گئی تھی یہاں تک کہ ان کے قبیلوں اور افراد کے نام بھی عربی ہوگئے تھے اور ان کے اور عربوں کے آپس میں شادی بیاہ کے رشتے بھی قائم ہوگئے تھے لیکن ان سب کے باوجود ان کی نسلی عصبیت برقرار تھی اور وہ عربوں میں مدغم نہ ہوئے تھے بلکہ اپنی اسرائیلی —— یہودی —— قومیت پر فخر کرتے تھے اور عربوں کو انتہائی حقیر سمجھتے تھے۔ حتیٰ کہ انہیں اُمّی کہتے تھے جس کا مطلب ان کے نزدیک یہ تھا: بدھو، وحشی، رذیل، پسماندہ اور اچھوت۔

ان کا عقیدہ تھا کہ عربوں کا مال ان کے لیے مباح ہے، جیسے چاہیں کھائیں۔ چنانچہ اللہ کا ارشاد ہے:

.. قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ ۚ (۳:۷۵)

"انہوں نے کہا ہم پر اُمّیوں کے معاملے میں کوئی راہ نہیں"

یعنی اُمّیوں کا مال کھانے میں ہماری کوئی پکڑ نہیں۔ ان یہودیوں میں اپنے دین کی اشاعت کے لیے کوئی سرگرمی نہیں پائی جاتی تھی۔ لے دے کر ان کے پاس دین کی جو پونجی رہ گئی تھی وہ تھی فال گیری، جادو اور جھاڑ پھونک وغیرہ۔ انہیں چیزوں کی بدولت وہ اپنے آپ کو صاحب علم وفضل اور روحانی قائد وپیشوا سمجھتے تھے۔

یہودیوں کو دولت کمانے کے فنون میں بڑی مہارت تھی۔ غلّے، کھجور، شراب، اور کپڑے کی تجارت انہیں کے ہاتھ میں تھی۔ یہ لوگ غلّے، کپڑے اور شراب درآمد کرتے تھے اور کھجور برآمد کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بھی ان کے مختلف کام تھے جن میں وہ سرگرم رہتے تھے۔ وہ اپنے اموالِ تجارت میں عربوں سے دوگنا تین گنا منافع لیتے تھے اور اسی پر بس نہ کرتے تھے بلکہ وہ سُود خوار بھی تھے۔ اس لیے وہ عرب شیوخ اور سرداروں کو سُودی قرض کے طور پر بڑی بڑی رقمیں دیتے تھے جنہیں یہ سردار حصولِ شہرت کے لیے اپنی مدح سرائی کرنے والے شعراء وغیرہ پر بالکل فضول اور بے دریغ خرچ کر دیتے تھے۔ ادھر یہود ان رقموں کے عوض ان سرداروں سے ان کی زمینیں، کھیتیاں اور باغات وغیرہ گرو رکھوا لیتے تھے اور چند سال گذرتے گذرتے ان کے مالک بن بیٹھتے تھے۔

یہ لوگ دسیسہ کاریوں، سازشوں اور جنگ وفساد کی آگ بھڑکانے میں بھی بڑے ماہر تھے۔ ایسی باریکی سے ہمسایہ قبائل میں دشمنی کے بیج بوتے اور ایک کو دوسرے کے خلاف بھڑکاتے کہ ان قبائل کو احساس تک نہ ہوتا۔ اس کے بعد ان قبائل میں پیہم جنگ برپا رہتی اور اگر خدانخواستہ جنگ کی یہ آگ سرد پڑتی دکھائی دیتی تو یہود کی خفیہ انگلیاں پھر حرکت میں آجاتیں اور جنگ پھر بھڑک اٹھتی۔ کمال یہ تھا کہ یہ لوگ قبائل کو لڑا بھڑا کر چپ چاپ کنارے بیٹھ رہتے اور عربوں کی تباہی کا تماشا دیکھتے۔ البتہ بھاری بھرکم سُودی قرض دیتے رہتے تاکہ سرمائے کی کمی کے سبب لڑائی بند نہ ہونے پاتے اور اس طرح وہ دوہرا نفع کماتے رہتے۔ ایک طرف اپنی یہودی جمعیت کو محفوظ رکھتے اور دوسری طرف سُود کا بازار ٹھنڈا نہ پڑنے دیتے بلکہ سُود در سُود کے ذریعے بڑی بڑی دولت کماتے۔

یثرب میں ان یہود کے تین مشہور قبیلے تھے۔

۱۔ بنو قَینُقاع ۔ یہ خَزرَج کے حلیف تھے اور ان کی آبادی مدینے کے اندر ہی تھی۔

۲۔ بنو نَضِیر۔

۳۔ بنو قُرَیظہ ۔۔ یہ دونوں قبیلے اَوس کے حلیف تھے اور ان دونوں کی آبادی مدینے کے اطراف میں تھی۔

ایک مُدت سے یہی قبائل اَوس و خَزرَج کے درمیان جنگ کے شعلے بھڑکا رہے تھے اور جنگ بُعاث میں اپنے اپنے حلیفوں کے ساتھ خود بھی شریک ہوئے تھے۔

فطری بات ہے کہ ان یہود سے اس کے سوا کوئی اور توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ یہ اسلام کو بغض و عداوت کی نظر سے دیکھیں کیونکہ پیغمبر ان کی نسل سے نہ تھے کہ ان کی نسلی عصبیّت کو، جو اُن کی نفسیات اور ذہنیت کا جزو لاینفک بنی ہوئی تھی، سکون ملتا۔ پھر اسلام کی دعوت ایک صالح دعوت تھی جو ٹوٹے دلوں کو جوڑتی تھی۔ بغض و عداوت کی آگ بجھاتی تھی "تمام معاملات میں امانتداری برتنے اور پاکیزہ اور حلال مال کھانے کی پابند بناتی تھی۔ اِس کا مطلب یہ تھا کہ اب یثرب کے قبائل آپس میں جڑ جائیں گے اور ایسی صورت میں لازماً وہ یہود کے پنجوں سے آزاد ہو جائیں گے؛ لہٰذا ان کی تاجرانہ سرگرمی ماند پڑ جائے گی اور وہ اس سُودی دولت سے محروم ہو جائیں گے جس پر ان کی مالداری کی چکی گردش کر رہی تھی بلکہ یہ بھی اندیشہ تھا کہ کہیں یہ قبائل بیدار ہو کر اپنے حساب میں وہ سودی اموال بھی داخل نہ کر لیں جنہیں یہود نے ان سے بلاعوض حاصل کیا تھا اور اس طرح وہ ان زمینوں اور باغات کو واپس نہ لے لیں جنہیں سود کے ضمن میں یہودیوں نے ہتھیا لیا تھا۔

جب سے یہود کو معلوم ہُوا تھا کہ اسلامی دعوت یثرب میں اپنی جگہ بنانا چاہتی ہے تب ہی سے انہوں نے ان ساری باتوں کو اپنے حساب میں داخل کر رکھا تھا۔ اسی لیے یثرب میں رسُول اللہ ﷺ کی آمد کے وقت ہی سے یہود کو اسلام اور مسلمانوں سے سخت عداوت ہو گئی تھی؛ اگرچہ وہ اُس کے مظاہرے کی جسارت خاصی مدت بعد کر سکے۔ اس کیفیت کا بہت صاف صاف پتا ابنِ اسحاق کے بیان کئے ہوئے ایک واقعے سے لگتا ہے۔

ان کا ارشاد ہے کہ مجھے اُمّ المومنین حضرت صَفِیہؓ بنتِ حُیَیّ بن اَخطَب رضی اللہ عنہا سے یہ روایت ملی ہے کہ انہوں نے فرمایا "میں اپنے والد اور چچا ابو یاسر کی نگاہ میں اپنے والد کی سب سے چہیتی اولاد تھی۔ میں چچا اور والد سے جب کبھی ان کی کسی بھی اولاد کے ساتھ ملتی تو وہ اس کے بجائے مجھے ہی اُٹھاتے۔

جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور قباء میں بنو عمرو بن عوف کے یہاں نزول فرما ہوئے تو میرے والد حُیَی بن اَخطب اور میرے چچا ابویاسر آپ ﷺ کی خدمت میں صبح تڑکے حاضر ہوئے اور غروبِ آفتاب کے وقت واپس آئے۔ بالکل تھکے ماندے، گرتے پڑتے لڑکھڑاتی چال چلتے ہُوئے۔ میں نے حسبِ معمول چہک کر ان کی طرف دوڑ لگائی، لیکن اُنہیں اس قدر غم تھا کہ بخدا دونوں میں سے کسی نے بھی میری طرف التفات نہ کیا اور مَیں نے اپنے چچا کو سنا وہ میرے والد حُیَی بن اَخطب سے کہہ رہے تھے۔

کیا یہ وہی ہے؟

انہوں نے کہا' ہاں! خدا کی قسم۔

چچا نے کہا' آپ انھیں ٹھیک ٹھیک پہچان رہے ہیں؟

والد نے کہا' ہاں!

چچا نے کہا' تو اب آپ کے دل میں ان کے متعلق کیا ارادے ہیں؟

والد نے کہا' عداوت ــــ خدا کی قسم ــــ جب تک زندہ رہوں گا۔"[1]

اسی کی شہادت صحیح بخاری کی اس روایت سے بھی ملتی ہے جس میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ موصوف ایک نہایت بلند پایہ یہودی عالم تھے۔ آپ کو جب بنو النجار میں رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کی خبر ملی تو وہ آپ ﷺ کی خدمت میں بعجلت تمام حاضر ہوئے اور چند سوالات پیش کئے جنہیں صرف نبی ہی جانتا ہے اور جب نبی ﷺ کی طرف سے ان کے جوابات سنے تو وہیں اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ پھر آپؐ سے کہا کہ یہود ایک بہتان باز قوم ہے۔ اگر انہیں اس سے قبل کہ آپؐ کچھ دریافت فرمائیں، میرے اسلام لانے کا پتا لگ گیا تو وہ آپ کے پاس مجھ پہ بہتان تراشیں گے۔ لہذا رسول اللہ ﷺ نے یہود کو بلا بھیجا۔ وہ آئے ــ اور ادھر عبداللہؓ بن سلام گھر کے اندر چھپ گئے تھے ــ تو رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ عبداللہ بن سلام تمہارے اندر کیسے آدمی ہیں؟۔ انہوں نے کہا: "ہمارے سب سے بڑے عالم ہیں اور سب سے بڑے عالم کے بیٹے ہیں۔ ہمارے سب سے اچھے آدمی ہیں اور سب سے اچھے آدمی کے بیٹے ہیں"۔ ــــ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ہمارے سردار

---

[1] ابن ہشام ۱/ ۵۱۸، ۵۱۹

ہیں اور ہمارے سردار کے بیٹے ہیں۔ اور ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ہمارے سب سے اچھے آدمی ہیں اور سب سے اچھے آدمی کے بیٹے ہیں، اور ہم میں سب سے افضل ہیں اور سب سے افضل آدمی کے بیٹے ہیں ـــــ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اچھا یہ بتاؤ اگر عبداللہ مسلمان ہو جائیں تو؟ یہود نے دو یا تین بار کہا، اللہ ان کو اس سے محفوظ رکھے۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ برآمد ہوئے اور فرمایا اشھد ان لا الٰہ الاّ اللہ واشھد ان محمدًا رسول اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں) اتنا سننا تھا کہ یہود بول پڑے: شَرُّنَا وَابْنُ شَرِّنَا۔ "یہ ہمارا سب سے بُرا آدمی ہے اور سب سے بُرے آدمی کا بیٹا ہے۔" اور (اسی وقت) ان کی برائیاں شروع کر دیں۔ ایک روایت میں ہے کہ اس پر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اے جماعت یہود اللہ سے ڈرو۔ اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں تم لوگ جانتے ہو کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور آپ حق لے کر تشریف لائے ہیں"۔ لیکن یہودیوں نے کہا کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔[۲]

یہ پہلا تجربہ تھا جو رسول اللہ ﷺ کو یہود کے متعلق حاصل ہوا۔ اور مدینے میں داخلے کے پہلے ہی دن حاصل ہوا۔

یہاں تک جو کچھ ذکر کیا گیا یہ مدینے کے داخلی حالات سے متعلق تھا۔ بیرونِ مدینہ مسلمانوں کے سب سے کٹّر دشمن قریش تھے اور تیرہ سال تک جب کہ مسلمان ان کے زیر دست تھے دہشت مچانے، دھمکی دینے اور تنگ کرنے کے تمام ہتھکنڈے استعمال کر چکے تھے۔ طرح طرح کی سختیاں اور مظالم کر چکے تھے۔ منظم اور وسیع پروپیگنڈے اور نہایت صبر آزما نفسیاتی حربے استعمال میں لا چکے تھے۔ پھر جب مسلمانوں نے مدینہ ہجرت کی تو قریش نے ان کی زمینیں، مکانات اور مال و دولت سب کچھ ضبط کر لیا اور مسلمانوں اور ان کے اہل و عیال کے درمیان رکاوٹ بن کر کھڑے ہو گئے؛ بلکہ جس کو پا سکے قید کر کے طرح طرح کی اذیتیں دیں؛ پھر اسی پر بس نہ کیا بلکہ سربراہِ دعوت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے اور آپ ﷺ کی دعوت کو بیخ و بُن سے اکھاڑنے کے

---

[۲] صحیح بخاری ۱/ ۴۵۹، ۵۵۶، ۵۶۱

لیے خوفناک سازشیں کیں اور اسے رُوبہ عمل لانے کے لیے اپنی ساری صلاحیتیں صرف کر دیں تا ہم جب مسلمان کسی طرح بچ بچا کر کوئی پانچ سو کیلومیٹر دُور مدینہ کی سرزمین پر جا پہنچے تو قریش نے اپنی ساکھ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے گھناؤنا سیاسی کردار انجام دیا۔ یعنی یہ چونکہ حرم کے باشندے اور بیت اللہ کے پڑوسی تھے اور اس کی وجہ سے انہیں اہل عرب کے درمیان دینی قیادت اور دُنیاوی ریاست کا منصب حاصل تھا اس لیے انہوں نے جزیرۃ العرب کے دوسرے مشرکین کو بھڑکا اور ورغلا کر مدینے کا تقریباً مکمل بائیکاٹ کرا دیا جس کی وجہ سے مدینہ کی درآمدات نہایت مختصر رہ گئیں جب کہ وہاں مہاجرین پناہ گیروں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ درحقیقت مکے کے ان سرکشوں اور مسلمانوں کے اس نئے وطن کے درمیان حالت جنگ قائم ہو چکی تھی اور یہ نہایت احمقانہ بات ہے کہ اس جھگڑے کا الزام مسلمانوں کے سر ڈالا جائے۔

مسلمانوں کو حق پہنچتا تھا کہ جس طرح ان کے اموال ضبط کیے گئے تھے اسی طرح وہ بھی ان سرکشوں کے اموال ضبط کریں جس طرح انہیں ستایا گیا تھا اسی طرح وہ بھی ان سرکشوں کو ستائیں، اور جس طرح مسلمانوں کی زندگیوں کے آگے رکاوٹیں کھڑی کی گئی تھیں اسی طرح مسلمان بھی ان سرکشوں کی زندگیوں کے آگے رکاوٹیں کھڑی کریں اور ان سرکشوں کو "جیسے کو تیسا" والا بدلہ دیں تاکہ انہیں مسلمانوں کو تباہ کرنے اور بیخ وبُن سے اکھاڑنے کا موقع نہ مل سکے۔

یہ تھے وہ قضایا اور مسائل جن سے رسول اللہ ﷺ کو مدینہ تشریف لانے کے بعد بحیثیت رسول وہادی اور امام وقائد واسطہ درپیش تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے ان تمام مسائل کے تئیں مدینہ میں پیغمبرانہ کردار اور قائدانہ رول ادا کیا اور جو قوم نرمی و محبّت یا سختی و درشتی جس سلوک کی مستحق تھی اس کے ساتھ وہی سلوک کیا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ رحمت و محبّت کا پہلو سختی اور درشتی پر غالب تھا، یہاں تک کہ چند برسوں میں زمام کار اسلام اور اہل اسلام کے ہاتھ آ گئی۔ اگلے صفحات میں انہی باتوں کی تفصیلات ہدیۂ قارئین کی جائیں گی۔

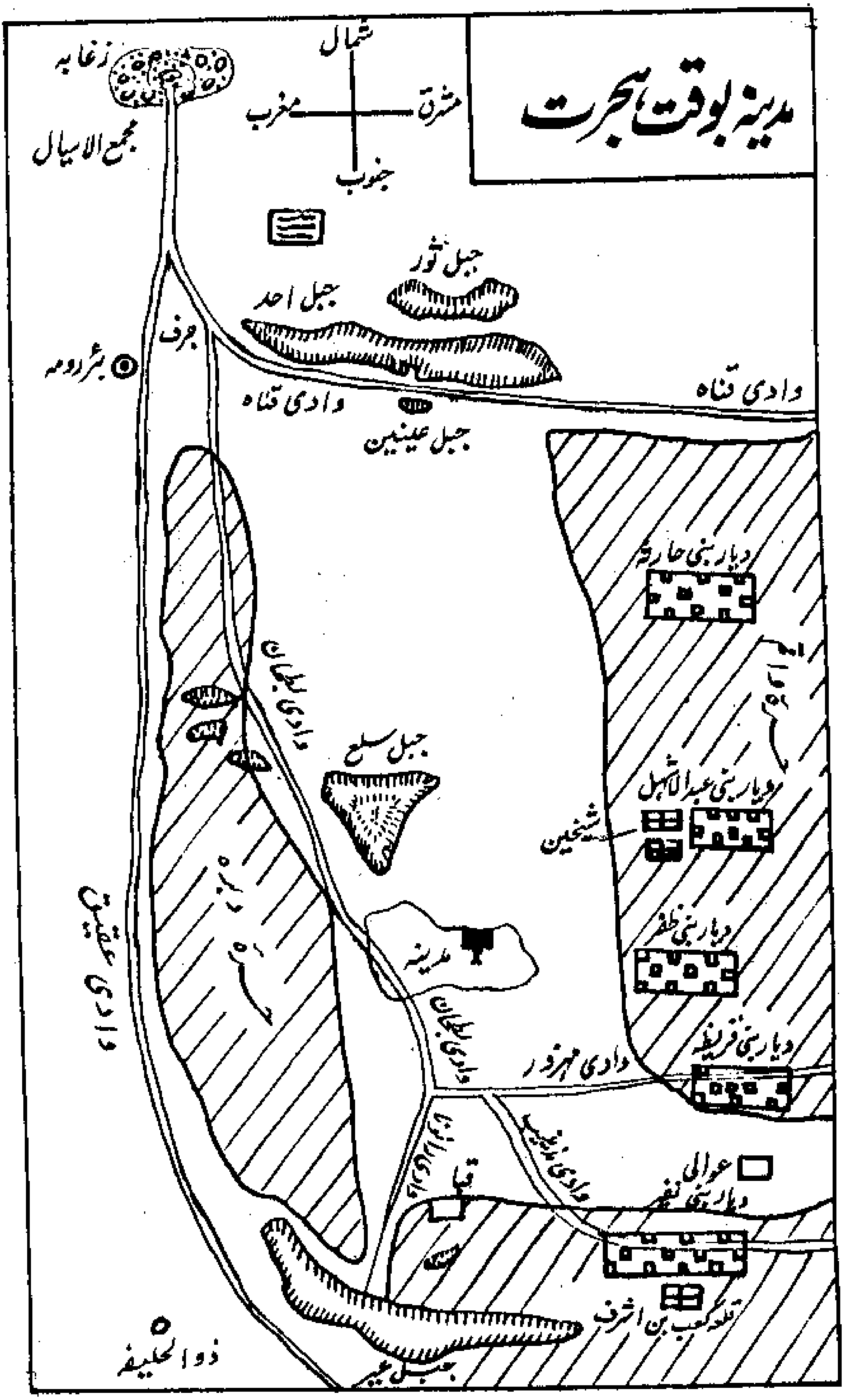

مدینہ بوقت ہجرت
شمال
مشرق
مغرب
جنوب
زغابہ
مجمع الاسیال
جبل ثور
جبل احد
جرف
بئر رومہ
وادی قناة
وادی قناة
جبل عینین
دیار بنی حارثہ
جبل سلع
دیار بنی عبدالاشہل
شیخین
مدینہ
دیار بنی ظفر
دیار بنی قریظہ
وادی مہزور
وادی عقیق
عوالی
دیار بنی نضیر
قبا
قلعہ کعب بن اشرف
ذوالحلیفہ

نئے معاشرے کی تشکیل

ہم بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینے میں بنو النجار کے یہاں جمعہ ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱ھ مطابق ۲۷ ستمبر ۶۲۲ء کو حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان کے سامنے نزول فرمایا تھا اور اسی وقت فرمایا تھا کہ اِن شاء اللہ یہیں منزل ہوگی۔ پھر آپؐ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر منتقل ہو گئے تھے۔

مسجدِ نبوی کی تعمیر

اس کے بعد نبی ﷺ کا پہلا قدم یہ تھا کہ آپؐ نے مسجدِ نبوی کی تعمیر شروع کی اور اس کے لیے وہی جگہ منتخب کی جہاں آپ ﷺ کی اونٹنی بیٹھی تھی۔ اس زمین کے مالک دو یتیم بچے تھے۔ آپ ﷺ نے اُن سے یہ زمین قیمتاً خریدی اور بنفسِ نفیس مسجد کی تعمیر میں شریک ہو گئے۔ آپؐ اینٹ اور پتھر ڈھوتے تھے اور ساتھ ہی فرماتے جاتے تھے:

اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشَ الْاٰخِرَۃ   فَاغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَالْمُھَاجِرَۃ

اے اللہ زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے، پس انصار و مہاجرین کو بخش دے۔

یہ بھی فرماتے ؎

ھذا الحمال لا حمال خیبر   ھذا اَبَرُّ رَبَّنَا وَاَطْھَر

"یہ بوجھ خیبر کا بوجھ نہیں ہے۔ یہ ہمارے پروردگار کی قسم زیادہ نیک اور پاکیزہ ہے۔"

آپؐ کے اس طرزِ عمل سے صحابہ کرامؓ کے جوش و خروش اور سرگرمی میں بڑا اضافہ ہو جاتا تھا چنانچہ صحابہؓ کرام کہتے تھے:

لَئِنْ قَعَدْنَا وَالنَّبِیُّ یَعْمَلُ   لَذَاکَ مِنَّا الْعَمَلُ الْمُضَلَّلُ

"اگر ہم بیٹھے رہیں اور نبی ﷺ کام کریں تو ہمارا یہ کام گمراہی کا کام ہوگا۔"

اس زمین میں مشرکین کی چند قبریں تھیں۔ کچھ ویرانہ بھی تھا۔ کھجور اور غرقد کے چند درخت بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کی قبریں اکھڑوا دیں، ویرانہ برابر کرا دیا، اور کھجوروں اور درختوں کو کاٹ کر قبلے کی جانب لگا دیا۔ اس وقت قبلہ بیت المقدس تھا۔

دروازے کے بازو کے دونوں پائے پتھر کے بنائے گئے۔ دیواریں کچّی اینٹ اور گارے سے بنائی گئیں۔ چھت پر کھجور کی شاخیں اور پتّے ڈلوا دیئے گئے اور کھجور کے تنوں کے کھمبے بنا دیئے گئے۔ زمین پر ریت اور چھوٹی چھوٹی کنکریاں (چھریاں) بچھا دی گئیں۔ تین دروازے لگائے گئے۔ قبلے کی دیوار سے پچھلی دیوار تک ایک سو ہاتھ لمبائی تھی۔ چوڑائی بھی اتنی یا اس سے کچھ کم تھی۔ بُنیاد تقریباً تین ہاتھ گہری تھی۔

آپ ﷺ نے مسجد کے بازو میں چند مکانات بھی تعمیر کئے جن کی دیواریں کچّی اینٹ کی تھیں اور چھتیں کھجور کے تنوں کی کڑیاں دے کر کھجور کی شاخ اور پتوں سے بنائی گئی تھی یہی آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کے حجرے تھے۔ ان حجروں کی تعمیر مکمّل ہو جانے کے بعد آپ ﷺ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان سے یہیں منتقل ہو گئے۔[1]

مسجد محض ادائے نماز ہی کے لیے نہ تھی بلکہ یہ ایک یونیورسٹی تھی جس میں مسلمان اسلامی تعلیمات و ہدایات کا درس حاصل کرتے تھے اور ایک محفل تھی جس میں مدتوں جاہلی کشاکش و نفرت اور باہمی لڑائیوں سے دوچار رہنے والے قبائل کے افراد اب میل محبت سے مل جل رہے تھے۔ نیز یہ ایک مرکز تھا جہاں سے اس ننھی سی ریاست کا سارا نظام چلایا جاتا تھا اور مختلف قسم کی مہمیں بھیجی جاتی تھیں علاوہ ازیں اس کی حیثیت ایک پارلیمنٹ کی بھی تھی جس میں مجلسِ شوریٰ اور مجلسِ انتظامیہ کے اجلاس منعقد ہوا کرتے تھے۔

ان سب کے ساتھ ساتھ یہ مسجد ہی ان فقراء مہاجرین کی ایک خاصی بڑی تعداد کا مسکن تھی جن کا وہاں پر نہ کوئی مکان تھا نہ مال اور نہ اہل وعیال۔

پھر اوائل ہجرت ہی میں اذان بھی شروع ہوئی۔ یہ ایک لاہوتی نغمہ تھا جو روزانہ پانچ بار اُفق میں گونجتا تھا اور جس سے پورا عالمِ وجود لرز اٹھتا تھا۔ اس سلسلے میں حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ عنہ کے خواب کا واقعہ معروف ہے۔ (تفصیل جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، مسند احمد اور صحیح ابن خزیمہ میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔)

مُسلمانوں میں بھائی چارگی

جس طرح رسول اللہ ﷺ نے مسجدِ نبوی کی تعمیر کا اہتمام فرما کر باہمی اجتماع اور میل و محبت کے ایک مرکز کو

۱؎ صحیح بخاری ۱/۷۱، ۵۵۵، ۵۶۰۔ زاد المعاد ۲/۵۶۔

وجود بخشا اسی طرح آپ ﷺ نے تاریخ انسانی کا ایک اور نہایت تابناک کارنامہ انجام دیا جسے مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات اور بھائی چارے کے عمل کا نام دیا جاتا ہے۔ ابن قیم لکھتے ہیں:

پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے مکان میں مہاجرین و انصار کے درمیان بھائی چارہ کرایا۔ کُل نوّے آدمی تھے، آدھے مہاجرین اور آدھے انصار۔ بھائی چارے کی بنیاد یہ تھی کہ یہ ایک دوسرے کے غمخوار ہوں گے اور موت کے بعد نسبی قرابتداروں کے بجائے یہی ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ وراثت کا یہ حکم جنگِ بدر تک قائم رہا۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی کہ

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ.. (۶:۳۳)

"نسبی قرابتدار ... ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں" (یعنی وراثت میں)

تو انصار و مہاجرین میں باہمی توارُث کا حکم ختم کر دیا گیا لیکن بھائی چارے کا عہد باقی رہا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک اور بھائی چارہ کرایا تھا جو خود باہم مہاجرین کے درمیان تھا لیکن پہلی بات ہی ثابت ہے۔ یوں بھی مہاجرین اپنی باہمی اسلامی اخوت، وطنی اخوت اور رشتہ و قرابتداری کی اخوت کی بنا پر آپس میں اب مزید کسی بھائی چارے کے محتاج نہ تھے جبکہ مہاجرین اور انصار کا معاملہ اس سے مختلف تھا۔[۲]

اس بھائی چارے کا مقصود ــــ جیسا کہ محمد غزالی نے لکھا ہے ــــ یہ تھا کہ جاہلی عصبیتیں تحلیل ہو جائیں۔ حمیّت و غیرت جو کچھ ہو وہ اسلام کے لیے ہو۔ نسل، رنگ اور وطن کے امتیازات مٹ جائیں۔ بلندی و پستی کا معیار انسانیت و تقویٰ کے علاوہ کچھ اور نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے اس بھائی چارے کو محض کھوکھلے الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا تھا بلکہ اسے ایک ایسا نافذ العمل عہد و پیمان قرار دیا تھا جو خون اور مال سے مربوط تھا۔ یہ خالی خولی سلامی اور مبارکباد نہ تھی کہ زبان پر روانی کے ساتھ جاری رہے مگر نتیجہ کچھ نہ ہو بلکہ اس بھائی چارے کے ساتھ ایثار و غمگساری اور مُوانست کے جذبات بھی مخلوط تھے اور اسی لیے اس نے اس نئے معاشرے کو بڑے نادر اور تابناک کارناموں سے پُر کر دیا تھا۔[۳]

چنانچہ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ مہاجرین جب مدینہ تشریف لائے تو رسول اللہ ﷺ

---

[۲] زاد المعاد ۲/ ۵۶ [۳] فقہ السیرہ ص ۱۴۰، ۱۴۱

نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور سعدؓ بن ربیعؓ کے درمیان بھائی چارہ کرا دیا۔ اس کے بعد حضرت سعدؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ سے کہا: "انصار میں میں سب سے زیادہ مال دار ہوں آپ میرا مال دو حصوں میں بانٹ کر (آدھا لے لیں) اور میری دو بیویاں ہیں۔ آپ دیکھ لیں جو زیادہ پسند ہو مجھے بتا دیں میں اُسے طلاق دے دوں اور عدت گزرنے کے بعد آپ اس سے شادی کر لیں" حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا، اللہ آپ کے اہل اور مال میں برکت دے۔ آپ لوگوں کا بازار کہاں ہے؟ لوگوں نے انہیں بنو قینقاع کا بازار بتلا دیا۔ وہ واپس آئے تو ان کے پاس کچھ فاضل پنیر اور گھی تھا۔ اس کے بعد وہ روزانہ جاتے رہے۔ پھر ایک دن آئے تو ان پر زردی کا اثر تھا۔ نبی ﷺ نے دریافت فرمایا "یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا میں نے شادی کی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، عورت کو مہر کتنا دیا ہے؟ بولے ایک نواۃ (گٹھلی) کے ہموزن (یعنی کوئی سوا تولہ) سونا۔[۴]

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت آئی ہے کہ انصار نے نبی ﷺ سے عرض کیا، آپ ہمارے درمیان اور ہمارے بھائیوں کے درمیان ہمارے کھجور کے باغات تقسیم فرما دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں۔ انصار نے کہا تب آپ لوگ یعنی مہاجرین ہمارا کام کر دیا کریں اور ہم پھل میں آپ لوگوں کو شریک رکھیں گے۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے ہم نے بات سنی اور مانی۔[۵]

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انصار نے کس طرح بڑھ چڑھ کر اپنے مہاجر بھائیوں کا اعزاز و اکرام کیا تھا اور کس قدر محبت، خلوص، ایثار اور قربانی سے کام لیا تھا اور مہاجرین ان کی اس کرم و نوازش کی کتنی قدر کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اس کا کوئی غلط فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ ان سے صرف اتنا ہی حاصل کیا جس سے وہ اپنی ٹوٹی ہوئی معیشت کی کمر سیدھی کر سکتے تھے۔

اور حق یہ ہے کہ یہ بھائی چارہ ایک نادر حکمت، حکیمانہ سیاست اور مسلمانوں کو درپیش بہت سارے مسائل کا ایک بہترین حل تھا۔

اسلامی تعاون کا پیمان

مذکورہ بھائی چارے کی طرح رسول اللہ ﷺ نے ایک اور عہد و پیمان کرایا جس کے ذریعے ساری جاہلی کشاکش

---

[۴] صحیح بخاری: باب اخاء النبی ﷺ بین المہاجرین والانصار ۱/۵۵۳

[۵] ایضاً باب اذا قال اکفنی مؤنۃ النخل ۱/۳۱۲

اور قبائلی کشمکش کی بنیاد ڈھادی اور دورِ جاہلیت کے رسم و رواج کے لیے کوئی گنجائش نہ چھوڑی۔
ذیل میں اس پیمان کو اس کی دفعات سمیت مختصراً پیش کیا جارہا ہے۔

یہ تحریر ہے محمدؐ نبی ﷺ کی جانب سے قریشی، یثربی اور ان کے تابع ہو کر ان کے ساتھ لاحق ہونے اور جہاد کرنے والے مومنین اور مسلمانوں کے درمیان کہ:

۱۔ یہ سب اپنے ماسوا انسانوں سے الگ ایک امت ہیں۔

۲۔ مہاجرینِ قریش اپنی سابقہ حالت کے مطابق باہم دیت کی ادائیگی کریں گے اور مومنین کے درمیان معروف اور ـــــ انصاف کے ساتھ اپنے قیدی کا فدیہ دیں گے اور انصار کے تمام قبیلے اپنی سابقہ حالت کے مطابق باہم دیت کی ادائیگی کریں گے اور ان کا ہر گروہ معروف طریقے پر اور اہلِ ایمان کے درمیان انصاف کے ساتھ اپنے قیدی کا فدیہ ادا کرے گا۔

۳۔ اور اہلِ ایمان اپنے درمیان کسی بیکس کو فدیہ یا دیت کے معاملے میں معروف طریقے کے مطابق عطاء و نوازش سے محروم نہ رکھیں گے۔

۴۔ اور سارے راست باز مومنین اس شخص کے خلاف ہوں گے جو ان پر زیادتی کرے گا یا اہلِ ایمان کے درمیان ظلم اور گناہ اور زیادتی اور فساد کی راہ کا جویا ہوگا۔

۵۔ اور یہ کہ ان سب کے ہاتھ اس شخص کے خلاف ہوں گے خواہ وہ ان میں سے کسی کا لڑکا ہی کیوں نہ ہو۔

۶۔ کوئی مومن کسی مومن کو کافر کے بدلے قتل کرے گا اور نہ ہی کسی مومن کے خلاف کسی کافر کی مدد کرے گا۔

۷۔ اور اللہ کا ذِمّہ (عہد) ایک ہوگا، ایک معمولی آدمی کا دیا ہوا ذمہ بھی سارے مسلمانوں پر لاگو ہوگا۔

۸۔ جو یہود ہمارے پیروکار ہو جائیں، اُن کی مدد کی جائے گی اور وہ دوسرے مسلمانوں کے مثل ہوں گے۔ نہ ان پر ظلم کیا جائے گا اور نہ ان کے خلاف تعاون کیا جائے گا۔

۹۔ مسلمانوں کی صلح ایک ہوگی۔ کوئی مسلمان کسی مسلمان کو چھوڑ کر قتال فی سبیل اللہ کے سلسلے میں مصالحت نہیں کرے گا بلکہ سب کے سب برابری اور عدل کی بنیاد پر کوئی عہد و پیمان کریں گے۔

۱۰۔ مسلمان اس خون میں ایک دوسرے کے مساوی ہوں گے جسے کوئی فی سبیل اللہ بہائے گا۔

۱۱۔ کوئی مشرک قریش کی کسی جان یا مال کو پناہ نہیں دے سکتا اور نہ کسی مومن کے آگے اِس

کی حفاظت کے لیے رکاوٹ بن سکتا ہے۔

۱۲۔ جو شخص کسی مومن کو قتل کرے گا اور ثبوت موجود ہو گا، اس سے قصاص لیا جائے گا۔ سوائے اس صورت کے کہ مقتول کا ولی راضی ہو جائے۔

۱۳۔ اور یہ کہ سارے مومنین اس کے خلاف ہوں گے۔ ان کے لیے اس کے سوا کچھ حلال نہ ہو گا کہ اس کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں۔

۱۴۔ کسی مومن کے لیے حلال نہ ہو گا کہ کسی ہنگامہ برپا کرنے والے (یا بدعتی) کی مدد کرے اور اسے پناہ دے، اور جو اس کی مدد کرے گا یا اسے پناہ دے گا، اس پر قیامت کے دن اللہ کی لعنت اور اس کا غضب ہو گا اور اس کا فرض و نفل کچھ بھی قبول نہ کیا جائے گا۔

۱۵۔ تمہارے درمیان جو بھی اختلاف رُونما ہو گا اسے اللہ عزّوجل اور محمد ﷺ کی طرف پلٹایا جائے گا۔[۶]

معاشرے پر معنویات کا اثر

اس حکمتِ بالغہ اور اس دُور اندیشی سے رسول اللہ ﷺ نے ایک نئے معاشرے کی بنیادیں اُستوار کیں لیکن معاشرے کا ظاہری رُخ درحقیقت ان معنوی کمالات کا پَرتَو تھا جس سے نبی ﷺ کی صحبت و ہم نشینی کی بدولت یہ بزرگ ہستیاں بہرہ ور ہو چکی تھیں۔ نبی ﷺ ان کی تعلیم و تربیت، تزکیۂ نفس اور مکارم اخلاق کی ترغیب میں مسلسل کوشاں رہتے تھے اور انہیں محبت و بھائی چارگی، مجد و شرف اور عبادت و اطاعت کے آداب برابر سکھاتے اور بتاتے رہتے تھے۔

ایک صحابیؓ نے آپ سے دریافت کیا کہ کون سا اسلام بہتر ہے؟ (یعنی اسلام میں کونسا عمل بہتر ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا: "تم کھانا کھلاؤ اور شناسا اور غیر شناسا سبھی کو سلام کرو۔"[۷]

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے تو میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ جب میں نے آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک دیکھا تو اچھی طرح سمجھ گیا کہ یہ کسی جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔ پھر آپؐ نے پہلی بات جو ارشاد فرمائی

---

[۶] ابن ہشام ۱/۵۰۲، ۵۰۳ [۷] صحیح بخاری ۱/۶، ۹

وہ یہ تھی: "اے لوگو! سلام پھیلاؤ، کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو، اور رات میں جب لوگ سو رہے ہوں نماز پڑھو۔ جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے"۔ [۸]

آپ ﷺ فرماتے تھے: "وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں اور تباہ کاریوں سے مامون و محفوظ نہ رہے"۔ [۹]

اور فرماتے تھے "مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں [۱۰] اور فرماتے تھے: "تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند کرے جو خود اپنے لیے پسند کرتا ہے"۔ [۱۱]

اور فرماتے تھے: "سارے مومنین ایک آدمی کی طرح ہیں کہ اگر اس کی آنکھ میں تکلیف ہو تو سارے جسم کو تکلیف محسوس ہوتی ہے اور اگر سر میں تکلیف ہو تو سارے جسم کو تکلیف محسوس ہوتی ہے"۔ [۱۲]

اور فرماتے: "مومن، مومن کے لیے عمارت کی طرح ہے جس کا بعض بعض کو قوت پہنچاتا ہے"۔ [۱۳]

اور فرماتے "آپس میں بغض نہ رکھو، باہم حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے پیٹھ نہ پھیرو اور اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن کر رہو۔ کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ اپنے بھائی کو تین دن سے اوپر چھوڑے رہے"۔ [۱۴]

اور فرماتے "مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے اور نہ اسے دشمن کے حوالے کرے؛ اور جو شخص اپنے بھائی کی حاجت (برآری) میں کوشاں ہوگا اللہ اس کی حاجت (برآری) میں ہوگا؛ اور جو شخص کسی مسلمان سے کوئی غم اور دکھ دور کرے گا اللہ اس شخص سے روز قیامت کے دکھوں میں سے کوئی دکھ دور کرے گا؛ اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا"۔ [۱۵]

اور فرماتے: "تم لوگ زمین والوں پر مہربانی کرو تم پر آسمان والا مہربانی کرے گا"۔ [۱۶]

---

۸ ترمذی۔ ابن ماجہ، دارمی، مشکوٰۃ ۱/۱۶۸

۹ صحیح مسلم، مشکوٰۃ ۲/۴۲۲ ۱۰،۱۱ صحیح بخاری ۱/۶ ۱۲ مسلم، مشکوٰۃ ۲/۴۲۲

۱۳ متفق علیہ، مشکوٰۃ ۲/۴۲۲۔ صحیح بخاری ۲/۸۹۰ ۱۴ صحیح بخاری ۲/۸۹۶

۱۵ متفق علیہ مشکوٰۃ ۲/۴۲۲ ۱۶ سنن ابی داؤد ۲/۳۳۵۔ جامع ترمذی ۲/۱۴

اور فرماتے: "وہ شخص مومن نہیں جو خود پیٹ بھر کھا لے اور اس کے بازو میں رہنے والا پڑوسی بھوکا رہے۔"[۱۷]

اور فرماتے "مسلمان سے گالی گلوچ کرنا فسق ہے اور اس سے مار کاٹ کرنا کفر ہے۔"[۱۸]

اسی طرح آپ ﷺ راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانے کو صدقہ قرار دیتے تھے اور اسے ایمان کی شاخوں میں سے ایک شاخ شمار کرتے تھے۔[۱۹]

نیز آپ ﷺ صدقے اور خیرات کی ترغیب دیتے تھے اور اس کے ایسے ایسے فضائل بیان فرماتے تھے کہ اس کی طرف دل خود بخود کھنچتے چلے جائیں، چنانچہ آپ فرماتے کہ صدقہ گناہوں کو ایسے ہی بجھا دیتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھاتا ہے۔[۲۰]

اور آپ ﷺ فرماتے کہ جو مسلمان کسی ننگے مسلمان کو کپڑا پہنا دے اللہ اُسے جنت کا سبز لباس پہنائے گا اور جو مسلمان کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلا دے اللہ اسے جنت کے پھل کھلائے گا اور جو مسلمان کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلا دے اللہ اُسے جنت کی مُہر لگی ہوئی شرابِ طہور پلائے گا۔[۲۱]

آپ ﷺ فرماتے: "آگ سے بچو اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی صدقہ کر کے، اور اگر وہ بھی نہ پاؤ تو پاکیزہ بول ہی کے ذریعے۔"[۲۲]

اور اسی کے پہلو بہ پہلو دوسری طرف آپ مانگنے سے پرہیز کی بھی بہت زیادہ تاکید فرماتے، صبر و قناعت کی فضیلتیں سناتے اور سوال کرنے کو سائل کے چہرے کے لیے نوچ، خراش اور زخم قرار دیتے۔[۲۳] البتہ اس سے اس شخص کو مُستثنیٰ قرار دیا جو حد درجہ مجبور ہو کر سوال کرے۔

اسی طرح آپ ﷺ یہ بھی بیان فرماتے کہ کن عبادات کے کیا فضائل ہیں اور اللہ کے نزدیک ان کا کیا اجر و ثواب ہے؟ پھر آپ پر آسمان سے جو وحی آتی آپ اس سے مسلمانوں کو بڑی پختگی کے ساتھ مربوط رکھتے۔ آپ ﷺ وہ وحی مسلمانوں کو پڑھ کر سناتے اور

---

۱۷ شعب الایمان للبیہقی مشکوٰۃ ۲/۴۲۴   ۱۸ صحیح بخاری ۲/۸۹۳
۱۹ اس مضمون کی حدیث صحیحین میں مروی ہے مشکوٰۃ ۱/۱۲، ۱۶۷
۲۰ احمد، ترمذی، ابن ماجہ۔ مشکوٰۃ ۱/۱۴
۲۱ سنن ابی داؤد، جامع ترمذی۔ مشکوٰۃ ۱/۱۶۹   ۲۲ صحیح بخاری ۱/۱۹۰، ۲/۸۹۰
۲۳ دیکھئے ابوداؤد، ترمذی۔ نسائی، ابن ماجہ، دارمی۔ مشکوٰۃ ۱/۱۶۳

مسلمان آپ کو پڑھ کر سناتے تاکہ اس عمل سے ان کے اندر فہم و تدبر کے علاوہ دعوت کے حقوق اور پیغمبرانہ ذمے داریوں کا شعور بھی بیدار رہو۔

اس طرح رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کی اخلاقیات بلند کیں، ان کی خداداد صلاحیتوں کو عروج بخشا اور انہیں بلند ترین اقدار و کردار کا مالک بنایا، یہاں تک کہ وہ انسانی تاریخ میں انبیاء کے بعد فضل و کمال کی سب سے بلند چوٹی کا نمونہ بن گئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو طریقہ اختیار کرنا ہو وہ گذرے ہوئے لوگوں کا طریقہ اختیار کرے کیونکہ زندہ کے بارے میں فتنے کا اندیشہ ہے۔ وہ لوگ نبی ﷺ کے ساتھی تھے۔ اس امت میں سب سے افضل، سب سے نیک دل، سب سے گہرے علم کے مالک اور سب سے زیادہ بے تکلف۔ اللہ نے انہیں اپنے نبی کی رفاقت اور اپنے دین کی اقامت کے لیے منتخب کیا، لہٰذا ان کا فضل پہچانو اور ان کے نقشِ قدم کی پیروی کرو اور جس قدر ممکن ہو ان کے اخلاق اور سیرت سے تمسک کرو کیونکہ وہ لوگ ہدایت کے صراطِ مستقیم پر تھے۔[۲۴]

پھر ہمارے پیغمبر رہبرِ اعظم ﷺ خود بھی ایسی معنوی اور ظاہری خوبیوں، کمالات، خداداد صلاحیتوں، مجد و فضائل، مکارم اخلاق اور محاسنِ اعمال سے متصف تھے کہ دل خود بخود آپ کی جانب کھنچے جاتے تھے اور جانیں قربان ہوا چاہتی تھیں۔ چنانچہ آپ ﷺ کی زبان سے جونہی کوئی کلمہ صادر ہوتا صحابہ کرام اس کی بجا آوری کے لیے دوڑ پڑتے اور ہدایت و رہنمائی کی جو بات آپ ارشاد فرما دیتے اسے حرزِ جان بنانے کے لیے گویا ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی بازی لگ جاتی۔

اس طرح کی کوششوں کی بدولت نبی ﷺ مدینے کے اندر ایک ایسا معاشرہ تشکیل دینے میں کامیاب ہو گئے جو تاریخ کا سب سے زیادہ باکمال اور شرف سے بھرپور معاشرہ تھا اور اس معاشرے کے مسائل کا ایسا خوشگوار حل نکالا کہ انسانیت نے ایک طویل عرصے تک زمانے کی چکی میں پس کر اور اتھاہ تاریکیوں میں ہاتھ پاؤں مار کر تھک جانے کے بعد پہلی بار چین کا سانس لیا۔

اس نئے معاشرے کے عناصر ایسی بلند و بالا تعلیمات کے ذریعے مکمل ہوئے جس نے پوری پامردی کے ساتھ زمانے کے ہر جھٹکے کا مقابلہ کر کے اس کا رُخ پھیر دیا اور تاریخ کا دھارا بدل دیا۔

---

۲۴ ۔ رزین، مشکوٰۃ ۱/ ۳۲

یہود کے ساتھ معاہدہ

نبی ﷺ نے ہجرت کے بعد جب مسلمانوں کے درمیان عقیدے، سیاست اور نظام کی وحدت کے ذریعے ایک نئے اسلامی معاشرے کی بنیادیں استوار کرلیں تو غیر مسلموں کے ساتھ اپنے تعلقات منظم کرنے کی طرف توجہ فرمائی۔ آپ ﷺ کا مقصود یہ تھا کہ ساری انسانیت امن وسلامتی کی سعادتوں اور برکتوں سے بہرہ ور ہو اور اس کے ساتھ ہی مدینہ اور اس کے گردوپیش کا علاقہ ایک وفاقی وحدت میں منظم ہوجائے۔ چنانچہ آپؐ نے رواداری اور کشادہ دلی کے ایسے قوانین مسنون فرمائے جن کا اس تعصب اور غلو پسندی سے بھری ہوئی دُنیا میں کوئی تصور ہی نہ تھا۔

جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں مدینے کے سب سے قریب ترین پڑوسی یہود تھے۔ یہ لوگ اگرچہ درپردہ مسلمانوں سے عداوت رکھتے تھے لیکن انہوں نے اب تک کسی محاذ آرائی اور جھگڑے کا اظہار نہیں کیا تھا اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ ایک معاہدہ منعقد کیا جس میں انہیں دین و مذہب اور جان ومال کی مطلق آزادی دی گئی تھی اور جلاوطنی، ضبطیٔ جائداد یا جھگڑے کی سیاست کا کوئی رُخ اختیار نہیں کیا گیا تھا۔

یہ معاہدہ اسی معاہدے کے ضمن میں ہُوا تھا جو خود مسلمانوں کے درمیان باہم طے پایا تھا اور جس کا ذکر قریب ہی گذر چکا ہے۔ آگے اس معاہدے کی اہم دفعات پیش کی جارہی ہیں۔

معاہدے کی دفعات

۱۔ بنو عوف کے یہود مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک ہی امت ہوں گے۔ یہود اپنے دین پر عمل کریں گے اور مسلمان اپنے دین پر۔ خود ان کا بھی یہی حق ہوگا، اور ان کے غلاموں اور متعلقین کا بھی۔ اور بنو عوف کے علاوہ دوسرے یہود کے بھی یہی حقوق ہوں گے۔

۲۔ یہود اپنے اخراجات کے ذمّے دار ہوں گے اور مسلمان اپنے اخراجات کے۔

۳۔ اور جو طاقت اس معاہدے کے کسی فریق سے جنگ کرے گی سب اس کے خلاف آپس

میں تعاون کریں گے۔

۴۔ اور اس معاہدے کے شرکاء کے باہمی تعلقات خیر خواہی، خیر اندیشی اور فائدہ رسانی کی بنیاد پر ہوں گے، گناہ پر نہیں۔

۵۔ کوئی آدمی اپنے حلیف کی وجہ سے مجرم نہ ٹھہرے گا۔

۶۔ مظلوم کی مدد کی جائے گی۔

۷۔ جب تک جنگ برپا رہے گی یہود بھی مسلمانوں کے ساتھ خرچ برداشت کریں گے۔

۸۔ اس معاہدے کے سارے شرکاء پر مدینہ میں ہنگامہ آرائی اور کشت و خون حرام ہو گا۔

۹۔ اس معاہدے کے فریقوں میں کوئی نئی بات یا جھگڑا پیدا ہو جائے جس میں فساد کا اندیشہ ہو تو اس کا فیصلہ اللہ عزّ وجل اور محمد رسول اللہ ﷺ فرمائیں گے۔

۱۰۔ قریش اور اس کے مددگاروں کو پناہ نہیں دی جائے گی۔

۱۱۔ جو کوئی یثرب پر دھاوا بول دے اس سے لڑنے کے لیے سب باہم تعاون کریں گے اور ہر فریق اپنے اپنے اطراف کا دفاع کرے گا۔

۱۲۔ یہ معاہدہ کسی ظالم یا مجرم کے لیے آڑ نہ بنے گا۔[۱]

اس معاہدے کے طے ہو جانے سے مدینہ اور اس کے اطراف ایک وفاقی حکومت بن گئے جس کا دارالحکومت مدینہ تھا اور جس کے سربراہ رسول اللہ ﷺ تھے۔ اور جس میں کلمہ نافذہ اور غالب حکمرانی مسلمانوں کی تھی؛ اور اس طرح مدینہ واقعۃً اسلام کا دارالحکومت بن گیا۔

امن و سلامتی کے دائرے کو مزید وسعت دینے کے لیے نبی ﷺ نے آئندہ دوسرے قبائل سے بھی حالات کے مطابق اسی طرح کے معاہدے کیے، جن میں سے بعض کا ذکر آگے چل کر آئے گا۔

○

---

[۱] دیکھئے ابن ہشام ۱/ ۵۰۳، ۵۰۴

مسلّح کشاکش

ہجرت کے بعد مسلمانوں کے خلاف قریش کی فتنہ خیزیاں اور عبداللہ بن اُبی سے نامہ و پیام

پچھلے صفحات میں بتایا جا چکا ہے کہ کفّارِ مکّہ نے مسلمانوں پر کیسے کیسے ظلم وستم کے پہاڑ توڑے تھے اور جب مسلمانوں نے ہجرت شروع کی تو ان کے خلاف کیسی کیسی کارروائیاں کی تھیں جن کی بناء پر وہ مستحق ہو چکے تھے کہ ان کے اموال ضبط کر لیے جائیں اور ان پر دھاوا بول دیا جائے مگر اب بھی ان کی حماقت کا سلسلہ بند نہ ہُوا اور وہ اپنی ستم رانیوں سے باز نہ آئے بلکہ یہ دیکھ کر ان کا جوشِ غضب اور بھڑک اُٹھا کہ مسلمان ان کی گرفت سے چھوٹ نکلے ہیں اور انہیں مدینے میں ایک پُرامن جائے قرار مل گئی ہے۔ چنانچہ انہوں نے عبداللہ بن اُبی کو۔ جو ابھی تک کھلم کھلا مشرک تھا ـــــ اس کی اس حیثیت کی بنا پر ایک دھمکی آمیز خط لکھا کہ وہ انصار کا سردار ہے۔ کیونکہ انصار اس کی سربراہی پر متفق ہو چکے تھے اور اگر اسی دوران رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری نہ ہوئی ہوتی تو اس کو اپنا بادشاہ بھی بنا لیے ہوتے ـــــ مشرکین نے اپنے اس خط میں عبداللہ بن اُبی اور اس کے مشرک رفقاء کو مخاطب کرتے ہوئے دو ٹوک لفظوں میں لکھا:

"آپ لوگوں نے ہمارے صاحب کو پناہ دے رکھی ہے" اس لیے ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یا تو آپ لوگ اس سے لڑائی کیجیے یا اسے نکال دیجیے یا پھر ہم اپنی پوری جمعیت کے ساتھ آپ لوگوں پر یورش کر کے آپ کے سارے مردانِ جنگی کو قتل کر دیں گے اور آپ کی عورتوں کی حرمت پامال کر ڈالیں گے۔"[۱]

اس خط کے پہنچتے ہی عبداللہ بن اُبیّ مکّے کے اپنے ان مشرک بھائیوں کے حکم کی تعمیل کے لیے اٹھ پڑا اس لیے کہ وہ پہلے ہی سے نبی ﷺ کے خلاف رنج اور کینہ لیے بیٹھا تھا کیونکہ اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ آپ ہی نے اس سے بادشاہت چھینی ہے۔ چنانچہ

---

[۱] ابوداؤد : باب خبر النضیر

جب یہ خط عبداللہ بن اُبَیّ اور اس کے بُت پرست رُفقار کو موصول ہُوا تو وہ رسول اللہ ﷺ سے جنگ کے لیے جمع ہو گئے۔ جب نبی ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپؐ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا، "قریش کی دھمکی تم لوگوں پر بہت گہرا اثر کر گئی ہے۔ تم خود اپنے آپ کو جتنا نقصان پہنچا دینا چاہتے ہو قریش اس سے زیادہ تم کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ تم اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے خود ہی لڑنا چاہتے ہو؟" نبی ﷺ کی یہ بات سُن کر لوگ بکھر گئے۔[۲]

اس وقت تو عبداللہ بن اُبَیّ جنگ کے ارادے سے باز آگیا کیونکہ اس کے ساتھی ڈھیلے پڑ گئے تھے یا بات ان کی سمجھ میں آگئی تھی لیکن حقیقت میں قریش کے ساتھ اس کے روابط درپردہ قائم رہے کیونکہ مسلمان اور مشرکین کے درمیان شرّ و فساد کا کوئی موقع وہ ہاتھ سے جانے نہ دینا چاہتا تھا۔ پھر اس نے اپنے ساتھ یہود کو بھی سانٹ رکھا تھا تاکہ اس معاملے میں ان سے بھی مدد حاصل کرے، لیکن وہ تو نبی ﷺ کی حکمت تھی جو رہ رہ کر شرّ و فساد کی بھڑکنے والی آگ کو بجھا دیا کرتی تھی۔[۳]

مُسلمانوں پر مسجدِ حرام کا دروازہ بند کیے جانے کا اعلان

اس کے بعد حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ عمرہ کے لیے مکہ گئے اور اُمیّہ بن خلف کے مہمان ہوئے۔ انہوں نے اُمیّہ سے کہا: "میرے لیے کوئی خلوت کا وقت دیکھو ذرا میں بیت اللہ کا طواف کر لوں۔" اُمیّہ دوپہر کے قریب انہیں لے کر نکلا تو ابوجہل سے ملاقات ہو گئی۔ اس نے (اُمیّہ کو مخاطب کر کے) کہا، ابوصفوان تمہارے ساتھ یہ کون ہے؟ اُمیّہ نے کہا، یہ سعد ہیں۔ ابوجہل نے سعد کو مخاطب کر کے کہا: "اچھا! مَیں دیکھ رہا ہوں کہ تم بڑے امن و اطمینان سے طواف کر رہے ہو حالانکہ تم لوگوں نے بے دینوں کو پناہ دے رکھی ہے اور یہ زعم رکھتے ہو کہ ان کی نصرت و اعانت بھی کرو گے۔ سُنو! خدا کی قسم اگر تم ابوصفوان کے ساتھ نہ ہوتے تو اپنے گھر سلامت پلٹ کر نہ جا سکتے تھے۔" اس پر حضرت سعدؓ نے باآوازِ بلند کہا: "سُن! خدا کی قسم اگر تُو نے مجھ کو اس سے روکا تو مَیں تجھے ایسی چیز سے روک دوں گا جو تجھ پر اس سے بھی زیادہ گراں ہو گی۔" یعنی اہلِ مدینہ کے پاس سے گذرنے والا تیرا (تجارتی) راستہ۔[۴]

---

[۲] ابوداؤد باب مذکور [۳] اس معاملے میں دیکھئے صحیح بخاری ۲/۶۵۵، ۶۵۶، ۹۱۶، ۹۲۴
[۴] بخاری، کتاب المغازی ۲/۵۶۳

مہاجرین کو قریش کی دھمکی

پھر قریش نے مسلمانوں کو کہلا بھیجا "تم مغرور نہ ہونا کہ مکّہ سے صاف بچ کر نکل آئے، ہم یثرب ہی پہنچ کر تمہارا استیناس کر دیتے ہیں"۔ ۵

اور یہ محض دھمکی نہ تھی بلکہ رسول اللہ ﷺ کو اتنے مؤکد طریقے پر قریش کی چالوں اور بُرے ارادوں کا علم ہو گیا تھا کہ آپ یا تو جاگ کر رات گزارتے تھے یا صحابہ کرام کے پہرے میں سوتے تھے چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ مدینہ آنے کے بعد ایک رات رسول اللہ ﷺ جاگ رہے تھے کہ فرمایا "کاش آج رات میرے صحابہؓ میں سے کوئی صالح آدمی میرے یہاں پہرہ دیتا"۔ ابھی ہم اسی حالت میں تھے کہ ہمیں ہتھیار کی جھنکار سُنائی پڑی۔ آپؐ نے فرمایا "کون ہے؟" جواب آیا "سعد بن ابی وقاص"۔ فرمایا "کیسے آنا ہوا؟" بولے: "میرے دل میں آپؐ کے متعلق خطرے کا اندیشہ ہوا تو میں آپؐ کے یہاں پہرہ دینے آگیا"۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے انہیں دُعا دی۔ پھر سو گئے۔ ۶

یہ بھی یاد رہے کہ پہرے کا یہ انتظام بعض راتوں کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ مسلسل اور دائمی تھا؛ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہے کہ رات کو رسول اللہ ﷺ کے لیے پہرہ دیا جاتا تھا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی: وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔) تب رسول اللہ ﷺ نے قبے سے سر نکالا اور فرمایا: "لوگو! واپس جاؤ اللہ عزّوجل نے مجھے محفوظ کر دیا ہے"۔ ۷

پھر یہ خطرہ صرف رسول اللہ ﷺ کی ذات تک محدود نہ تھا بلکہ سارے ہی مسلمانوں کو لاحق تھا؛ چنانچہ حضرت اُبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے رُفقاء مدینہ تشریف لائے، اور انصار نے انہیں اپنے یہاں پناہ دی تو سارا عرب اُن کے خلاف متحد ہو گیا۔ چنانچہ یہ لوگ نہ ہتھیار کے بغیر رات گزارتے تھے اور نہ ہتھیار کے بغیر صبح کرتے تھے۔

جنگ کی اجازت

ان پُرخطر حالات میں جو مدینہ میں مسلمانوں کے وجود کے لیے چیلنج بنے ہوئے تھے اور جن سے عیاں تھا کہ قریش کسی

۵ رحمۃ للعالمین ۱/۱۱۶ ۶ مسلم باب فضل سعد بن ابی وقاص ۲/۲۸۰، صحیح بخاری باب الحراسۃ فی الغزو فی سبیل اللہ ۱/۴۰۴ ۷ جامع ترمذی: ابواب التفسیر ۲/۱۳۰

طرح ہوش کے ناخن لینے اور اپنے تمرد سے باز آنے کے لیے تیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جنگ کی اجازت فرما دی؛ لیکن اسے فرض قرار نہیں دیا۔ اس موقعے پر اللہ تعالیٰ کا جو ارشاد نازل ہوا وہ یہ تھا:

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۝ (۳۹:۲۲)

"جن لوگوں سے جنگ کی جا رہی ہے انہیں بھی جنگ کی اجازت دی گئی کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔"

پھر اس آیت کے ضمن میں مزید چند آیتیں نازل ہوئیں جن میں بتایا گیا کہ یہ اجازت محض جنگ برائے جنگ کے طور پر نہیں ہے بلکہ اس سے مقصود باطل کے خاتمے اور اللہ کے شعائر کا قیام ہے۔ چنانچہ آگے چل کر ارشاد ہوا:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ (۲۲:۴۱)

"جنہیں ہم اگر زمین میں اقتدار سونپ دیں تو وہ نماز قائم کریں گے۔ زکوٰۃ ادا کریں گے بھلائی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔"

صحیح بات جسے قبول کرنے کے سوا چارۂ کار نہیں یہی ہے کہ یہ اجازت ہجرت کے بعد مدینے میں نازل ہوئی تھی، مکے میں نازل نہیں ہوئی تھی۔ البتہ وقتِ نزول کا قطعی تعین مشکل ہے۔

جنگ کی اجازت تو نازل ہو گئی لیکن جن حالات میں نازل ہوئی وہ چونکہ محض قریش کی قوت اور تمرد کا نتیجہ تھے اس لیے حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ مسلمان اپنے تسلط کا دائرہ قریش کی اس تجارتی شاہراہ تک پھیلا دیں جو مکے سے شام تک آتی جاتی ہے؛ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے تسلط کے اس پھیلاؤ کے لیے دو منصوبے اختیار کیے۔

(۱) ایک: جو قبائل اس شاہراہ کے اردگرد یا اس شاہراہ سے مدینے تک کے درمیانی علاقے میں آباد تھے ان کے ساتھ حلف (دوستی و تعاون) اور جنگ نہ کرنے کا معاہدہ۔

(۲) دوسرا منصوبہ: اس شاہراہ پر گشتی دستے بھیجنا۔

پہلے منصوبے کے ضمن میں یہ واقعہ قابلِ ذکر ہے کہ پچھلے صفحات میں یہود کے ساتھ کیے گئے

جس معاہدے کی تفصیل گذر چکی ہے، آپؐ نے عسکری مہم شروع کرنے سے پہلے اسی طرح کی دوستی و تعاون اور عدم جنگ کا ایک معاہدہ قبیلہ جُہَینہ کے ساتھ بھی کیا۔ ان کی آبادی مدینے سے تین مرحلے پر ـــــ ۴۵ یا ۵۰ میل کے فاصلے پر ـــــ واقع تھی۔ اس کے علاوہ طلایہ گردی کے دوران بھی آپؐ نے متعدد معاہدے کئے جن کا ذکر آئندہ آئے گا۔

دوسرا منصوبہ سَرَایا اور غزوات سے تعلق رکھتا ہے جس کی تفصیلات اپنی اپنی جگہ آتی رہیں گی۔

سَرَایا اور غزوات[8]

جنگ کی اجازت نازل ہونے کے بعد ان دونوں منصوبوں کے نفاذ کے لیے مسلمانوں کی عسکری مہمّات کا سلسلہ عملاً شروع ہوگیا۔ طلایہ گردی کی شکل میں فوجی دستے گشت کرنے لگے۔ اس کا مقصود وہی تھا جس کی طرف اشارہ کیا جاچکا ہے کہ مدینے کے گردوپیش کے راستوں پر عموماً اور مکّے کے راستے پر خصوصاً نظر رکھی جائے اور اس کے احوال کا پتا لگایا جاتا رہے اور ساتھ ہی ان راستوں پر واقع قبائل سے معاہدے کئے جائیں اور یثرب کے مشرکین و یہود اور آس پاس کے بدوؤں کو یہ احساس دلایا جائے کہ مسلمان طاقتور ہیں اور اب انہیں اپنی پرانی کمزوری سے نجات مل چکی ہے۔ نیز قریش کو ان کے بیجا طیش اور تہوّر کے خطرناک نتیجے سے ڈرایا جائے تاکہ جس حماقت کی دلدل میں وہ اب تک دھنستے چلے جارہے ہیں اس سے نکل کر ہوش کے ناخن لیں اور اپنے اقتصاد اور اسبابِ معیشت کو خطرے میں دیکھ کر صلح کی طرف مائل ہو جائیں اور مسلمانوں کے گھروں میں گھس کر ان کے خاتمے کے جو عزائم رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں جو رکاوٹیں کھڑی کر رہے ہیں اور مکّے کے کمزور مسلمانوں پر جو ظلم و ستم ڈھا رہے ہیں ان سب سے باز آجائیں اور مسلمان جزیرۃ العرب میں اللہ کا پیغام پہنچانے کے لیے آزاد ہوجائیں۔

ان سَرَایا اور غزوات کے مختصر احوال ذیل میں درج ہیں۔

(۱) سَرِیّہ سِیف البحر[9]۔ رمضان ۱ھ مطابق مارچ ۶۲۳ء

[8] اہلِ سیَر کی اصطلاح میں غزوہ اس فوجی مہم کو کہتے ہیں جس میں نبی ﷺ بنفسِ نفیس تشریف لے گئے ہوں خواہ جنگ ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو اور سَرِیّہ وہ فوجی مہم جس میں آپؐ خود تشریف نہ لے گئے ہوں۔ سَرَایا اسی سَرِیّہ کی جمع ہے۔

[9] سِیف البحر، س کو زیر پڑھیں گے۔ معنی ساحل سمندر۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کو اس سریہ کا امیر بنایا اور تیس مہاجرین کو ان کے زیر کمان شام سے آنے والے ایک قریشی قافلے کا پتا لگانے کے لیے روانہ فرمایا۔ اس قافلے میں تین سو آدمی تھے جن میں ابو جہل بھی تھا۔ مسلمان عیص [10] کے اطراف میں ساحل سمندر کے پاس پہنچے تو قافلے کا سامنا ہو گیا اور فریقین جنگ کے لیے صف آرا ہو گئے لیکن قبیلہ جُہَینَہ کے سردار مجدی بن عَمرو نے جو فریقین کا حلیف تھا، دوڑ دھوپ کر کے جنگ نہ ہونے دی۔

حضرت حمزہ رض کا یہ جھنڈا پہلا جھنڈا تھا جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے باندھا تھا۔ اس کا رنگ سفید تھا اور اس کے علمبردار حضرت ابو مرثد کناز بن حصین غَنَوی رضی اللہ عنہ تھے۔

(۲) سَرِیۂ رابغ ۔ شوال سلہ ھ ۔ اپریل ۶۲۳ء

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عُبَیدہ رض بن حارث بن المطلب کو مہاجرین کے ساٹھ سواروں کا رسالہ دے کر روانہ فرمایا۔ رابغ کی وادی میں ابو سفیان سے سامنا ہوا۔ اس کے ساتھ دو سو آدمی تھے۔ فریقین نے ایک دوسرے پر تیر چلائے لیکن اس سے آگے کوئی جنگ نہ ہوئی۔

اس سریے میں مکی لشکر کے دو آدمی مسلمانوں سے آملے۔ ایک حضرت مِقداد بن عَمرو البہرانی اور دوسرے عُتبہ بن غزوان المازنی رضی اللہ عنہما۔ یہ دونوں مسلمان تھے اور کفار کے ساتھ نکلے ہی اس مقصد سے تھے کہ اس طرح مسلمانوں سے جا ملیں گے۔

حضرت ابو عبیدہ رض کا عَلَم سفید تھا اور علمبردار حضرت مِسطح بن اثاثہ بن مطلب بن عبد مناف تھے۔

(۳) سَرِیۂ خرّار [11] ۔ ذی قعدہ سلہ ھ ۔ مئی ۶۲۳ء

رسول اللہ ﷺ نے اس سَرِیہ کا امیر حضرت سعد بن ابی وقاص رض کو مقرر فرمایا اور انہیں بیس آدمیوں کی کمان دے کر قریش کے ایک قافلے کا پتا لگانے کے لیے روانہ فرمایا اور

---

[10] عِیص۔ ع کو زیر پڑھیں گے۔ بحر احمر کے اطراف میں یَنبُع اور مَروَہ کے درمیان ایک مقام ہے۔
[11] خرار، خ پر زبر اور ر پر تشدید، جحفہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے۔

یہ تاکید فرما دی کہ خرّار سے آگے نہ بڑھیں - یہ لوگ پیدل روانہ ہوئے - رات کو سفر کرتے اور دن میں چھپے رہتے تھے - پانچویں روز صبح خرّار پہنچے تو معلوم ہُوا کہ قافلہ ایک دن پہلے جا چکا ہے -

اس سریے کا عَلَم سفید تھا اور علمبردار حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ تھے -

(۴) غزوہ اَبْوَا ر یا وَدَّان[۱۲] صفر ۲ھ - اگست ۶۲۳ء

اس مہم میں ستر مہاجرین کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ بنفسِ نفیس تشریف لے گئے تھے اور مدینے میں حضرت سعدؓ بن عبادہ کو اپنا قائم مقام مقرر فرما دیا تھا - مہم کا مقصد قریش کے ایک قافلے کی راہ روکنا تھا - آپ وَدَّان تک پہنچے لیکن کوئی معاملہ پیش نہ آیا -

اسی غزوہ میں آپؐ نے بنو ضمرہ کے سردار وقت، عمرو بن مخشی الضمری سے حلیفانہ معاہدہ کیا، معاہدے کی عبارت یہ تھی

"یہ بنو ضمرہ کے لیے محمد رسول اللہ ﷺ کی تحریر ہے - یہ لوگ اپنے جان اور مال کے بارے میں مامون رہیں گے اور جو ان پر یورش کرے گا اس کے خلاف ان کی مدد کی جائے گی، اِلّا یہ کہ یہ خود اللہ کے دین کے خلاف جنگ کریں - (یہ معاہدہ اس وقت تک کے لیے ہے) جب تک سمندر اُون کو تر کرے (یعنی ہمیشہ کے لیے ہے) اور جب نبی ﷺ اپنی مدد کے لیے انہیں آواز دیں گے تو انہیں آنا ہوگا"[۱۳]

یہ پہلی فوجی مہم تھی جس میں رسول اللہ ﷺ بذاتِ خود تشریف لے گئے تھے اور پندرہ دن مدینے سے باہر گذار کر واپس آئے - اس مہم کے پرچم کا رنگ سفید تھا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ علمبردار تھے -

(۵) غزوہ بُواط - ربیع الاول ۲ھ - ستمبر ۶۲۳ء

اس مہم میں رسول اللہ ﷺ دو سو صحابہ کو ہمراہ لے کر روانہ ہوئے - مقصود قریش کا ایک قافلہ تھا جس میں امیہ بن خلف سمیت قریش کے ایک سو آدمی اور ڈھائی ہزار اونٹ تھے - آپؐ رضوی کے اطراف میں مقام بُواط[۱۴] تک تشریف لے گئے لیکن کوئی معاملہ پیش نہ آیا -

---

[۱۲] وَدَّان، و پر زبر - د پر تشدید، مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام کا نام ہے - یہ رابغ سے مدینہ جاتے ہوئے ۲۹ میل کے فاصلے پر پڑتا ہے - اَبْوَا ر وَدَّان کے قریب ہی ایک دوسرے مقام کا نام ہے -

[۱۳] المواہب اللدنیہ ۱/ ۷۵، مع شرح زرقانی [۱۴] بواط، ب پر پیش - اور رضوی (باقی اگلے صفحہ پر)

اس غزوہ کے دوران حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو مدینے کا امیر بنایا گیا تھا۔ پرچم سفید تھا اور علمبردار حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے۔

(۶) غزوۂ سفوان۔ ربیع الاول ۲ھ، ستمبر ۶۲۳ء

اس غزوہ کی وجہ یہ تھی کہ کرز بن جابر فہری نے مشرکین کی ایک مختصر سی فوج کے ساتھ مدینے کی چراگاہ پر چھاپہ مارا اور کچھ مویشی لوٹ لیے۔ رسول اللہ ﷺ نے ستر صحابہ کے ہمراہ اس کا تعاقب کیا اور بدر کے اطراف میں واقع وادی سفوان تک تشریف لے گئے لیکن کرز اور اس کے ساتھیوں کو نہ پا سکے اور کسی ٹکراؤ کے بغیر واپس آ گئے۔ اس غزوہ کو بعض لوگ غزوۂ بدر اولیٰ بھی کہتے ہیں۔

اس غزوہ کے دوران مدینے کی امارت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو سونپی گئی تھی۔ علم سفید تھا اور علمبردار حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔

(۷) غزوۂ ذی العُشَیرہ۔ جمادی الاولیٰ وجمادی الآخرہ ۲ھ نومبر، دسمبر ۶۲۳ء

اس مہم میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ڈیڑھ یا دو سو مہاجرین تھے لیکن آپؐ نے کسی کو روانگی پر مجبور نہیں کیا تھا۔ سواری کے لیے صرف تیس اونٹ تھے۔ اس لیے لوگ باری باری سوار ہوتے تھے مقصود قریش کا ایک قافلہ تھا جو ملک شام جا رہا تھا اور معلوم ہوا تھا کہ یہ مکے سے چل چکا ہے۔ اس قافلے میں قریش کا خاصا مال تھا۔ آپؐ اس کی طلب میں ذوالعُشَیرہ[۱۵] تک پہنچے لیکن آپؐ کے پہنچنے سے کئی دن پہلے ہی قافلہ جا چکا تھا۔ یہ وہی قافلہ ہے جسے شام سے واپسی پر نبی ﷺ نے گرفتار کرنا چاہا تو یہ قافلہ تو بچ نکلا لیکن جنگِ بدر پیش آ گئی۔

اس مہم پر ابن اسحاق کے بقول رسول اللہ ﷺ جمادی الاُولیٰ کے اواخر میں روانہ ہوئے ــــ اور جمادی الآخرۃ میں واپس آئے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اس غزوے کے مہینے کی تعیین میں اہل سِیَر کا اختلاف ہے۔

اس غزوے میں رسول اللہ ﷺ نے بنو مُدلج اور ان کے حلیف بنو ضَمرہ سے عدمِ جنگ

(بقیہ نوٹ گزشتہ صفحہ) کوہستان جُہَینہ کے سلسلے کے دو پہاڑ ہیں جو درحقیقت ایک ہی پہاڑ کی دو شاخیں ہیں یہ مکہ سے شام جانے والی شاہراہ کے متصل ہے اور مدینہ سے ۴۸ میل کے فاصلے پر ہے۔

۱۵ عشیرہ۔ ع کو پیش اور ش کو زبر۔ عشیراء اور عسیرہ بھی کہا گیا ہے۔ یَنْبُوع کے اطراف میں ایک مقام کا نام ہے۔

کا معاہدہ کیا۔

ایامِ سفر میں مدینہ کی سربراہی کا کام حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی رضی اللہ عنہ نے انجام دیا۔ اس دفعہ بھی پرچم سفید تھا اور علمبرداری حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ فرما رہے تھے۔

(۸) سریۂ نخلہ۔ رجب ۲ھ۔ جنوری ۶۲۴ء

اس مہم پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں بارہ مہاجرین کا ایک دستہ روانہ فرمایا۔ ہر دو آدمیوں کے لیے ایک اونٹ تھا جس پر باری باری دونوں سوار ہوتے تھے۔ دستے کے امیر کو رسول اللہ ﷺ نے ایک تحریر لکھ کر دی تھی اور ہدایت فرمائی تھی کہ دو دن سفر کر لینے کے بعد ہی اسے دیکھیں گے۔ چنانچہ دو دن کے بعد حضرت عبداللہ نے تحریر دیکھی تو اس میں یہ درج تھا: "جب تم میری یہ تحریر دیکھو تو آگے بڑھتے جاؤ یہاں تک کہ مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ میں اترو اور وہاں قریش کے ایک قافلے کی گھات میں لگ جاؤ اور ہمارے لیے اس کی خبروں کا پتا لگاؤ۔" انہوں نے سمع و طاعت کہا اور اپنے رُفقاء کو اس کی اطلاع دیتے ہوئے فرمایا کہ میں کسی پر جبر نہیں کرتا، جسے شہادت محبوب ہو وہ اُٹھ کھڑا ہو اور جسے موت ناگوار ہو وہ واپس چلا جائے۔ باقی رہا میں! تو میں بہرحال آگے جاؤں گا۔ اس پر سارے ہی رُفقاء اُٹھ کھڑے ہوئے اور منزلِ مقصود کے لیے چل پڑے۔ البتہ راستے میں سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہما کا اونٹ غائب ہو گیا جس پر یہ دونوں بزرگ باری باری سفر کر رہے تھے۔ اس لیے یہ دونوں پیچھے رہ گئے۔

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے طویل مسافت طے کر کے نخلہ میں نزول فرمایا۔ وہاں سے قریش کا ایک قافلہ گذرا جو کشمش، چمڑے اور سامانِ تجارت لیے ہوئے تھا۔ قافلے میں عبداللہ بن مغیرہ کے دو بیٹے عثمان اور نوفل اور عَمرو بن حضرمی اور حکیم بن کیسان مولیٰ مغیرہ تھے۔ مسلمانوں نے باہم مشورہ کیا کہ آخر کیا کریں۔ آج حرام مہینے رجب کا آخری دن ہے اگر ہم لڑائی کرتے ہیں تو اس حرام مہینے کی بے حرمتی ہوتی ہے اور رات بھر رک جاتے ہیں تو یہ لوگ حدودِ حرم میں داخل ہو جائیں گے۔ اس کے بعد سب کی یہی رائے ہوئی کہ حملہ کر دینا چاہیے چنانچہ ایک شخص نے عَمرو بن حضرمی کو تیر مارا اور اس کا کام تمام کر دیا۔ باقی لوگوں نے عثمان اور حکیم کو گرفتار کر لیا؛ البتہ نوفل بھاگ نکلا۔ اس کے بعد یہ لوگ دونوں قیدیوں اور سامانِ قافلہ کو لیے ہوئے مدینہ پہنچے۔ انہوں نے مالِ

غنیمت سے خُمس بھی نکال لیا تھا[لے] اور یہ اسلامی تاریخ کا پہلا خُمس پہلا مقتول اور پہلے قیدی تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس حرکت پر باز پُرس کی اور فرمایا کہ میں نے تمہیں حرام مہینے میں جنگ کرنے کا حکم نہیں دیا تھا؛ اور سامان قافلہ اور قیدیوں کے سلسلے میں کسی بھی طرح کے تصرف سے ہاتھ روک لیا۔

ادھر اس حادثے سے مشرکین کو اس پروپیگنڈے کا موقع مل گیا کہ مسلمانوں نے اللہ کے حرام کئے ہوئے مہینے کو حلال کر لیا؛ چنانچہ بڑی چہ میگوئیاں ہوئیں یہاں تک اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے اس پروپیگنڈے کی قلعی کھولی اور بتلایا کہ مشرکین جو کچھ کر رہے ہیں وہ مسلمانوں کی حرکت سے بدرجہا زیادہ بڑا جرم ہے۔ ارشاد ہوا:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ اَھْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۭ (۲: ۲۱۷)

"لوگ تم سے حرام مہینے میں قتال کے متعلق دریافت کرتے ہیں۔ کہدو اس میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا، مسجد حرام سے روکنا اور اس کے باشندوں کو وہاں سے نکالنا یہ سب اللہ کے نزدیک اور زیادہ بڑا جرم ہے اور فتنہ قتل سے بڑھ کر ہے۔"

اس وحی نے صراحت کر دی کہ لڑنے والے مسلمانوں کی سیرت کے بارے میں مشرکین نے جو شور برپا کر رکھا ہے اس کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ قریش اسلام کے خلاف لڑائی میں اور مسلمانوں پر ظلم و ستم رانی میں ساری ہی حرمتیں پامال کر چکے ہیں۔ کیا جب ہجرت کرنے والے مسلمانوں کا مال چھینا گیا اور پیغمبر کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا گیا تو یہ واقعہ شہر حرام (مکہ) سے باہر کہیں اور رکا تھا؟ پھر کیا وجہ ہے کہ اب ان حرمات کا تقدس اچانک پلٹ آیا اور ان کا چاک کرنا باعث ننگ و عار ہوگیا۔ یقیناً مشرکین نے پروپیگنڈے کا جو طوفان برپا کر رکھا ہے وہ کھلی ہوئی بے حیائی اور صریح بے شرمی پر مبنی ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دونوں قیدیوں کو آزاد کر دیا اور مقتول کے

[لے] اہل سیر کا بیان یہی ہے مگر اس میں پیچیدگی یہ ہے کہ خُمس نکالنے کا حکم جنگ بدر کے موقعے پر نازل ہوا تھا اور اس کے سبب نزول کی جو تفصیلات کتب تفاسیر میں بیان کی گئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے تک مسلمان خُمس کے حکم سے نا آشنا تھے۔

اولیاء کو اس کا خون بہا ادا کیا[لہ]

یہ ہیں جنگِ بدر سے پہلے کے سریے اور غزوے۔ ان میں سے کسی میں بھی لُوٹ مار اور قتل و غارت گری کی نوبت نہیں آئی جب تک کہ مشرکین نے کرز بن جابر فہری کی قیادت میں ایسا نہیں کیا، اس لیے اس کی ابتدار بھی مشرکین ہی کی جانب سے ہوئی جب کہ اس سے پہلے بھی وہ طرح طرح کی ستم رانیوں کا ارتکاب کر چکے تھے۔

ادھر سَریہ عبداللہ بن جحش کے واقعات کے بعد مشرکین کا خوف حقیقت بن گیا اور ان کے سامنے ایک واقعی خطرہ مجسّم ہو کر آ گیا۔ انہیں جس پھندے میں پھنسنے کا اندیشہ تھا اس میں اب وہ واقعی پھنس چکے تھے۔ انہیں معلوم ہو گیا کہ مدینے کی قیادت انتہائی بیدار مغز ہے اور ان کی ایک ایک تجارتی نقل و حرکت پر نظر رکھتی ہے۔ مسلمان چاہیں تو تین سو میل کا راستہ طے کر کے ان کے علاقے کے اندر انہیں مار کاٹ سکتے ہیں، قید کر سکتے ہیں، مال لُوٹ سکتے ہیں اور ان سب کے بعد صحیح سالم واپس بھی جا سکتے ہیں۔ مشرکین کی سمجھ میں آ گیا کہ ان کی شامی تجارت اب مستقل خطرے کی زد میں ہے لیکن ان سب کے باوجود وہ اپنی حماقت سے باز آنے اور جُہینہ اور بنو ضمرہ کی طرح صلح و صفائی کی راہ اختیار کرنے کے بجائے اپنے جذبۂ غیظ و غضب اور جوشِ بغض و عداوت میں کچھ اور آگے بڑھ گئے اور ان کے صنادید و اکابر نے اپنی اس دھمکی کو عملی جامہ پہنانے کا فیصلہ کر لیا کہ مسلمانوں کے گھروں میں گھس کر ان کا صفایا کر دیا جائے گا۔ چنانچہ یہی طیش تھا جو انہیں میدانِ بدر تک لے آیا۔

باقی رہے مسلمان تو اللہ تعالٰے نے حضرت عبداللہ بن جحشؓ کے سَریہ کے بعد شعبان ۲ھ میں ان پر جنگ فرض قرار دے دی اور اس سلسلے میں کئی واضح آیات نازل فرمائیں:

ارشاد ہوا:

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ

[لہ] ان سَرایا اور غزوات کی تفصیل کتب ذیل سے لی گئی ہے۔ زاد المعاد ۲/۸۳-۸۵ ابن ہشام ۱/۵۹۱-۶۰۵۔ رحمۃ للعالمین ۱/۱۱۵، ۱۱۶، ۲/۲۱۵، ۲۱۶، ۴۶۸-۴۷۰۔ ان مآخذ میں ان سَرایا اور غزوات کی ترتیب اور ان میں شرکت کرنے والوں کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے۔ ہم نے علامہ ابن قیم اور علامہ منصور پوری کی تحقیق پر اعتماد کیا ہے۔

الْمُعْتَدِيْنَ ○ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ
وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ
فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ۭ كَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ○ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○
وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۭ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا
عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ○ (۲:۱۹۰-۱۹۳)

"اللہ کی راہ میں ان سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور حد سے آگے نہ بڑھو۔ یقیناً اللہ حد سے آگے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور انہیں جہاں پاؤ قتل کرو، اور جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے وہاں سے تم بھی انہیں نکال دو اور فتنہ قتل سے زیادہ سخت ہے۔ اور ان سے مسجد حرام کے پاس قتال نہ کرو یہاں تک کہ وہ تم سے مسجد حرام میں قتال کریں۔ پس اگر وہ (وہاں) قتال کریں تو تم (وہاں بھی) انہیں قتل کرو۔ کافروں کی جزا ایسی ہی ہے۔ پس اگر وہ باز آجائیں تو بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔ اور ان سے لڑائی کرو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہو جائے۔ پس اگر وہ باز آجائیں تو کوئی تعدّی نہیں ہے مگر ظالموں ہی پر۔"

اس کے جلد ہی بعد دوسری نوع کی آیات نازل ہوئیں جن میں جنگ کا طریقہ بتایا گیا ہے اور اس کی ترغیب دی گئی ہے اور بعض احکامات بھی بیان کیے گئے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا
الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاۗءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ڔ ذٰلِكَ ۭ وَلَوْ يَشَاۗءُ
اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا۟ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۭ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ○ سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ○ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا
لَهُمْ ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ○ (۴۷:۴-۷)

"پس جب تم لوگ کفر کرنے والوں سے ٹکراؤ تو گردنیں مارو، یہاں تک کہ جب انہیں اچھی طرح کچل لو تو جکڑ کر باندھو۔ اس کے بعد یا تو احسان کرو یا فدیہ لو، یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے۔ یہ ہے (تمہارا کام) اور اگر اللہ چاہتا تو خود ہی ان سے انتقام لے لیتا لیکن (وہ چاہتا ہے کہ) تم میں سے بعض کو بعض کے ذریعے آزمائے اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جائیں اللہ ان کے اعمال کو ہرگز رائیگاں نہ کرے گا۔ اللہ ان کی رہنمائی کرے گا اور ان کا

حال درست کرے گا اور ان کو جنّت میں داخل کرے گا جس سے ان کو واقف کرا چکا ہے۔
اے اہلِ ایمان! اگر تم نے اللہ کی مدد کی تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم ثابت رکھے گا"۔
اس کے بعد اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں کی مذمّت فرمائی جن کے دل جنگ کا حکم سن کر کانپنے اور دھڑکنے لگے تھے۔ فرمایا:

فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ط (۴۷:۲۰)

"تو جب کوئی محکم سورت نازل کی جاتی ہے اور اس میں قتال کا ذکر ہوتا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے وہ تمہاری طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے وہ شخص دیکھتا ہے جس پر موت کی غشی طاری ہو رہی ہو"۔

حقیقت یہ ہے کہ جنگ کی فرضیت و ترغیب اور اس کی تیاری کا حکم حالات کے تقاضے کے عین مطابق تھا حتیٰ کہ اگر حالات پر گہری نظر رکھنے والا کوئی کمانڈر ہوتا تو وہ بھی اپنی فوج کو ہر طرح کے ہنگامی حالات کا فوری مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہنے کا حکم دیتا۔ لہٰذا وہ پروردگارِ برتر کیوں نہ ایسا حکم دیتا جو ہر کھلی اور ڈھکی بات سے واقف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حالات حق و باطل کے درمیان ایک خونریز اور فیصلہ کن معرکے کا تقاضا کر رہے تھے؛ خصوصاً سریّہ عبد اللہ بن جحشؓ کے بعد جو کہ مشرکین کی غیرت و حمیّت پر ایک سنگین ضرب تھی اور جس نے انہیں کبابِ سیخ بنا رکھا تھا۔

احکامِ جنگ کی آیات کے سیاق و سباق سے اندازہ ہوتا تھا کہ خونریز معرکے کا وقت قریب ہی ہے اور اس میں آخری فتح و نصرت مسلمانوں ہی کو نصیب ہوگی۔ آپ اس بات پر نظر ڈالیے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ جہاں سے مشرکین نے تمہیں نکالا ہے اب تم بھی وہاں سے انہیں نکال دو۔ پھر کس طرح اس نے قیدیوں کے باندھنے اور مخالفین کو کچل کر سلسلۂ جنگ کو خاتمے تک پہنچانے کی ہدایت دی ہے جو ایک غالب اور فاتح فوج سے تعلّق رکھتی ہے۔ یہ اشارہ تھا کہ آخری غلبہ مسلمانوں ہی کو نصیب ہوگا۔ لیکن یہ بات پردوں اور اشاروں میں بتائی گئی تاکہ جو شخص جہاد فی سبیل اللہ کے لیے جتنی گرمجوشی رکھتا ہے اس کا عملی مظاہرہ بھی کر سکے۔

پھر ان ہی دنوں — شعبان ۲ھ فروری ۶۲۴ء میں — اللہ تعالےٰ نے حکم دیا کہ قبلہ

بیت المقدس کے بجائے خانہ کعبہ کو بنایا جائے اور نماز میں اسی طرف رخ پھیرا جائے۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ کمزور اور منافق یہود جو مسلمانوں کی صف میں محض اضطراب و انتشار پھیلانے کے لیے داخل ہوگئے تھے کھل کر سامنے آگئے اور مسلمانوں سے علیحدہ ہو کر اپنی اصل حالت پر واپس چلے گئے اور اس طرح مسلمانوں کی صفیں بہت سے غداروں اور خیانت کوشوں سے پاک ہوگئیں۔

تحویلِ قبلہ میں اس طرف بھی ایک لطیف اشارہ تھا کہ اب ایک نیا دَور شروع ہو رہا ہے جو اس قبلے پر مسلمانوں کے قبضے سے پہلے ختم نہ ہوگا؛ کیونکہ یہ بڑی عجیب بات ہوگی کہ کسی قوم کا قبلہ اس کے دشمنوں کے قبضے میں ہو اور اگر ہے تو پھر ضروری ہے کہ کسی نہ کسی دن اُسے آزاد کرایا جائے۔

ان احکام اور اشاروں کے بعد مسلمانوں کی نشاط میں مزید اضافہ ہوگیا اور ان کے جہاد فی سبیل اللہ کے جذبات اور دشمن سے فیصلہ کن ٹکر لینے کی آرزو کچھ اور بڑھ گئی۔

غزوۂ بدرِ کبریٰ

اِسلام کا پہلا فیصلہ کن معرکہ

غزوے کا سبب

غزوۂ عُشیرہ کے ذکر میں ہم بتا چکے ہیں کہ قریش کا ایک قافلہ مکّے سے شام جاتے ہوئے نبی ﷺ کی گرفت سے بچ نکلا تھا۔ یہی قافلہ جب شام سے پلٹ کر مکہ واپس آنے والا تھا تو نبی ﷺ نے طلحہ بن عبیدؓ اللہ اور سعید بن زیدؓ کو اس کے حالات کا پتا لگانے کے لیے شمال کی جانب روانہ فرمایا۔ یہ دونوں صحابی مقامِ حُوراء تک تشریف لے گئے اور وہیں ٹھہرے رہے۔ جب ابوسفیان قافلہ لے کر وہاں سے گذرا تو یہ نہایت تیز رفتاری سے مدینہ پلٹے اور رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع دی۔

اس قافلے میں اہلِ مکہ کی بڑی دولت تھی، یعنی ایک ہزار اونٹ تھے جن پر کم از کم پچاس ہزار دینار (دو سو ساڑھے باسٹھ کیلو سونے) کی مالیت کا سازو سامان بار کیا ہُوا تھا درآں حالیکہ اس کی حفاظت کے لیے صرف چالیس آدمی تھے۔

اہلِ مدینہ کے لیے یہ بڑا زرّیں موقع تھا جبکہ اہلِ مکہ کے لیے اس مالِ فراواں سے محرومی بڑی زبردست فوجی، سیاسی اور اقتصادی مار کی حیثیت رکھتی تھی اس لیے رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے اندر اعلان فرمایا کہ یہ قریش کا قافلہ مال و دولت لیے چلا آرہا ہے اس کیلئے نکل پڑو ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بطورِ غنیمت تمہارے حوالے کر دے۔

لیکن آپؐ نے کسی پر روانگی ضروری نہیں قرار دی بلکہ اسے محض لوگوں کی رغبت پر چھوڑ دیا کیونکہ اس اعلان کے وقت یہ توقع نہیں تھی کہ قافلے کے بجائے لشکرِ قریش کے ساتھ میدانِ بدر میں ایک نہایت پُرزور ٹکر ہو جائے گی اور یہی وجہ ہے کہ بہت سے صحابہؓ کرام مدینے ہی میں رہ گئے۔ ان کا خیال تھا کہ رسُول اللہ ﷺ کا یہ سفر آپؐ کی گذشتہ عام فوجی مہمات سے مختلف نہ ہوگا اور اسی لیے اس غزوے میں شریک نہ ہونے والوں سے کوئی باز پرس نہیں کی گئی۔

اسلامی لشکر کی تعداد اور کمان کی تقسیم

رسول اللہ ﷺ روانگی کے لیے تیار ہوئے تو آپ کے ہمراہ کچھ

اُوپر تین سو افراد تھے۔ (یعنی ۳۱۳ یا ۳۱۴ یا ۳۱۷) جن میں سے ۸۲ یا ۸۳ یا ۸۶ مہاجر تھے اور بقیہ انصار۔ پھر انصار میں سے ۶۱ قبیلہ اَوس سے تھے اور ۱۷۰ قبیلہ خزرج سے۔ اس لشکر نے غزوے کا نہ کوئی خاص اہتمام کیا تھا نہ مکمّل تیاری۔ چنانچہ پورے لشکر میں صرف دو گھوڑے تھے (ایک حضرت زُبیرؓ بن عوام کا اور دوسرا حضرت مقدادؓ بن اسود کندی کا) اور ستّر اونٹ، جن میں سے ہر اونٹ پر دو یا تین آدمی باری باری سوار ہوتے تھے۔ ایک اونٹ رسول اللہ ﷺ، حضرت علیؓ اور حضرت مرثدؓ بن ابی مرثدؓ غنوی کے حصّے میں آیا تھا جن پر تینوں حضرات باری باری سوار ہوتے تھے۔

مدینہ کا انتظام اور نماز کی امامت پہلے پہل حضرت ابنِ اُمِّ مکتوم رضی اللہ عنہ کو سونپی گئی۔ لیکن جب نبی ﷺ مقامِ رَوحاء تک پہنچے تو آپؐ نے حضرت ابو لبابہ بن عبد المنذر رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا منتظم بنا کر واپس بھیج دیا۔ لشکر کی تنظیم اس طرح کی گئی کہ ایک جیش مہاجرین کا بنایا گیا اور ایک انصار کا۔ مہاجرین کا عَلَم حضرت علیؓ بن ابی طالب کو دیا گیا اور انصار کا عَلَم حضرت سعدؓ بن معاذ کو اور جنرل کمان کا پرچم جس کا رنگ سفید تھا حضرت مصعب بن عُمیر عبدری رضی اللہ عنہ کو دیا گیا۔ مَیمَنہ کے افسر حضرت زُبیرؓ بن عوام رضی اللہ عنہ مقرر کیے گئے اور مَیسَرہ کے افسر حضرت مقداد بن اَسوَد رضی اللہ عنہ ——— اور جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں، پورے لشکر میں صرف یہی دونوں بزرگ شہسوار تھے۔ ساقہ کی کمان حضرت قیسؓ بن ابی صَعصَعہ کے حوالے کی گئی اور سپہ سالارِ اعلیٰ کی حیثیت سے جنرل کمان رسول اللہ ﷺ نے خود سنبھالی۔

بدر کی جانب اسلامی لشکر کی روانگی

رسول اللہ ﷺ اس نامکمل لشکر کو لے کر روانہ ہوئے تو مدینے کے دہانے سے نکل کر مکّہ جانے والی شاہراہِ عام پر چلتے ہوئے بئرِ رَوحاء تک تشریف لے گئے۔ پھر وہاں سے آگے بڑھے تو مکّے کا راستہ بائیں جانب چھوڑ دیا اور داہنے جانب کترا کر چلتے ہوئے نازیہ پہنچے (منزلِ مقصود بدر تھی) پھر نازیہ کے ایک گوشے سے گذر کر وادی رحقان پار کی۔ یہ نازیہ اور درّہ صفراء کے درمیان ایک وادی ہے۔ اس وادی کے بعد درّہ صفراء سے گذرے۔ پھر درّہ سے اُتر کر وادی صفراء کے قریب جا پہنچے اور وہاں سے قبیلہ جُہَینہ کے دو آدمیوں یعنی بسبس بن عمر اور عدی بن ابی الزغباء کو قافلے کے حالات کا پتا لگانے کے لیے بدر روانہ فرمایا

مکّے میں خطرے کا اعلان

دوسری طرف قافلے کی صورتِ حال یہ تھی کہ ابوسفیان جو اس کا نگہبان تھا، حد درجہ محتاط تھا۔ اسے معلوم تھا کہ مکّے کا راستہ خطروں سے پُر ہے، اس لیے وہ حالات کا مسلسل پتا لگاتا رہتا تھا اور جن قافلوں سے ملاقات ہوتی تھی ان سے کیفیت دریافت کرتا رہتا تھا؛ چنانچہ اسے جلد ہی معلوم ہو گیا کہ محمد ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو قافلے پر حملے کی دعوت دے دی ہے؛ لہٰذا اس نے فوراً ضَمضَم بن عمرو غفاری کو اجرت دے کر مکّے بھیجا کہ وہاں جا کر قافلے کی حفاظت کے لیے قریش میں نفیرِ عام کی صدا لگائے۔ ضَمضَم نہایت تیز رفتاری سے مکّہ آیا اور عرب دستور کے مطابق اپنے اونٹ کی ناک چیری، کجاوہ الٹا، کرتا پھاڑا اور وادئ مکہ میں اسی اونٹ پر کھڑے ہو کر آواز لگائی: "اے جماعت قریش! قافلہ ..... قافلہ ..... تمہارا مال جو ابوسفیان کے ہمراہ ہے اس پر محمدؐ اور اس کے ساتھی دھاوا بولنے جا رہے ہیں۔ مجھے یقین نہیں کہ تم اُسے پا سکو گے۔ مدد ..... مدد ....."

جنگ کے لیے اہلِ مکّہ کی تیاری

یہ آواز سن کر لوگ ہر طرف سے دوڑ پڑے۔ کہنے لگے محمد ﷺ اور اس کے ساتھی سمجھتے ہیں کہ یہ قافلہ بھی ابنِ حضرمی کے قافلے جیسا ہے؟ جی نہیں! ہرگز نہیں۔ خدا کی قسم! انہیں پتا چل جائے گا کہ ہمارا معاملہ کچھ اور ہے۔ چنانچہ سارے مکّے میں دو ہی طرح کے لوگ تھے یا تو آدمی خود جنگ کے لیے نکل رہا تھا یا اپنی جگہ کسی اور کو بھیج رہا تھا اور اس طرح گویا سبھی نکل پڑے۔ خصوصاً معززینِ مکّہ میں سے کوئی بھی پیچھے نہ رہا۔ صرف ابولہب نے اپنی جگہ اپنے ایک قرضدار کو بھیجا۔ گرد و پیش کے قبائلِ عرب کو بھی قریش نے بھرتی کیا اور خود قریشی قبائل میں سے سوائے بنو عدی کے کوئی بھی پیچھے نہ رہا؛ البتہ بَنُو عَدِی کے کسی بھی آدمی نے اس جنگ میں شرکت نہ کی۔

مکّی لشکر کی تعداد

ابتدا میں مکّی لشکر کی تعداد تیرہ سو تھی جن کے پاس ایک سو گھوڑے اور چھ سو زرہیں تھیں۔ اونٹ کثرت سے تھے جن کی ٹھیک ٹھیک تعداد معلوم نہ ہو سکی۔ لشکر کا سپہ سالار ابوجہل بن ہشام تھا۔ قریش کے نو معزز آدمی اس کی رسد کے ذِمّے دار تھے۔ ایک دن نو اور ایک دن دس اونٹ ذبح کیے جاتے تھے۔

قبائل بنو بکر کا مسئلہ

جب مکّی لشکر روانگی کے لیے تیار ہو گیا تو قریش کو یاد آیا کہ قبائل بنو بکر سے ان کی دشمنی اور جنگ چل رہی ہے اس لیے انہیں خطرہ محسوس ہُوا کہ کہیں یہ قبائل پیچھے سے حملہ نہ کر دیں اور اس طرح وہ دُشمنوں کے بیچ میں نہ گھِر جائیں۔ قریب تھا کہ یہ خیال قریش کو ان کے ارادۂ جنگ سے روک دے، لیکن عین اسی وقت ابلیس لعین بنو کنانہ کے سردار سراقہ بن مالک بن جعشم مدلجی کی شکل میں نمودار ہُوا اور بولا "میں بھی تمہارا رفیق کار ہوں اور اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ بنو کنانہ تمہارے پیچھے کوئی ناگوار کام نہ کریں گے۔"

جیشِ مکّہ کی روانگی

اس ضمانت کے بعد اہلِ مکّہ اپنے گھروں سے نکل پڑے اور جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے: "اِتراتے ہوئے، لوگوں کو اپنی شان دکھاتے ہوئے، اور اللہ کی راہ سے روکتے ہوئے" مدینہ کی جانب روانہ ہوئے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "اپنی دھار اور ہتھیار لے کر، اللہ سے خار کھاتے ہوئے اور اس کے رسولؐ سے خار کھاتے ہوئے، جوشِ انتقام سے چور اور جذبۂ حمیّت وغضب سے مخمور۔ اس پر کلچپائے ہوئے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ نے اہلِ مکّہ کے قافلوں پہ آنکھ اٹھانے کی جرأت کیسے کی؟" بہر حال یہ لوگ نہایت تیز رفتاری سے شمال کے رُخ پر بدر کی جانب چلے جا رہے تھے کہ وادی عُسفان اور قُدَید سے گذر کر جحفہ پہنچے تو ابوسفیان کا ایک نیا پیغام موصول ہُوا جس میں کہا گیا تھا کہ آپ لوگ اپنے قافلے، اپنے آدمیوں اور اپنے اموال کی حفاظت کی غرض سے نکلے ہیں اور چونکہ اللہ نے ان سب کو بچا لیا ہے لہذا اب واپس چلے جائیے۔

قافلہ بچ نکلا

ابوسفیان کے بچ نکلنے کی تفصیل یہ ہے کہ وہ شام سے کاروانی شاہراہ پر چلا تو آ رہا تھا لیکن مسلسل چوکنا اور بیدار تھا۔ اس نے اپنی فراہمیٔ اطلاعات کی کوششیں بھی دو چند کر رکھی تھیں۔ جب وہ بدر کے قریب پہنچا تو خود قافلے سے آگے جا کر مجدی بن عمرو سے ملاقات کی اور اس سے لشکرِ مدینہ کی بابت دریافت کیا۔ مجدی نے کہا "میں نے کوئی خلافِ معمول آدمی تو نہیں دیکھا البتہ دو سوار دیکھے جنہوں نے ٹیلے کے پاس اپنے جانور بٹھائے۔ پھر اپنے مشکیزے میں پانی بھر کر چلے گئے۔" ابوسفیان لپک کر وہاں پہنچا اور

ان کے اونٹ کی میگنیاں اُٹھا کر توڑیں تو اس میں کھجور کی گٹھلی برآمد ہوئی۔ ابوسفیان نے کہا: خدا کی قسم! یہ یثرب کا چارہ ہے۔ اس کے بعد وہ تیزی سے قافلے کی طرف پلٹا اور اُسے مغرب کی طرف موڑ کر اس کا رُخ ساحل کی طرف کر دیا اور بدر سے گذرنے والی کاروانی شاہراہ کو بائیں ہاتھ چھوڑ دیا۔ اس طرح قافلے کو مدنی لشکر کے قبضے میں جانے سے بچا لیا اور فوراً ہی مکی لشکر کو اپنے بچ نکلنے کی اطلاع دیتے ہوئے اُسے واپس جانے کا پیغام دیا جو اسے جحفہ میں موصول ہوا۔

مکّی لشکر کا ارادۂ واپسی اور باہمی پھُوٹ

یہ پیغام سن کر مکّی لشکر نے چاہا کہ واپس چلا جائے لیکن قریش کا طاغوتِ اکبر ابوجہل کھڑا ہو گیا اور نہایت کبر و غرور سے بولا "خدا کی قسم ہم واپس نہ ہوں گے یہاں تک کہ بدر جا کر وہاں تین روز قیام کریں گے اور اس دوران اونٹ ذبح کریں گے۔ لوگوں کو کھانا کھلائیں گے اور شراب پلائیں گے لونڈیاں ہمارے لیے گانے گائیں گی اور سارا عرب ہمارا اور ہمارے سفر و اجتماع کا حال سُنے گا اور اس طرح ہمیشہ کے لیے ان پر ہماری دھاک بیٹھ جائے گی۔"

لیکن ابوجہل کے علی الرغم اخنس بن شُرَیق نے یہی مشورہ دیا کہ واپس چلے چلو مگر لوگوں نے اس کی بات نہ مانی اس لیے وہ بنو زہرہ کے لوگوں کو ساتھ لے کر واپس ہو گیا کیونکہ وہ بنو زہرہ کا حلیف اور اس لشکر میں ان کا سردار تھا۔ بنو زہرہ کی کل تعداد کوئی تین سو تھی۔ ان کا کوئی بھی آدمی جنگ بدر میں حاضر نہ ہوا۔ بعد میں بنو زہرہ اخنس بن شُرَیق کی رائے پر صد درجہ شاداں و فرحاں تھے اور ان کے اندر اس کی تعظیم و اطاعت ہمیشہ برقرار رہی۔

بنو زہرہ کے علاوہ بنو ہاشم نے بھی چاہا کہ واپس چلے جائیں لیکن ابوجہل نے بڑی سختی کی اور کہا کہ جب تک ہم واپس نہ ہوں یہ گروہ ہم سے الگ نہ ہونے پائے۔

غرض لشکر نے اپنا سفر جاری رکھا۔ بنو زہرہ کی واپسی کے بعد اب اس کی تعداد ایک ہزار رہ گئی تھی اور اس کا رخ بدر کی جانب تھا۔ بدر کے قریب پہنچ کر اس نے ایک ٹیلے کے پیچھے پڑاؤ ڈالا۔ یہ ٹیلہ وادی بدر کے حدود پر جنوبی دہانے کے پاس واقع ہے۔

اسلامی لشکر کے لیے حالات کی نزاکت

ادھر مدینے کے ذرائع اطلاعات نے رسول اللہ ﷺ کو جبکہ

ابھی آپؐ راستے ہی میں تھے اور وادی ذفران سے گذر رہے تھے قافلے اور لشکر دونوں کے متعلق اطلاعات فراہم کیں۔ آپؐ نے ان اطلاعات کا گہرائی سے جائزہ لینے کے بعد یقین کر لیا کہ اب ایک خونریز ٹکراؤ کا وقت آگیا ہے اور ایک ایسا اقدام ناگزیر ہے جو شجاعت و بسالت اور جرأت وجسارت پر مبنی ہو۔ کیونکہ یہ بات قطعی تھی کہ اگر مکّی لشکر کو اس علاقے میں یوں ہی دندناتا ہُوا پھرنے دیا جاتا تو اس سے قریش کی فوجی ساکھ کو بڑی قوت پہنچ جاتی اور ان کی سیاسی بالادستی کا دائرہ دُور تک پھیل جاتا۔ مسلمانوں کی آواز دب کر کمزور ہو جاتی اور اس کے بعد اسلامی دعوت کو ایک بے رُوح ڈھانچہ سمجھ کر اس علاقے کا ہر کس و ناکس، جو اپنے سینے میں اسلام کے خلاف کینہ و عداوت رکھتا تھا شر پر آمادہ ہو جاتا۔

پھر ان سب باتوں کے علاوہ آخر اس کی کیا ضمانت تھی کہ مکّی لشکر مدینے کی جانب پیشقدمی نہیں کرے گا اور اس معرکہ کو مدینہ کی چہار دیواری تک منتقل کر کے مسلمانوں کو ان کے گھروں میں گھس کر تباہ کرنے کی جرأت اور کوشش نہیں کرے گا؟ جی ہاں! اگر مدنی لشکر کی جانب سے ذرا بھی گریز کیا جاتا تو یہ سب کچھ ممکن تھا۔ اور اگر ایسا نہ بھی ہوتا تو مسلمانوں کی ہیبت و شہرت پر تو بہر حال اس کا نہایت بُرا اثر پڑتا۔

مجلسِ شوریٰ کا اجتماع

حالات کی اس اچانک اور پُرخطر تبدیلی کے پیشِ نظر رسول اللہ ﷺ نے ایک اعلیٰ فوجی مجلسِ شوریٰ منعقد کی جس میں درپیش صورتِ حال کا تذکرہ فرمایا اور کمانڈروں اور عام فوجیوں سے تبادلۂ خیالات کیا۔ اس موقع پر ایک گروہ خونریز ٹکراؤ کا نام سن کر کانپ اٹھا اور اس کا دل لرزنے اور دھڑکنے لگا۔ اسی گروہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝ۙ
يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ (۸: ۵، ۶)

”جیسا کہ تجھے تیرے رب نے تیرے گھر سے حق کے ساتھ نکالا اور مومنین کا ایک گروہ ناگوار سمجھ رہا تھا۔ وہ تجھ سے حق کے بارے میں اس کے واضح ہو چکنے کے بعد جھگڑ رہے تھے گویا وہ آنکھوں دیکھتے موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں۔“

لیکن جہاں تک قائدینِ لشکر کا تعلق ہے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اُٹھے اور نہایت

اچھی بات کہی۔ پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اٹھے اور انہوں نے بھی نہایت عمدہ بات کہی۔ پھر حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض پرداز ہوئے: "اے اللہ کے رسولؐ! اللہ نے آپ کو جو راہ دکھلائی ہے اس پر رواں دواں رہیئے ہم آپؐ کے ساتھ ہیں۔ خدا کی قسم ہم آپ سے وہ بات نہیں کہیں گے جو بنو اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ،

..فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝ (۵:۲۴)

"تم اور تمہارا رب جاؤ اور لڑو، ہم یہیں بیٹھے ہیں۔"

بلکہ ہم یہ کہیں گے کہ آپؐ اور آپؐ کے پروردگار چلیں اور لڑیں اور ہم بھی آپ کے ساتھ ساتھ لڑیں گے۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اگر آپ ہم کو برک غماد تک لے چلیں تو ہم راستے والوں سے لڑتے بھڑتے آپؐ کے ساتھ وہاں بھی چلیں گے۔"

رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں کلمہ خیر ارشاد فرمایا اور دعا دی۔

یہ تینوں کمانڈر مہاجرین سے تھے جن کی تعداد لشکر میں کم تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی خواہش تھی کہ انصار کی رائے معلوم کریں کیونکہ وہی لشکر میں اکثریت رکھتے تھے اور معرکے کا اصل بوجھ انہی کے شانوں پر پڑنے والا تھا۔ درآں حالیکہ بیعتِ عقبہ کی رُو سے ان پر لازم نہ تھا کہ مدینے سے باہر نکل کر جنگ کریں اس لیے آپ نے مذکورہ تینوں حضرات کی باتیں سُننے کے بعد پھر فرمایا: "لوگو! مجھے مشورہ دو۔" مقصود انصار تھے اور یہ بات انصار کے کمانڈر اور علمبردار حضرت سعدؓ بن معاذ نے بھانپ لی، چنانچہ انہوں نے عرض کیا کہ بخدا! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اے اللہ کے رسولؐ! آپ کا رُوئے سخن ہماری طرف ہے۔ آپؐ نے فرمایا، ہاں!

انہوں نے کہا: "ہم تو آپؐ پر ایمان لائے ہیں، آپؐ کی تصدیق کی ہے اور یہ گواہی دی ہے کہ آپؐ جو کچھ لے کر آئے ہیں سب حق ہے اور اس پر ہم نے آپؐ کو اپنی سمع وطاعت کا عہد و میثاق دیا ہے، لہٰذا اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ کا جو ارادہ ہے اس کے لیے پیش قدمی فرمائیے۔ اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اگر آپؐ ہمیں ساتھ لے کر اس سمندر میں کُودنا چاہیں تو ہم اس میں بھی آپؐ کے ساتھ کُود پڑیں گے۔ ہمارا ایک آدمی بھی پیچھے نہ رہے گا۔ ہمیں قطعاً کوئی ہچکچاہٹ نہیں کہ کل آپؐ ہمارے ساتھ دشمن سے ٹکرا جائیں۔

ہم جنگ میں پامرد اور لڑنے میں جوانمرد ہیں اور ممکن ہے اللہ آپ کو ہمارا وہ جوہر دکھلائے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں پس آپ ہمیں ہمراہ لے کر چلیں۔ اللہ برکت دے"۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت سعدؓ بن معاذ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، کہ غالباً آپ کو اندیشہ ہے کہ انصار اپنا یہ فرض سمجھتے ہیں کہ وہ آپ کی مدد محض اپنے دیار میں کریں اس لیے میں انصار کی طرف سے بول رہا ہوں اور ان کی طرف سے جواب دے رہا ہوں عرض ہے کہ آپ جہاں چاہیں تشریف لے چلیں، جس سے چاہیں تعلق استوار کریں اور جس سے چاہیں تعلق کاٹ لیں۔ ہمارے مال میں سے جو چاہیں لے لیں اور جو چاہیں دے دیں۔ اور جو آپ لے لیں گے وہ ہمارے نزدیک اس سے زیادہ پسندیدہ ہوگا جسے آپ چھوڑ دیں گے۔ اور اس معاملے میں آپ کا جو بھی فیصلہ ہوگا ہمارا فیصلہ بہرحال اس کے تابع ہوگا۔ خدا کی قسم اگر آپ پیش قدمی کرتے ہوئے برک غماد تک جائیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ ساتھ چلیں گے اور اگر آپ ہمیں لے کر اس سمندر میں کودنا چاہیں تو ہم اس میں بھی کود جائیں گے۔

حضرت سعدؓ کی یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ آپ پر نشاط طاری ہوگئی۔ آپ نے فرمایا "چلو اور خوشی خوشی چلو۔ اللہ نے مجھ سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا ہے۔ واللہ اس وقت گویا میں قوم کی قتل گاہیں دیکھ رہا ہوں"۔

اسلامی لشکر کا بقیہ سفر

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ ذفران سے آگے بڑھے اور چند پہاڑی موڑ سے گذر کر جنہیں اصافر کہا جاتا ہے دیت نامی ایک آبادی میں اترے اور حنان نامی پہاڑ نما تودے کو دائیں ہاتھ چھوڑ دیا اور اس کے بعد بدر کے قریب نزول فرمایا۔

جاسوسی کا اقدام

یہاں پہنچ کر رسول اللہ ﷺ نے اپنے رفیقِ غار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہمراہ لیا اور خود فراہمیٔ اطلاعات کے لیے نکل پڑے۔ ابھی دور ہی سے مکی لشکر کے کیمپ کا جائزہ لے رہے تھے کہ ایک بوڑھا عرب مل گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے قریش اور محمدؐ و اصحاب محمدؐ کا حال دریافت کیا ــــ دونوں لشکروں کے متعلق پوچھنے کا مقصد یہ تھا کہ آپ کی شخصیت پر پردہ پڑا رہے ــــ لیکن بڈھے نے کہا: "جب تک تم لوگ یہ نہیں بتاؤ گے کہ تمہارا تعلق کس قوم سے ہے میں بھی کچھ نہیں بتاؤں گا"۔ رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا! جب تم ہمیں بتادو گے تو ہم بھی تمہیں بتا دیں گے۔ اس نے کہا: اچھا تو یہ اس کے بدلے ہے؟ آپ نے فرمایا، ہاں! اس نے کہا مجھے معلوم ہُوا ہے کہ محمدؐ اور ان کے ساتھی فلاں روز نکلے ہیں۔ اگر مجھے بتانے والے نے صحیح بتایا ہے تو آج وہ لوگ فلاں جگہ ہوں گے۔ اور ٹھیک اس جگہ کی نشاندہی کی جہاں اس وقت مدینے کا لشکر تھا۔۔۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہُوا ہے قریش فلاں دن نکلے ہیں۔ اگر مجھے خبر دینے والے نے صحیح خبر دی ہے تو وہ آج فلاں جگہ ہوں گے ۔۔۔ اور ٹھیک اس جگہ کا نام لیا جہاں اس وقت "مکے" کا لشکر تھا۔

جب بڈھا اپنی بات کہہ چکا تو بولا: اچھا اب یہ بتاؤ کہ تم دونوں کس سے ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہم لوگ پانی سے ہیں اور یہ کہہ کر واپس چل پڑے۔ بڈھا بکتا رہا "پانی سے ہیں" کیا؟ کیا عراق کے پانی سے ہیں؟

لشکرِ "مکہ" کے بارے میں اہم معلومات کا حصول

اسی روز شام کو آپ نے دشمن کے حالات کا پتا لگانے کے لیے نئے سرے سے ایک جاسوسی دستہ روانہ فرمایا۔ اس کارروائی کے لیے مہاجرین کے تین قائد علی بن ابی طالب، زُبیرؓ بن عوام اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ یہ لوگ سیدھے بدر کے چشمے پر پہنچے۔ وہاں دو غلام مکی لشکر کے لیے پانی بھر رہے تھے۔ انہیں گرفتار کر لیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا۔ اس وقت آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ صحابہ نے ان دونوں سے حالات دریافت کئے۔ انہوں نے کہا، ہم قریش کے سَقّے ہیں، انہوں نے ہمیں پانی بھرنے کے لیے بھیجا ہے قوم کو یہ جواب پسند نہ آیا۔ انہیں توقع تھی کہ یہ دونوں ابوسفیان کے آدمی ہوں گے ۔۔۔ کیونکہ ان کے دلوں میں اب بھی بچی کھچی آرزو رہ گئی تھی کہ قافلے پر غلبہ حاصل ہو ۔۔۔ چنانچہ صحابہؓ نے ان دونوں کی ذرا سخت پٹائی کر دی۔ اور انہوں نے مجبور ہو کر کہہ دیا کہ ہاں ہم ابوسفیان کے آدمی ہیں۔ اس کے بعد مارنے والوں نے ہاتھ روک لیا۔

رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو ناراضی سے فرمایا، جب ان دونوں نے صحیح بات بتائی تو آپ لوگوں نے پٹائی کر دی اور جب جھوٹ کہا تو چھوڑ دیا۔ خدا کی قسم ان دونوں نے صحیح کہا تھا کہ یہ قریش کے آدمی ہیں۔

اس کے بعد آپ نے ان دونوں غلاموں سے فرمایا اچھا! اب مجھے قریش کے متعلق بتاؤ۔
انہوں نے کہا: یہ ٹیلہ جو وادی کے آخری دہانے پر دکھائی دے رہا ہے قریش اسی کے پیچھے ہیں۔
آپؐ نے دریافت فرمایا! لوگ کتنے ہیں؟ انہوں نے کہا بہت ہیں۔ آپ نے پوچھا: تعداد کتنی ہے؟ انہوں نے کہا: ہمیں معلوم نہیں۔ آپؐ نے فرمایا، روزانہ کتنے اُونٹ ذبح کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا: ایک دن نو اور ایک دن دس۔ آپؐ نے فرمایا: تب تو لوگوں کی تعداد نو سو اور ایک ہزار کے درمیان ہے۔ پھر آپؐ نے پوچھا، ان کے اندر معززین قریش میں سے کون کون ہیں؟ انہوں نے کہا، ربیعہ کے دونوں صاحبزادے عُتْبَہ اور شَیْبَہ اور ابوالبختری بن ہشام حکیم بن حزام، نَوْفَلْ بن خُوَیْلِد، حارث بن عامر، طُعَیْمہ بن عَدی، نضر بن حارث، زَمْعَہ بن اسود، ابوجہل بن ہشام، اُمَیّہ بن خلف اور مزید کچھ لوگوں کے نام گنوائے۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: "مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو تمہارے پاس لا کر ڈال دیا ہے"۔

بارانِ رحمت کا نزول

اللہ عزّوجل نے اسی رات ایک بارش نازل فرمائی جو مشرکین پر موسلادھار برسی اور ان کی پیش قدمی میں رکاوٹ بن گئی لیکن مسلمانوں پر پھوار بن کر برسی اور انہیں پاک کر دیا، شیطان کی گندگی (بزدلی) دُور کر دی۔ اور زمین کو ہموار کر دیا۔ اس کی وجہ سے ریت میں سختی آگئی اور قدم ٹکنے کے لائق ہو گئے قیام خوشگوار ہو گیا اور دل مضبوط ہو گئے

اہم فوجی مراکز کی طرف اسلامی لشکر کی سبقت

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے لشکر کو حرکت دی تاکہ مشرکین سے پہلے بدر کے چشمے پر پہنچ جائیں اور اس پر مشرکین کو مُسلّط نہ ہونے دیں چنانچہ عشاء کے وقت آپؐ نے بدر کے قریب ترین چشمے پر نزول فرمایا۔ اس موقعے پر حضرت حبابؓ بن منذر نے ایک ماہر فوجی کی حیثیت سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کیا اس مقام پر آپ اللہ کے حکم سے نازل ہوئے ہیں کہ ہمارے لیے اس سے آگے پیچھے ہٹنے کی گنجائش نہیں یا آپ نے اسے محض ایک جنگی حکمتِ عملی کے طور پر اختیار فرمایا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: یہ محض جنگی حکمتِ عملی کے طور پر ہے۔ انہوں نے کہا "یہ مناسب جگہ نہیں ہے۔ آپؐ آگے تشریف لے چلیں اور قریش کے سب سے قریب جو چشمہ ہو اس پر پڑاؤ ڈالیں۔ پھر ہم بقیہ چشمے پاٹ دیں گے اور اپنے چشمے پر حوض بنا کر پانی بھر لیں گے، اس کے بعد ہم قریش سے جنگ کریں گے تو ہم پانی پیتے رہیں گے اور

انہیں پانی نہ ملے گا۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم نے بہت ٹھیک مشورہ دیا۔ اس کے بعد آپ لشکر سمیت اُٹھے اور کوئی آدھی رات گئے دشمن کے سب سے قریب ترین چشمہ پر پہنچ کر پڑاؤ ڈال دیا۔" پھر صحابہ کرامؓ نے حوض بنایا اور باقی تمام چشموں کو بند کر دیا۔

مرکزِ قیادت

صحابہ کرامؓ چشمے پر پڑاؤ ڈال چکے تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ تجویز پیش کی کہ کیوں نہ مسلمان آپ کے لیے ایک مرکزِ قیادت تعمیر کر دیں تاکہ خدانخواستہ فتح کے بجائے شکست سے دوچار ہونا پڑ جائے یا کسی اور ہنگامی حالت سے سابقہ پیش آ جائے تو اس کے لیے ہم پہلے ہی سے مستعد رہیں، چنانچہ انہوں نے عرض کیا:

"اے اللہ کے نبیؐ! کیوں نہ ہم آپ کے لیے ایک چھپر تعمیر کر دیں جس میں آپ تشریف رکھیں گے اور ہم آپ کے پاس آپ کی سواریاں بھی مہیا رکھیں گے۔ اس کے بعد اپنے دشمن سے ٹکرلیں گے۔ اگر اللہ نے ہمیں عزت بخشی اور دشمن پر غلبہ عطا فرمایا تو یہ وہ چیز ہوگی جو ہمیں پسند ہے! اور اگر دوسری صورت پیش آگئی تو آپ سوار ہو کر ہماری قوم کے ان لوگوں کے پاس جا رہیں گے جو پیچھے رہ گئے ہیں۔ درحقیقت آپ کے پیچھے اے اللہ کے نبیؐ! ایسے لوگ رہ گئے ہیں کہ ہم آپ کی محبت میں ان سے بڑھ کر نہیں۔ اگر انہیں یہ اندازہ ہوتا کہ آپ جنگ سے دوچار رہوں گے تو وہ ہرگز پیچھے نہ رہتے۔ اللہ ان کے ذریعے آپ کی حفاظت فرمائے گا۔ وہ آپ کے خیرخواہ ہوں گے اور آپ کے ہمراہ جہاد کریں گے۔"

اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان کی تعریف فرمائی اور ان کے لیے دعائے خیر کی؛ اور مسلمانوں نے میدان جنگ کے شمال مشرق میں ایک اونچے ٹیلے پر چھپر بنایا جہاں سے پورا میدانِ جنگ دکھائی پڑتا تھا۔ پھر آپ کے اس مرکزِ قیادت کی نگرانی کے لیے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی کمان میں انصاری نوجوانوں کا ایک دستہ منتخب کر دیا گیا۔

لشکر کی ترتیب اور شب گزاری

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے لشکر کی ترتیب فرمائی[1] اور میدانِ جنگ میں تشریف لے گئے۔ وہاں آپ اپنے ہاتھ سے اشارہ فرماتے جا رہے تھے کہ یہ کل فلاں کی قتل گاہ ہے، ان شاء اللہ، اور یہ کل فلاں کی قتل گاہ ہے؛ ان شاء اللہ[2] اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے

---

[1] دیکھئے جامع ترمذی، ابواب الجہاد، باب ما جاء فی الصف والتعبیہ ۱/۲۰۱ [2] مسلم عن انس، مشکوٰۃ ۲/۵۴۳

وہیں ایک درخت کی جڑ کے پاس رات گذاری اور مسلمانوں نے بھی پُر سکون نفس اور تابناک اُفق کے ساتھ رات گذاری۔ ان کے دل اعتماد سے پُر تھے اور انہوں نے راحت و سکون سے اپنا حصہ حاصل کیا۔ انہیں یہ توقع تھی کہ صبح اپنی آنکھوں سے اپنے رب کی بشارتیں دیکھیں گے۔

إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ○ (۱۱:۸)

"جب اللہ تم پر اپنی طرف سے امن و بے خوفی کے طور پر نیند طاری کر رہا تھا اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تاکہ تمہیں اس کے ذریعے پاک کر دے اور تم سے شیطان کی گندگی دُور کر دے اور تمہارے دل مضبوط کر دے اور تمہارے قدم جما دے۔"

یہ رات جمعہ ۱۷ رمضان ۲ھ کی رات تھی اور آپ اس مہینے کی ۸ یا ۱۲ تاریخ کو مدینے سے روانہ ہوئے تھے۔

میدانِ جنگ میں مکّی لشکر کی آمد اور ان کا باہمی اختلاف

دوسری طرف

قریش نے وادی کے دہانے کے باہر اپنے کیمپ میں رات گذاری اور صبح اپنے تمام دستوں سمیت ٹیلے سے اُتر کر بدر کی جانب روانہ ہوئے۔ ایک گروہ رسول اللہ ﷺ کے حوض کی جانب بڑھا۔ آپ نے فرمایا' انہیں چھوڑ دو۔ مگر ان میں سے جس نے بھی پانی پیا وہ اس جنگ میں مارا گیا۔ صرف حکیم بن حزام باقی بچا جو بعد میں مسلمان ہُوا اور بہت اچھا مسلمان ہُوا۔ اس کا دستور تھا کہ جب بہت پختہ قسم کھانی ہوتی تو کہتا لَا وَالَّذِي نَجَّانِي مِنْ يَوْمِ بَدْرٍ۔ "قسم ہے اُس ذات کی جس نے مجھے بدر کے دن سے نجات دی۔"

بہرحال جب قریش مطمئن ہو چکے تو انہوں نے مدنی لشکر کی قوت کا اندازہ لگانے کے لیے عُمیر بن وہب جمحی کو روانہ کیا۔ عمیر نے گھوڑے پر سوار ہو کر لشکر کا چکّر لگایا۔ پھر واپس جا کر بولا: "کچھ کم یا کچھ زیادہ تین سو آدمی ہیں، لیکن ذرا ٹھہرو۔ میں دیکھ لوں ان کی کوئی کمین گاہ یا کمک تو نہیں؟" اس کے بعد وہ وادی میں گھوڑا دوڑاتا ہُوا دُور تک نکل گیا لیکن اُسے کچھ دکھائی نہ پڑا، چنانچہ اُس نے واپس جا کر کہا: "میں نے کچھ پایا تو نہیں لیکن اے قریش کے لوگو! میں نے بلائیں دیکھی ہیں جو موت کو لادے ہوئے ہیں۔ یثرب کے اونٹ اپنے اوپر خالص موت سوار کئے

ہوئے ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن کی ساری حفاظت اور ملجا وماویٰ خود ان کی تلواریں ہیں۔ کوئی اور چیز نہیں۔ خدا کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ ان کا کوئی آدمی تمہارے آدمی کو قتل کیے بغیر قتل نہ ہوگا، اور اگر تمہارے خاص خاص افراد کو انہوں نے مار لیا تو اس کے بعد جینے کا مزہ ہی کیا ہے! اس لیے ذرا اچھی طرح سوچ سمجھ لو۔"

اس موقعے پر ابوجہل کے خلاف۔ جو معرکہ آرائی پر تلا ہوا تھا۔ ایک اور جھگڑا اُٹھ کھڑا ہوا جس میں مطالبہ کیا گیا کہ جنگ کے بغیر مکہ واپس جائیں۔ چنانچہ حکیم بن حزام نے لوگوں کے درمیان دوڑ دھوپ شروع کر دی۔ وہ عُتبہ بن ربیعہ کے پاس آیا اور بولا: "ابوالولید! آپ قریش کے بڑے آدمی اور واجب الاطاعت سردار ہیں؛ پھر آپ کیوں نہ ایک اچھا کام کر جائیں جس کے سبب آپ کا ذکر ہمیشہ بھلائی سے ہوتا رہے" عُتبہ نے کہا: حکیم وہ کون سا کام ہے؟ اس نے کہا: "آپ، لوگوں کو واپس لے جائیں اور اپنے حلیف عمرو بن حضرمی کا معاملہ —— جو سریہ نخلہ میں مارا گیا تھا —— اپنے ذمے لے لیں۔" عتبہ نے کہا: "مجھے منظور ہے۔ تم میری طرف سے اس کی ضمانت لو۔ وہ میرا حلیف ہے میں اس کی دیت کا بھی ذمے دار ہوں اور اس کا جو مال ضائع ہوا اس کا بھی۔"

اس کے بعد عُتبہ نے حکیم بن حزام سے کہا: "تم حنظلیہ کے پوت کے پاس جاؤ کیونکہ لوگوں کے معاملات کو بگاڑنے اور بھڑکانے کے سلسلے میں مجھے اس کے علاوہ کسی اور سے کوئی اندیشہ نہیں۔" حنظلیہ کے پوت سے مراد ابوجہل ہے۔ حنظلیہ اُس کی ماں تھی۔

اس کے بعد عُتبہ بن ربیعہ نے کھڑے ہو کر تقریر کی اور کہا: "قریش کے لوگو! تم لوگ محمدؐ اور ان کے ساتھیوں سے لڑ کر کوئی کارنامہ انجام نہ دو گے۔ خدا کی قسم اگر تم نے انہیں مار لیا تو صرف ایسے ہی چہرے دکھائی پڑیں گے جنہیں دیکھنا پسند نہ ہو گا، کیونکہ آدمی نے اپنے چچیرے بھائی کو یا خالہ زاد بھائی کو یا اپنے ہی کنبے قبیلے کے کسی آدمی کو قتل کیا ہو گا۔ اس لیے واپس چلے چلو اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور سارے عرب سے کنارہ کش ہو رہو۔ اگر عرب نے انہیں مار لیا تو یہ وہی چیز ہو گی جسے تم چاہتے ہو؛ اور اگر دوسری صورت پیش آئی تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں اس حالت میں پائیں گے کہ تم نے جو سلوک ان سے کرنا چاہا تھا اسے کیا نہ تھا۔"

ادھر حکیم بن حزام ابوجہل کے پاس پہنچا تو ابوجہل اپنی زرہ درست کر رہا تھا۔ حکیم نے کہا کہ اے ابوالحکم! مجھے عتبہ نے تمہارے پاس یہ اور یہ پیغام دے کر بھیجا ہے۔ ابوجہل نے کہا: "خدا

کی قسم محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کو دیکھ کر عُتبہ کا سینہ سُوج آیا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ بخدا ہم واپس نہ ہوں گے یہاں تک کہ اللہ ہمارے اور محمد (ﷺ) کے درمیان فیصلہ فرما دے۔ عتبہ نے جو کچھ کہا ہے محض اسلیے کہا ہے کہ وہ محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کو اونٹ خور سمجھتا ہے اور خود عتبہ کا بیٹا بھی انہیں کے درمیان ہے اس لیے وہ تمہیں ان سے ڈراتا ہے۔"

ـــ عتبہ کے صاحبزادے ابوحذیفہ قدیم الاسلام تھے اور ہجرت کر کے مدینہ تشریف لا چکے تھے۔

ـــ عتبہ کو جب پتا چلا کہ ابوجہل کہتا ہے "خدا کی قسم عتبہ کا سینہ سُوج آیا ہے" تو بولا: "اس سرین پر خوشبو لگا کر بُزدلی کا مظاہرہ کرنے والے کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ کس کا سینہ سُوج آیا ہے، میرا یا اس کا؟" ادھر ابوجہل نے اس خوف سے کہ کہیں یہ معارضہ طاقتور نہ ہو جائے، اس گفتگو کے بعد جھٹ عامر بن حضرمی کو ـــ جو سریہ عبداللہ بن جحش کے مقتول عمرو بن حضرمی کا بھائی تھا ـــ بلا بھیجا اور کہا کہ یہ تمہارا حلیف ـــ عتبہ ـــ چاہتا ہے کہ لوگوں کو واپس لے جائے حالانکہ تم اپنا انتقام اپنی آنکھ سے دیکھ چکے ہو؛ لہٰذا اٹھو! اور اپنی مظلومیت اور اپنے بھائی کے قتل کی دہائی دو۔ اس پر عامر اُٹھا اور سرین سے کپڑا اٹھا کر چیخا۔ واعمراہ واعمراہ ہائے عمرو، ہائے عمرو۔ اس پر قوم گرم ہو گئی۔ ان کا معاملہ سنگین اور ان کا ارادۂ جنگ پختہ ہو گیا اور عتبہ نے جس سُوجھ بُوجھ کی دعوت دی تھی وہ رائیگاں گئی۔ اس طرح ہوش پر جوش غالب آگیا اور یہ معارضہ بھی بے نتیجہ رہا۔

دونوں لشکر آمنے سامنے

بہرحال جب مشرکین کا لشکر نمودار ہوا اور دونوں فوجیں ایک دوسرے کو دکھائی دینے لگیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے اللہ یہ قریش ہیں جو اپنے پورے غرور و تکبر کے ساتھ تیری مخالفت کرتے ہوئے اور تیرے رسولؐ کو جھٹلاتے ہوئے آگئے ہیں۔ اے اللہ تیری مدد۔۔۔ جس کا تُو نے وعدہ کیا ہے۔ اے اللہ آج انہیں اینٹھ کر رکھ دے۔"

نیز رسول اللہ ﷺ نے عُتبہ بن ربیعہ کو اس کے ایک سُرخ اونٹ پر دیکھ کر فرمایا: "اگر قوم میں سے کسی کے پاس خیر ہے تو سُرخ اونٹ والے کے پاس ہے۔ اگر لوگوں نے اس کی بات مان لی تو صحیح راہ پائیں گے۔"

اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کی صفیں درست فرمائیں۔ صف کی درستگی کے

دوران ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ آپؐ کے ہاتھ میں ایک تیر تھا جس کے ذریعے آپ صف سیدھی فرما رہے تھے کہ سواد بن غزیہ کے پیٹ پر، جو صف سے کچھ آگے نکلے ہوئے تھے، تیر کا دباؤ ڈالتے ہوئے فرمایا "سواد! برابر ہو جاؤ۔ سواد نے کہا اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ نے مجھے تکلیف پہنچا دی بدلہ دیجیے۔ آپؐ نے اپنا پیٹ کھول دیا اور فرمایا "بدلہ لے لو۔ سواد آپؐ سے چمٹ گئے اور آپؐ کے پیٹ کا بوسہ لینے لگے۔ آپؐ نے فرمایا: سواد! اس حرکت پر تمہیں کس بات نے آمادہ کیا؟ انہوں نے کہا "اے اللہ کے رسولؐ! جو کچھ درپیش ہے آپؐ دیکھ ہی رہے ہیں۔ میں نے چاہا کہ ایسے موقعے پر آپؐ سے آخری معاملہ یہ ہو کہ میری جلد آپؐ کی جلد سے چھو جائے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے دعا خیر فرمائی۔

پھر جب صفیں درست کی جا چکیں تو آپؐ نے لشکر کو ہدایت فرمائی کہ جب تک اسے آپ کے آخری احکام موصول نہ ہو جائیں جنگ شروع نہ کرے۔ اس کے بعد طریقہ جنگ کے بارے میں ایک خصوصی رہنمائی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جب مشرکین جمگھٹ کر کے تمہارے قریب آجائیں تو ان پر تیر چلانا اور اپنے تیر بچانے کی کوشش کرنا[1] (یعنی پہلے ہی سے فضول تیر اندازی کر کے تیروں کو ضائع نہ کرنا۔) اور جب تک وہ تم پر چھا نہ جائیں تلوار نہ کھینچنا[2] اس کے بعد خاص آپؐ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ چھپر کی طرف واپس گئے اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اپنا نگران دستہ لے کر چھپر کے دروازے پر تعینات ہو گئے۔

دوسری طرف مشرکین کی صورت حال یہ تھی کہ ابوجہل نے اللہ سے فیصلے کی دعا کی۔ اس نے کہا "اے اللہ! ہم میں سے جو فریق قرابت کو زیادہ کاٹنے والا اور غلط حرکتیں زیادہ کرنے والا ہے اُسے تو آج توڑ دے۔ اے اللہ! ہم میں سے جو فریق تیرے نزدیک زیادہ محبوب اور زیادہ پسندیدہ ہے آج اس کی مدد فرما۔" بعد میں اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

إِن تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ ۖ وَإِن تَنتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَإِن تَعُودُوا نَعُدْ ۖ وَلَن تُغْنِيَ عَنكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ○ (۸:۱۹)

"اگر تم فیصلہ چاہتے تو تمہارے پاس فیصلہ آگیا، اور اگر تم باز آجاؤ تو یہی تمہارے لیے

---

[1] صحیح بخاری ۲/۵۶۸ [2] سنن ابی داؤد باب فی سل السیوف عند اللقاء ۲/۱۳

بہتر ہے؛ لیکن اگر تم (اپنی اس حرکت کی طرف) پلٹو گے تو ہم بھی (تمہاری سزا کی طرف) پلٹیں گے اور تمہاری جماعت اگرچہ وہ زیادہ ہی کیوں نہ ہو تمہارے کچھ کام نہ آسکے گی۔ (اور یاد رکھو کہ) اللہ مومنین کے ساتھ ہے۔"

نقطۂ صفر اور معرکے کا پہلا ایندھن

اس معرکے کا پہلا ایندھن اسود بن عبدالاسد مخزومی تھا۔ یہ شخص بڑا اڑیل اور بدخلق تھا۔ یہ کہتے ہوئے میدان میں نکلا کہ میں اللہ سے عہد کرتا ہوں کہ ان کے حوض کا پانی پی کر رہوں گا، ورنہ اسے ڈھا دوں گا یا اس کے لیے جان دے دوں گا۔ جب یہ اُدھر سے نکلا تو اِدھر سے حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب برآمد ہوئے۔ دونوں میں حوض سے پرے ہی مڈبھیڑ ہوئی۔ حضرت حمزہؓ نے ایسی تلوار ماری کہ اس کا پاؤں نصف پنڈلی سے کٹ کر اُڑ گیا اور وہ پیٹھ کے بل گر پڑا۔ اسکے پاؤں سے خون کا فوارہ نکل رہا تھا جس کا رُخ اس کے ساتھیوں کی طرف تھا لیکن اس کے باوجود وہ گھٹنوں کے بل گھسٹ کر حوض کی طرف بڑھا اور اس میں داخل ہُوا ہی چاہتا تھا تاکہ اپنی قسم پوری کرلے کہ اتنے میں حضرت حمزہؓ نے دوسری ضرب لگائی اور وہ حوض کے اندر ہی ڈھیر ہو گیا۔

مُبارزت

یہ اس معرکے کا پہلا قتل تھا اور اس سے جنگ کی آگ بھڑک اُٹھی؛ چنانچہ اس کے بعد قریش کے تین بہترین شہسوار نکلے جو سب کے سب ایک ہی خاندان کے تھے۔ ایک عتبہ اور دوسرا اس کا بھائی شَیْبَہ جو دونوں ربیعہ کے بیٹے تھے اور تیسرا ولید جو عُتبہ کا بیٹا تھا۔ انہوں نے اپنی صف سے الگ ہوتے ہی دعوتِ مُبارزت دی۔ مقابلے کے لیے انصار کے تین جوان نکلے۔ ایک عوفؓ، دوسرے مُعوِّذؓ ــــ یہ دونوں حارث کے بیٹے تھے اور ان کی ماں کا نام عفراء تھا ــــ تیسرے عبداللہؓ بن رَواحہ۔ قریشیوں نے کہا، تم کون لوگ ہو؟ انھوں نے کہا، انصار کی ایک جماعت ہیں۔ قریشیوں نے کہا، آپ لوگ شریف مدِمقابل ہیں لیکن ہمیں آپ سے سروکار نہیں۔ ہم تو اپنے چچیرے بھائیوں کو چاہتے ہیں۔ پھر ان کے منادی نے آواز لگائی: محمد..... ! ہمارے پاس ہماری قوم کے ہمسروں کو بھیجو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عبیدہؓ بن حارث! اٹھو۔ حمزہؓ! اٹھئے۔ علیؓ! اٹھو۔ جب یہ لوگ اُٹھے اور قریشیوں کے قریب پہنچے تو انہوں نے پوچھا، آپ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے اپنا تعارف کرایا۔ قریشیوں

نے کہا، ہاں آپ لوگ شریف مدِمقابل ہیں۔ اس کے بعد معرکہ آرائی ہوئی۔ حضرت عبیدہؓ نے۔ جو سب سے معمر تھے۔ عتبہ بن ربیعہ سے مقابلہ کیا۔ حضرت حمزہؓ نے شیبہ سے اور حضرت علیؓ نے ولید سے۔ؔ حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے تو اپنے اپنے مقابل کو جھٹ مار لیا لیکن حضرت عبیدہؓ اور ان کے مدمقابل کے درمیان ایک ایک وار کا تبادلہ ہوا اور دونوں میں سے ہر ایک نے دوسرے کو گہرا زخم لگایا۔ اتنے میں حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ اپنے اپنے شکار سے فارغ ہو کر آگئے، آتے ہی عتبہ پر ٹوٹ پڑے، اس کا کام تمام کیا اور حضرت عبیدہ کو اٹھا لائے۔ ان کا پاؤں کٹ گیا تھا اور آواز بند ہو گئی تھی جو مسلسل بند ہی رہی یہاں تک کہ جنگ کے چوتھے یا پانچویں دن جب مسلمان مدینہ واپس ہوتے ہوئے وادی صفراء سے گذر رہے تھے ان کا انتقال ہو گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اللہ کی قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے کہ یہ آیت ہمارے ہی بارے میں نازل ہوئی۔

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ (۱۹،۲۲)

"یہ دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کیا ہے"

عام ہجوم

اس مبارزت کا انجام مشرکین کے لیے ایک برا آغاز تھا۔ وہ ایک ہی جست میں اپنے تین بہترین شہ سواروں اور کمانڈروں سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے اسلیئے انہوں نے غیظ و غضب سے بے قابو ہو کر ایک آدمی کی طرح یکبارگی حملہ کر دیا۔

دوسری طرف مسلمان اپنے رب سے نصرت اور مدد کی دعا کرنے اور اس کے حضور اخلاص و تضرع اپنانے کے بعد اپنی اپنی جگہوں پر جمے اور دفاعی موقف اختیار کیے مشرکین کے تابڑ توڑ حملوں کو روک رہے تھے اور انہیں خاصا نقصان پہنچا رہے تھے۔ زبان پر اَحد اَحد کا کلمہ تھا۔

رسول اللہ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کی دُعا

ادھر رسول اللہ ﷺ صفیں درست کر کے واپس آتے ہی اپنے پاک پروردگار سے نصرت و مدد کا وعدہ پورا کرنے کی دعا مانگنے لگے۔ آپؐ کی دعا یہ تھی:

اَللّٰهُمَّ اَنْجِزْ لِيْ مَا وَعَدْتَنِيْ، اَللّٰهُمَّ اَنْشُدُكَ عَهْدَكَ وَوَعْدَكَ۔

"اے اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا فرما دے۔ اے اللہ! میں تجھ

ؔ ابن ہشام۔ مسند احمد اور ابوداؤد کی روایت اس سے مختلف ہے۔ مشکوٰۃ ۲/۳۴۳

سے تیرا عہد اور تیرے وعدے کا سوال کر رہا ہوں۔"

پھر جب گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی، نہایت زور کا رن پڑا اور لڑائی شباب پر آ گئی تو آپؐ نے یہ دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ اِنْ تَھْلِکْ ھٰذِہِ الْعِصَابَۃُ الْیَوْمَ لَا تُعْبَدْ ، اَللّٰھُمَّ اِنْ شِئْتَ لَمْ تُعْبَدْ بَعْدَ الْیَوْمِ اَبَدًا۔

"اے اللہ! اگر آج یہ گروہ ہلاک ہو گیا تو تیری عبادت نہ کی جائے گی۔ اے اللہ! اگر تو چاہے تو آج کے بعد تیری عبادت کبھی نہ کی جائے۔"

آپؐ نے خوب تضرع کے ساتھ دعا کی یہاں تک کہ دونوں کندھوں سے چادر گر گئی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چادر درست کی اور عرض پرداز ہوئے: "اے اللہ کے رسولؐ! بس فرمایئے! آپؐ نے اپنے رب سے بڑے الحاح کے ساتھ دعا فرمائی۔" ادھر اللہ نے فرشتوں کو وحی کی کہ:

.. اَنِّیْ مَعَکُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ.. (۱۲:۸)

"میں تمہارے ساتھ ہوں، تم اہلِ ایمان کے قدم جماؤ، میں کافروں کے دل میں رُعب ڈال دوں گا۔"

اور رسول اللہ ﷺ کے پاس وحی بھیجی کہ:

.. اَنِّیْ مُمِدُّکُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ مُرْدِفِیْنَ ○ (۹:۸)

"میں ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا جو آگے پیچھے آئیں گے۔"

فرشتوں کا نزول

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو ایک جھپکی آئی۔ پھر آپؐ نے سر اٹھایا اور فرمایا: "ابوبکر خوش ہو جاؤ، یہ جبریلؑ ہیں، گرد و غبار میں اَٹے ہوئے۔" ابنِ اسحاق کی روایت میں یہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "ابوبکر خوش ہو جاؤ، تمہارے پاس اللہ کی مدد آ گئی۔ یہ جبریل علیہ السلام ہیں اپنے گھوڑے کی لگام تھامے اور اس کے آگے آگے چلتے ہوئے آ رہے ہیں اور گرد و غبار میں اَٹے ہوئے ہیں۔"

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ چھپر کے دروازے سے باہر تشریف لائے۔ آپؐ نے زرہ پہن رکھی تھی۔ آپؐ پُرجوش طور پر آگے بڑھ رہے تھے اور فرماتے جا رہے تھے:

سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ○ (۴۵:۵۴)

"عنقریب یہ جتھہ شکست کھا جائے گا اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گا۔"

اس کے بعد آپؐ نے ایک مٹھی کنکریلی مٹی لی اور قریش کی طرف رُخ کر کے فرمایا: شَاھَتِ الْوُجُوْہُ۔ چہرے بگڑ جائیں۔ اور ساتھ ہی مٹی ان کے چہروں کی طرف پھینک دی۔ پھر مشرکین میں سے کوئی بھی نہیں تھا جس کی دونوں آنکھوں، نتھنے اور منہ میں اس ایک مٹھی مٹی میں سے کچھ نہ کچھ گیا نہ ہو۔ اسی کی بابت اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ (۸: ۱۷)

"جب آپؐ نے پھینکا تو درحقیقت آپؐ نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا۔"

جوابی حملہ

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جوابی حملے کا حکم اور جنگ کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: "شُدُّوا۔ چڑھ دوڑو۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے ان سے جو آدمی بھی ڈٹ کر، ثواب سمجھ کر، آگے بڑھ کر اور پیچھے نہ ہٹ کر لڑے گا اور مارا جائے گا اللہ اسے ضرور جنت میں داخل کرے گا۔"

آپؐ نے قتال پر ابھارتے ہوئے یہ بھی فرمایا' اس جنت کی طرف اٹھو جس کی پہنائیاں آسمانوں اور زمین کے برابر ہیں۔ (آپؐ کی یہ بات سن کر) عُمَیر بن حمام نے کہا' بہت خوب بہت خوب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم بہت خوب، بہت خوب، کیوں کہہ رہے ہو؟ انہوں نے کہا، نہیں، خدا کی قسم اے اللہ کے رسولؐ! کوئی بات نہیں سوائے اس کے کہ مجھے توقع ہے کہ میں بھی اسی جنت والوں میں سے ہوں گا۔ آپؐ نے فرمایا تم بھی اسی جنت والوں میں سے ہو۔ اس کے بعد وہ اپنے توشہ دان سے کچھ کھجوریں نکال کر کھانے لگے۔ پھر بولے، اگر میں اتنی دیر تک زندہ رہا کہ اپنی یہ کھجوریں کھا لوں تو یہ تو لمبی زندگی ہو جائے گی چنانچہ ان کے پاس جو کھجوریں تھیں انہیں پھینک دیا۔ پھر مشرکین سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔[1]

اسی طرح مشہور خاتون عفراء کے صاحبزادے عوف بن حارث نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! پروردگار اپنے بندے کی کس بات سے (خوش ہو کر) مسکراتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: "اس بات سے کہ بندہ خالی جسم (بغیر حفاظتی ہتھیار پہنے) اپنا ہاتھ دشمن کے اندر ڈبو دے"۔ یہ سُن کر عوف نے اپنے بدن سے زرہ اتار پھینکی اور تلوار لے کر دشمن پر ٹوٹ پڑے اور لڑتے

---

[1] مسلم ۲/ ۱۳۹ مشکوۃ ۲/ ۳۳۱

لڑتے شہید ہو گئے۔

جس وقت رسول اللہ ﷺ نے جوابی حملے کا حکم صادر فرمایا، دشمن کے حملوں کی تیزی جا چکی تھی اور ان کا جوش و خروش سرد پڑ رہا تھا۔ اس لیے یہ باحکمت منصوبہ مسلمانوں کی پوزیشن مضبوط کرنے میں بہت مؤثر ثابت ہوا، کیونکہ صحابہؓ کرام کو جب حملہ آور ہونے کا حکم ملا اور ابھی ان کا جوشِ جہاد شباب پر تھا۔ تو انہوں نے نہایت سخت تند اور صفایا کن حملہ کیا۔ وہ صفوں کی صفیں درہم برہم کرتے اور گردنیں کاٹتے آگے بڑھے۔ ان کے جوش و خروش میں یہ دیکھ کر مزید تیزی آگئی کہ رسول اللہ ﷺ بہ نفسِ نفیس زرہ پہنے تیز تیز چلتے تشریف لا رہے ہیں اور پورے یقین و صراحت کے ساتھ فرما رہے ہیں کہ "عنقریب یہ جتھہ شکست کھا جائے گا، اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گا۔" اس لیے مسلمانوں نے نہایت پُرجوش و پُرخروش لڑائی لڑی اور فرشتوں نے بھی ان کی مدد فرمائی۔ چنانچہ ابنِ سعد کی روایت میں حضرت عکرمہؓ سے مروی ہے کہ اس دن آدمی کا سر کٹ کر گرتا اور یہ پتا نہ چلتا کہ اسے کس نے مارا اور آدمی کا ہاتھ کٹ کر گرتا اور یہ پتا نہ چلتا کہ اسے کس نے کاٹا۔ ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان ایک مشرک کا تعاقب کر رہا تھا کہ اچانک اس مشرک کے اوپر کوڑے کی مار پڑنے کی آواز آئی اور ایک شہسوار کی آواز سنائی پڑی جو کہہ رہا تھا کہ حیزوم! آگے بڑھ۔ مسلمان نے مشرک کو اپنے آگے دیکھا کہ وہ چت گرا، لپک کر دیکھا تو اس کی ناک پر چوٹ کا نشان تھا، چہرہ پھٹا ہوا تھا جیسے کوڑے سے مارا گیا ہو اور یہ سب کا سب ہرا پڑ گیا تھا۔ اس انصاری مسلمان نے آکر رسول اللہ ﷺ سے یہ ماجرا بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا: "تم سچ کہتے ہو، یہ تیسرے آسمان کی مدد تھی۔"[۱]

ابوداؤد مازنی کہتے ہیں کہ میں ایک مشرک کو مارنے کے لیے دوڑ رہا تھا کہ اچانک اس کا سر میری تلوار پہنچنے سے پہلے ہی کٹ کر گر گیا۔ میں سمجھ گیا کہ اسے میرے بجائے کسی اور نے قتل کیا ہے۔

ایک انصاری حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کو قید کر کے لایا تو حضرت عباسؓ کہنے لگے "واللہ! مجھے اس نے قید نہیں کیا ہے، مجھے تو ایک بے بال کے سر والے آدمی نے قید کیا ہے جو نہایت خوبرو تھا اور ایک چتکبرے گھوڑے پر سوار تھا۔ اب میں اسے لوگوں میں دیکھ نہیں رہا ہوں۔" انصاری

---

[۱] مسلم ۲/۹۳ وغیرہ

نے کہا "اے اللہ کے رسولؐ! انہیں میں نے قید کیا ہے"۔ آپؐ نے فرمایا، خاموش رہو۔ اللہ نے ایک بزرگ فرشتے سے تمہاری مدد فرمائی ہے۔

میدان سے ابلیس کا فرار

جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں ابلیس لعین، سراقہ بن مالک بن جعشم مدلجی کی شکل میں آیا تھا اور مشرکین سے اب تک جدا نہیں ہوا تھا، لیکن جب اس نے مشرکین کے خلاف فرشتوں کی کارروائیاں دیکھیں تو اُلٹے پاؤں پلٹ کر بھاگنے لگا، مگر حارث بن ہشام نے اسے پکڑ لیا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ یہ واقعی سراقہ ہی ہے، لیکن ابلیس نے حارث کے سینے پر ایسا گھونسا مارا کہ وہ گر گیا اور ابلیس نکل بھاگا۔ مشرکین کہنے لگے، سراقہ کہاں جا رہے ہو؟ کیا تم نے یہ نہیں کہا تھا کہ تم ہمارے مددگار رہو، ہم سے جدا نہ ہو گے؟ اس نے کہا، میں وہ چیز دیکھ رہا ہوں جسے تم نہیں دیکھتے۔ مجھے اللہ سے ڈر لگتا ہے۔ اور اللہ بڑی سخت سزا والا ہے۔ اس کے بعد بھاگ کر سمندر میں جا رہا۔

شکستِ فاش

تھوڑی دیر بعد مشرکین کے لشکر میں ناکامی اور اضطراب کے آثار نمودار ہو گئے۔ ان کی صفیں مسلمانوں کے سخت اور تابڑ توڑ حملوں سے درہم برہم ہونے لگیں اور معرکہ اپنے انجام کے قریب جا پہنچا۔ پھر مشرکین کے جتھے بے ترتیبی کے ساتھ پیچھے ہٹے اور ان میں بھگدڑ مچ گئی۔ مسلمانوں نے مارتے کاٹتے اور پکڑتے باندھتے ان کا پیچھا کیا، یہاں تک کہ ان کو بھرپور شکست ہو گئی۔

ابوجہل کی اکڑ

لیکن طاغوتِ اکبر ابوجہل نے جب اپنی صفوں میں اضطراب کی ابتدائی علامتیں دیکھیں تو چاہا کہ اس سیلاب کے سامنے ڈٹ جائے۔ چنانچہ وہ اپنے لشکر کو للکارتا ہوا اکڑ اور تکبّر کے ساتھ کہتا جا رہا تھا کہ سراقہ کی کنارہ کشی سے تمہیں پست ہمت نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ اس نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ پہلے سے ساز باز کر رکھی تھی۔ تم پر عتبہ، شیبہ اور ولید کے قتل کا ہول بھی سوار نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ ان لوگوں نے جلد بازی سے کام لیا تھا۔ لات و عزّیٰ کی قسم! ہم واپس نہ ہوں گے یہاں تک کہ انہیں رسیوں میں جکڑ لیں۔ دیکھو! تمہارا کوئی آدمی ان کے کسی آدمی کو قتل نہ کرے بلکہ انہیں پکڑو اور گرفتار کرو تاکہ ہم ان کی بُری حرکت کا انہیں مزہ چکھائیں۔

لیکن اسے اس غرور کی حقیقت کا بہت جلد پتا لگ گیا۔ کیونکہ چند ہی لمحے بعد مسلمانوں کے

جوابی حملے کی تُندی کے سامنے مشرکین کی صفیں پھٹنا شروع ہوگئیں؛ البتہ ابوجہل اب بھی اپنے گرد مشرکین کا ایک غول لیے جما ہُوا تھا۔ اس غول نے ابوجہل کے چاروں طرف تلواروں کی باڑھ اور نیزوں کا جنگل قائم کر رکھا تھا؛ لیکن اسلامی ہجوم کی آندھی نے اس باڑھ کو بھی بکھیر دیا اور اس جنگل کو بھی اکھیڑ دیا۔ اس کے بعد یہ طاغوتِ اکبر دکھائی پڑا۔ مسلمانوں نے دیکھا کہ وہ ایک گھوڑے پر چکر کاٹ رہا ہے۔ ادھر اس کی موت دو انصاری جوانوں کے ہاتھوں اس کا خون چوسنے کی منتظر تھی۔

ابوجہل کا قتل

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں جنگ بدر کے روز صف کے اندر تھا کہ اچانک مُڑا تو کیا دیکھتا ہوں کہ دائیں بائیں دو نوعمر جوان ہیں۔ گویا ان کی موجودگی سے میں حیران ہوگیا کہ اتنے میں ایک نے اپنے ساتھی سے چھپا کر مجھ سے کہا: "چچا جان! مجھے ابوجہل کو دکھلا دیجئے۔" میں نے کہا بھتیجے تم اسے کیا کرو گے؟ اُس نے کہا: "مجھے بتایا گیا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو گالی دیتا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر میں نے اس کو دیکھ لیا تو میرا وجود اس کے وجود سے الگ نہ ہوگا یہاں تک کہ ہم میں جس کی موت پہلے لکھی ہے وہ مر جائے۔" وہ کہتے ہیں کہ مجھے اس پر تعجب ہُوا۔ اتنے میں دوسرے شخص نے مجھے اشارے سے متوجہ کر کے یہی بات کہی۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے چند ہی لمحوں بعد دیکھا کہ ابوجہل لوگوں کے درمیان چکر کاٹ رہا ہے۔ میں نے کہا: "ارے دیکھتے نہیں! یہ رہا تم دونوں کا شکار جس کے بارے میں تم پوچھ رہے تھے۔" ان کا بیان ہے کہ یہ سُنتے ہی وہ دونوں اپنی تلواریں لیے جھپٹ پڑے اور اسے مار کر قتل کر دیا۔ پھر پلٹ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ آپؐ نے فرمایا: تم میں سے کس نے قتل کیا ہے؟ دونوں نے کہا: میں نے قتل کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا، اپنی اپنی تلواریں پُونچھ چکے ہو؟ بولے نہیں۔ آپؐ نے دونوں کی تلواریں دیکھیں اور فرمایا: تم دونوں نے قتل کیا ہے۔ البتہ ابوجہل کا سامان معاذ بن عَمرو بن جَموح کو دیا۔ دونوں حملہ آوروں کا نام معاذ بن عمرو بن جموح اور معاذ بن عَفرا ہے۔[۵]

---

[۵] صحیح بخاری ۱/۴۴۴، ۲/۵۶۸ مشکوٰۃ ۲/۳۵۲۔ بعض دوسری روایات میں دوسرا نام معوّذ بن عَفرا بتایا گیا ہے۔ (ابن ہشام ۱/۶۳۵) نیز ابوجہل کا سامان صرف ایک ہی آدمی کو اس لیے دیا گیا کہ بعد میں حضرت معاذ (معوذؓ) بن عفراء اسی جنگ میں شہید ہوگئے تھے۔ البتہ ابوجہل کی تلوار حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو دی گئی کیونکہ انہی نے اس (ابوجہل) کا سرتن سے جدا کیا تھا۔ (دیکھئے سنن ابی داود باب من اجاز علی جریح الخ ۲/۳۷۳)

ابنِ اسحاق کا بیان ہے کہ معاذ بن عمرو بن جموح نے بتلایا کہ میں نے مشرکین کو سنا وہ ابوجہل کے بارے میں جو گھنے درختوں جیسی ــــ نیزوں اور تلواروں کی ــــ باڑھ میں تھا کہہ رہے تھے ابوالحکم تک کسی کی رسائی نہ ہو۔ معاذؓ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ جب میں نے یہ بات سنی تو اسے اپنے نشانے پر لے لیا اور اس کی سمت جما رہا۔ جب گنجائش ملی تو میں نے حملہ کر دیا اور ایسی ضرب لگائی کہ اس کا پاؤں نصف پنڈلی سے اُڑ گیا۔ واللہ جس وقت یہ پاؤں اُڑا ہے تو میں اس کی تشبیہ صرف اس گٹھلی سے دے سکتا ہوں جو موسل کی مار پڑنے پر جھٹک کر اُڑ جائے۔ ان کا بیان ہے کہ ادھر میں نے ابوجہل کو مارا اور ادھر اس کے بیٹے عکرمہ نے میرے کندھے پر تلوار چلائی جس سے میرا ہاتھ کٹ کر میرے بازو کے چمڑے سے لٹک گیا اور لڑائی میں مخل ہونے لگا۔ میں اسے اپنے ساتھ گھسیٹتے ہوئے سارا دن لڑا، لیکن جب وہ مجھے اذیت پہنچانے لگا تو میں نے اس پر اپنا پاؤں رکھا اور اُسے زور سے کھینچ کر الگ کر دیا۔[۹] اس کے بعد ابوجہل کے پاس معوذؓ بن عفراء پہنچے۔ وہ زخمی تھا۔ انہوں نے اُسے ایسی ضرب لگائی کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا صرف سانس آتی جاتی رہی۔ اس کے بعد مُعوّذؓ بن عفراء خود بھی لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

جب معرکہ ختم ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کون ہے جو دیکھے کہ ابوجہل کا انجام کیا ہُوا؟" اس پر صحابۂ کرامؓ اس کی تلاش میں بکھر گئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے اس حالت میں پایا کہ ابھی سانس آجا رہی تھی۔ انہوں نے اس کی گردن پر پاؤں رکھا اور سر کاٹنے کے لیے داڑھی پکڑی اور فرمایا، او اللہ کے دشمن! آخر اللہ نے تجھے رُسوا کیا نا؟ اس نے کہا: "مجھے کاہے کو رسوا کیا؟ کیا جس شخص کو تم لوگوں نے قتل کیا ہے اس سے بھی بلند پایہ کوئی آدمی ہے؟" "یا جس کو تم لوگوں نے قتل کیا اس سے بھی اوپر کوئی آدمی ہے؟" پھر بولا: "کاش! مجھے کسانوں کے بجائے کسی اور نے قتل کیا ہوتا۔" اس کے بعد کہنے لگا: "مجھے بتاؤ آج فتح کس کی ہوئی؟" حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا، اللہ اور اس کے رسولؐ کی۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود سے ــــ جو اس کی گردن پر پاؤں رکھ چکے تھے ــــ کہنے لگا: او بکری کے چرواہے! تو بڑی اونچی اور مشکل جگہ پر چڑھ گیا۔ ــــ واضح رہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مکّے میں بکریاں چرایا کرتے تھے۔

اس گفتگو کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا سر کاٹ لیا اور رسول اللہ

---

۹ حضرت معاذؓ بن عمرو بن جموح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت تک زندہ رہے۔

ﷺ کی خدمت میں لا کر حاضر کرتے ہوئے عرض کیا: "یا رسول اللہ! یہ رہا اللہ کے دشمن ابوجہل کا سر۔ آپؐ نے تین بار فرمایا: "واقعی۔ اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں"۔ اس کے بعد فرمایا:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ صَدَقَ وَعْدَہٗ وَنَصَرَ عَبْدَہٗ وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ۔

"اللہ اکبر، تمام حمد اللہ کیلئے ہے جس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد فرمائی، اور تنہا سارے گروہوں کو شکست دی۔"

پھر فرمایا، چلو مجھے اس کی لاش دکھاؤ۔ ہم نے آپؐ کو لے جا کر لاش دکھائی۔ آپؐ نے فرمایا، یہ اس امّت کا فرعون ہے۔

ایمان کے تابناک نقوش

حضرت عُمیرؓ بن الحمام اور حضرت عوف بن حارث ابن عفرا، کے ایمان افروز کارناموں کا ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس معرکے میں قدم قدم پر ایسے مناظر پیش آئے جن میں عقیدے کی قوت اور اصول کی پختگی نمایاں اور جلوہ گر تھی۔ اس معرکے میں باپ اور بیٹے میں بھائی اور بھائی میں صف آرائی ہوئی۔ اصولوں کے اختلاف پر تلواریں بے نیام ہوئیں اور مظلوم و مقہور نے ظالم و قاہر سے ٹکرا کر اپنے غصے کی آگ بجھائی۔

۱۔ ابنِ اسحاق نے ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: "مجھے معلوم ہے کہ بنو ہاشم وغیرہ کے کچھ لوگ زبردستی میدانِ جنگ میں لائے گئے ہیں۔ انھیں ہماری جنگ سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ لہٰذا بنو ہاشم کا کوئی آدمی کسی کی زد میں آجائے تو وہ اسے قتل نہ کرے۔ اور ابوالبختری بن ہشام کسی کی زد میں آجائے تو وہ اُسے قتل نہ کرے۔ اور عباسؓ بن عبدالمطلب کسی کی زد میں آجائیں تو وہ بھی انہیں قتل نہ کرے کیونکہ وہ بالجبر لائے گئے ہیں"۔ اس پر عُتبہ کے صاحبزادے حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا ہم اپنے باپ بیٹوں، بھائیوں اور کنبے قبیلے کے لوگوں کو قتل کریں گے اور عباس کو چھوڑ دیں گے خدا کی قسم! اگر اس سے میری مڈبھیڑ ہوگئی تو میں تو اسے تلوار کی لگام پہنا دوں گا"۔ یہ خبر رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو آپؐ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے فرمایا، کیا رسول اللہ ﷺ کے چچا کے چہرے پر تلوار ماری جائے گی؟ حضرت عمر رضی اللہ نے کہا: "یا رسول اللہ! مجھے چھوڑیئے میں تلوار سے اس

شخص کی گردن اُڑا دوں کیونکہ بخدا یہ شخص منافق ہو گیا ہے۔"

بعد میں ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے' اس دن میں نے جو بات کہہ دی تھی اس کی وجہ سے میں مطمئن نہیں ہوں۔ برابر خوف لگا رہتا ہے۔ صرف یہی صورت ہے کہ میری شہادت اس کا کفارہ بن جائے۔ اور بالآخر وہ یمامہ کی جنگ میں شہید ہو ہی گئے۔

۲۔ ابو البختری کو قتل کرنے سے اس لیے منع کیا گیا تھا کہ مکے میں یہ شخص سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی ایذا رسانی سے اپنا ہاتھ روکے ہوئے تھا۔ آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچاتا تھا اور نہ اس کی طرف سے کوئی ناگوار بات سننے میں آتی تھی، اور یہ ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کے بائیکاٹ کا صحیفہ چاک کیا تھا۔

لیکن ان سب کے باوجود ابو البختری قتل کر دیا گیا۔ ہوا یہ کہ حضرت مجذرؓ بن زیاد بلوی سے اس کی مڈبھیڑ ہو گئی۔ اس کے ساتھ اس کا ایک اور ساتھی بھی تھا۔ دونوں ساتھ ساتھ لڑ رہے تھے۔ حضرت مجذرؓ نے کہا: "ابو البختری! رسول اللہ ﷺ نے ہمیں آپ کو قتل کرنے سے منع کیا ہے۔" اس نے کہا، اور میرا ساتھی؟ حضرت مجذرؓ نے کہا: نہیں، بخدا ہم آپ کے ساتھی کو نہیں چھوڑ سکتے۔ اس نے کہا" خدا کی قسم تب میں اور وہ دونوں مریں گے۔ اس کے بعد دونوں نے لڑائی شروع کر دی۔ مجذرؓ نے مجبوراً اسے بھی قتل کر دیا۔

۳۔ مکے کے اندر جاہلیت کے زمانے سے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور اُمیّہ بن خلف میں باہم دوستی تھی۔ جنگِ بدر کے روز امیہ اپنے لڑکے علی کا ہاتھ پکڑے کھڑا تھا کہ اتنے میں ادھر سے حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف کا گذر ہوا۔ وہ دشمن سے کچھ زرہیں چھین کر لادے لیے جا رہے تھے۔ اُمیّہ نے انہیں دیکھ کر کہا" کیا تمہیں میری ضرورت ہے؟ میں تمہاری ان زرہوں سے بہتر ہوں۔ آج جیسا منظر تو میں نے دیکھا ہی نہیں۔ کیا تمہیں دودھ کی حاجت نہیں؟" ——— مطلب یہ تھا کہ جو مجھے قید کرے گا میں اُسے فدیے میں خوب دودھیل اونٹنیاں دوں گا ——— یہ سن کر عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے زرہیں پھینک دیں اور دونوں کو گرفتار کر کے آگے بڑھے۔

حضرت عبد الرحمٰنؓ کہتے ہیں کہ میں اُمیّہ اور اس کے بیٹے کے درمیان چل رہا تھا کہ اُمیّہ نے پوچھا" آپ لوگوں میں وہ کونسا آدمی تھا جو اپنے سینے پر شتر مرغ کا پَر لگائے ہوئے تھا؟ میں نے کہا: وہ حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب تھے۔ اُمیّہ نے کہا" یہی شخص ہے جس نے ہمارے اندر تباہی

مچا رکھی تھی۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ کہتے ہیں کہ واللہ میں ان دونوں کو لیے جا رہا تھا کہ اچانک حضرت بلالؓ نے امیہ کو میرے ساتھ دیکھ لیا ـــــ یاد رہے کہ امیہ حضرت بلالؓ کو مکے میں ستایا کرتا تھا ـــــ حضرت بلالؓ نے کہا، او ہو الکفار کا سرغنہ، اُمیّہ بن خلف! اب یا تو میں بچوں گا یا یہ بچے گا۔ میں نے کہا، اے بلالؓ! یہ میرا قیدی ہے۔ انہوں نے کہا، اب یا تو میں رہوں گا یا یہ رہے گا۔ پھر نہایت بلند آواز سے پکارا: "اے اللہ کے انصارو! یہ رہا کفار کا سرغنہ اُمیّہ بن خلف، اب یا تو میں رہوں گا یا یہ رہے گا۔" حضرت عبدالرحمٰنؓ کہتے ہیں کہ اتنے میں لوگوں نے ہمیں کنگن کی طرح گھیرے میں لے لیا۔ میں ان کا بچاؤ کر رہا تھا مگر ایک آدمی نے تلوار سونت کر اس کے بیٹے کے پاؤں پر ضرب لگائی اور وہ تیورا کر گر گیا۔ اُدھر اُمیّہ نے اتنے زور کی چیخ ماری کہ میں نے ویسی چیخ کبھی سُنی ہی نہ تھی۔ میں نے کہا نکل بھاگو۔ مگر آج بھاگنے کی گنجائش نہیں، خدا کی قسم! میں تمہارے کچھ کام نہیں آسکتا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ کا بیان ہے کہ لوگوں نے اپنی تلواروں سے ان دونوں کو کاٹ کر ان کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ کہا کرتے تھے: "اللہ بلالؓ پر رحم کرے میری زِرہیں بھی گئیں اور میرے قیدی کے بارے میں مجھے تڑپا بھی دیا۔"

زاد المعاد میں علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے اُمیّہ بن خلف سے کہا کہ گھٹنوں کے بل بیٹھ جاؤ۔ وہ بیٹھ گیا اور حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اپنے آپ کو اس کے اوپر ڈال لیا۔ لیکن لوگوں نے نیچے سے تلوار مار کر اُمیّہ کو قتل کر دیا۔ بعض تلواروں سے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کا پاؤں بھی زخمی ہو گیا۔[۱]

۴۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو قتل کیا۔

۵۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو ـــــ جو اس وقت مشرکین کے ہمراہ تھے ـــــ پکار کر کہا، او خبیث! میرا مال کہاں ہے؟ عبدالرحمٰن نے کہا:

لم یبق غیر شکۃ ویعبوب　　وصارم یقتل ضلال الشیب

ہتھیار، تیز رو گھوڑے اور اس تلوار کے سوا کچھ باقی نہیں جو بڑھاپے کی گمراہی کا خاتمہ کرتی ہے۔

۶۔ جس وقت مسلمانوں نے مشرکین کی گرفتاری شروع کی رسول اللہ ﷺ چھپر میں تشریف فرما تھے اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تلوار حائل کیے دروازے پر پہرہ دے رہے تھے۔ رسول اللہ

ﷺ نے دیکھا کہ حضرت سعدؓ کے چہرے پر لوگوں کی اس حرکت کا ناگوار اثر پڑ رہا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: "اے سعد! بخدا، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تم کو مسلمانوں کا یہ کام ناگوار ہے۔" انہوں نے کہا: "جی ہاں! خدا کی قسم اے اللہ کے رسولؐ! یہ اہلِ شرک کے ساتھ پہلا معرکہ ہے جس کا موقع اللہ نے ہمیں فراہم کیا ہے۔ اس لیے اہلِ شرک کو باقی چھوڑنے کے بجائے مجھے یہ بات زیادہ پسند ہے کہ انہیں خوب قتل کیا جائے اور اچھی طرح کچل دیا جائے۔"

۷۔ اس جنگ میں حضرت عکاشہ بن محصن اسدی رضی اللہ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے انہیں لکڑی کا ایک پھٹا تھما دیا اور فرمایا عکاشہ! اسی سے لڑائی کرو۔ عکاشہؓ نے اسے رسول اللہ ﷺ سے لے کر ہلایا تو وہ ایک لمبی، مضبوط اور چم چم کرتی ہوئی سفید تلوار میں تبدیل ہوگیا۔ پھر انہوں نے اسی سے لڑائی کی یہاں تک کہ اللہ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی۔ اس تلوار کا نام عون۔ یعنی مدد۔ رکھا گیا تھا۔ یہ تلوار مستقلاً حضرت عکاشہؓ کے پاس رہی اور وہ اسی کو لڑائیوں میں استعمال کرتے رہے یہاں تک کہ دَورِ صدیقی میں مرتدین کے خلاف جنگ کرتے ہوئے شہید ہوگئے۔ اس وقت بھی یہ تلوار اُن کے پاس ہی تھی۔

۸۔ خاتمۂ جنگ کے بعد حضرت مُصعَب بن عُمیر عبدری رضی اللہ عنہ اپنے بھائی ابوعزیز بن عُمیر عبدری کے پاس سے گذرے۔ ابوعزیز نے مسلمانوں کے خلاف جنگ لڑی تھی اور اس وقت ایک انصاری صحابی اس کا ہاتھ باندھ رہے تھے۔ حضرت مُصعَبؓ نے اس انصاری سے کہا: "اس شخص کے ذریعے اپنے ہاتھ مضبوط کرنا، اس کی ماں بڑی مالدار ہے وہ غالباً تمہیں اچھا فدیہ دے گی۔" اس پر ابوعزیز نے اپنے بھائی مُصعَبؓ سے کہا: کیا میرے بارے میں تمہاری یہی وصیت ہے؟ حضرت مُصعَبؓ نے فرمایا۔ (ہاں!) تمہارے بجائے یہ ـــ انصاری ـــ میرا بھائی ہے۔

۹۔ جب مشرکین کی لاشوں کو کنویں میں ڈالنے کا حکم دیا گیا اور عتبہ بن ربیعہ کو کنویں کی طرف گھسیٹ کر لے جایا جانے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے صاحبزادے حضرت ابوحذیفہؓ کے چہرے پر نظر ڈالی، دیکھا تو غمزدہ تھے، چہرہ بدلا ہوا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: "ابوحذیفہ! غالباً اپنے والد کے سلسلے میں تمہارے دل کے اندر کچھ احساسات ہیں؟" انہوں نے کہا: "نہیں واللہ یا رسول اللہ!

ل زاد المعاد ۲/ ۸۹، صحیح بخاری، کتاب الوکالہ ۱/ ۳۰۸ میں یہ واقعہ بعض مزید جزوی تفصیلات کے ساتھ مروی ہے۔

میرے اندر اپنے باپ کے بارے میں اور ان کے قتل کے بارے میں ذرا بھی لرزش نہیں، البتہ میں اپنے باپ کے متعلق جانتا تھا کہ ان میں سوجھ بوجھ ہے۔ دوراندیشی اور فضل و کمال ہے اس لیے میں آس لگائے بیٹھا تھا کہ یہ خوبیاں انہیں اسلام تک پہنچا دیں گی؛ لیکن اب ان کا انجام دیکھ کر اور اپنی توقع کے خلاف کفر پر ان کا خاتمہ دیکھ کر مجھے افسوس ہے۔" اس پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو حذیفہؓ کے حق میں دعائے خیر فرمائی اور ان سے بھلی بات کہی۔

فریقین کے مقتولین

یہ معرکہ، مشرکین کی شکستِ فاش اور مسلمانوں کی فتحِ مبین پر ختم ہُوا اور اس میں چودہ مسلمان شہید ہوئے۔ چھ مہاجرین میں سے اور آٹھ انصار میں سے؛ لیکن مشرکین کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ ان کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر قید کیے گئے جو عموماً قائد، سردار اور بڑے بڑے سربرآوردہ حضرات تھے۔

خاتمۂ جنگ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مقتولین کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا "تم لوگ اپنے نبی کے لیے کتنا برا کنبہ اور قبیلہ تھے۔ تم نے مجھے جھٹلایا جبکہ اوروں نے میری تصدیق کی۔ تم نے مجھے بے یار و مددگار چھوڑا جبکہ اوروں نے میری تائید کی۔ تم نے مجھے نکالا جبکہ اوروں نے مجھے پناہ دی۔" اس کے بعد آپ نے حکم دیا اور انہیں گھسیٹ کر بدر کے ایک کنویں میں ڈال دیا گیا۔

حضرت ابو طلحہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے حکم سے بدر کے روز قریش کے چوبیس بڑے بڑے سرداروں کی لاشیں بدر کے ایک گندے خبیث کنویں میں پھینک دی گئیں۔ آپؐ کا دستور تھا کہ آپ جب کسی قوم پر فتحیاب ہوتے تو تین دن میدانِ جنگ میں قیام فرماتے۔ چنانچہ جب بدر میں تیسرا دن آیا تو آپؐ کے حسب الحکم آپؐ کی سواری پر کجاوہ کسا گیا۔ اس کے بعد آپؐ پیدل چلے اور پیچھے پیچھے صحابہ کرامؓ بھی چلے یہاں تک کہ آپؐ کنویں کی بار پر کھڑے ہو گئے۔ پھر انہیں ان کا اور ان کے باپ کا نام لے لے کر پکارنا شروع کیا۔ اے فلاں بن فلاں اور اے فلاں بن فلاں! کیا تمہیں یہ بات خوش آتی ہے کہ تم نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کی ہوتی؟ کیونکہ ہم سے ہمارے رب نے جو وعدہ کیا تھا اسے ہم نے برحق پایا تو کیا تم سے تمہارے رب نے جو وعدہ کیا تھا اسے تم نے برحق پایا؟ حضرت عمر رضی اللہ نے عرض کی؛ یا رسولؐ اللہ آپ ایسے جسموں سے کیا باتیں کر رہے ہیں جن میں رُوح ہی نہیں؟ نبی ﷺ

نے فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اسے تم لوگ ان سے زیادہ نہیں سن رہے ہو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ تم لوگ ان سے زیادہ سننے والے نہیں لیکن یہ لوگ جواب نہیں دے سکتے۔ [۱]

مکّے میں شکست کی خبر

مشرکین نے میدان بدر سے غیر منظم شکل میں بھاگتے ہوئے تتر بتر ہو کر گھبراہٹ کے عالم میں مکّے کا رُخ کیا۔ شرم و ندامت کے سبب ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح مکّے میں داخل ہوں۔

ابنِ اسحاق کہتے ہیں کہ سب سے پہلے جو شخص قریش کی شکست کی خبر لے کر مکّے وارد ہوا وہ حَیْسمان بن عبد اللہ خزاعی تھا۔ لوگوں نے اس سے دریافت کیا کہ پیچھے کی کیا خبر ہے؟ اس نے کہا: عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابو الحکم بن ہشام، اُمیّہ بن خلف ـــــ اور مزید کچھ سرداروں کا نام لیتے ہوئے ـــــ یہ سب قتل کر دیئے گئے۔ جب اس نے مقتولین کی فہرست میں اشراف قریش کو گنانا شروع کیا تو صفوان بن اُمیّہ نے جو حطیم میں بیٹھا تھا کہا، خدا کی قسم! اگر یہ ہوش میں ہے تو اس سے میرے متعلق پوچھو۔ لوگوں نے پوچھا صفوان بن امیہ کا کیا ہوا؟ اس نے کہا، وہ تو وہ دیکھو! حطیم میں بیٹھا ہوا ہے۔ بخدا اس کے باپ اور اس کے بھائی کو قتل ہوتے ہوئے میں نے خود دیکھا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے مولیٰ ابو رافعؓ کا بیان ہے کہ میں ان دنوں حضرت عباسؓ کا غلام تھا۔ ہمارے گھر میں اسلام داخل ہو چکا تھا۔ حضرت عباسؓ مسلمان ہو چکے تھے، اُمّ الفضلؓ مسلمان ہو چکی تھیں، میں بھی مسلمان ہو چکا تھا؛ البتہ حضرت عباسؓ نے اپنا اسلام چھپا رکھا تھا۔ ادھر ابولہب جنگ بدر میں حاضر نہ ہوا تھا۔ جب اسے خبر ملی تو اللہ نے اس پر ذلت و روسیاہی طاری کر دی اور ہمیں اپنے اندر قوت و عزت محسوس ہوئی۔ میں کمزور آدمی تھا تیر بنایا کرتا تھا اور زمزم کے حجرے میں بیٹھا تیر کے دستے چھیلتا رہتا تھا۔ واللہ! اس وقت میں حجرے میں بیٹھا اپنے تیر چھیل رہا تھا۔ میرے پاس اُمّ الفضلؓ بیٹھی ہوئی تھیں اور جو خبر آئی تھی اس سے ہم شاداں و فرحاں تھے کہ اتنے میں ابولہب اپنے دونوں پاؤں بُری طرح گھسیٹتا ہوا آ پہنچا اور حجرے کے کنارے پر بیٹھ گیا۔ اس کی پیٹھ میری پیٹھ کی طرف تھی۔ ابھی وہ بیٹھا ہی ہوا تھا کہ اچانک شور ہوا: یہ ابوسفیان بن حارث بن عبد المطلب آ گیا۔ ابولہب نے اس سے کہا، میرے پاس آؤ، میری عمر کی قسم تمہارے

---

[۱] متفق علیہ۔ مشکوٰۃ ۲/۳۴۵

پاس خبر ہے۔ وہ ابولہب کے پاس بیٹھ گیا۔ لوگ کھڑے تھے۔ ابولہب نے کہا، بھتیجے بتاؤ لوگوں کا کیا حال رہا؟ اس نے کہا، کچھ نہیں۔ بس لوگوں سے ہماری مڈبھیڑ ہوئی اور ہم نے اپنے کندھے ان کے حوالے کر دیئے۔ وہ ہمیں جیسے چاہتے تھے قتل کرتے تھے اور جیسے چاہتے تھے قید کرتے تھے، اور خدا کی قسم میں اس کے باوجود لوگوں کو ملامت نہیں کر سکتا۔ درحقیقت ہماری مڈبھیڑ کچھ ایسے گورے چٹے لوگوں سے ہوئی تھی جو آسمان و زمین کے درمیان چتکبرے گھوڑوں پر سوار تھے۔ خدا کی قسم نہ وہ کسی چیز کو چھوڑتے تھے اور نہ کوئی چیز ان کے مقابل ٹک پاتی تھی۔

ابو رافعؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ہاتھ سے خیمے کا کنارہ اٹھایا، پھر کہا، وہ خدا کی قسم فرشتے تھے؟ یہ سن کر ابولہب نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور میرے چہرے پر زوردار تھپڑ رسید کیا۔ میں اس سے لڑ پڑا لیکن اس نے مجھے اٹھا کر زمین پر پٹک دیا۔ پھر میرے اوپر گھٹنے کے بل بیٹھ کر مجھے مارنے لگا۔ میں کمزور جو ٹھہرا۔ لیکن اتنے میں اُمّ الفضلؓ نے اٹھ کر خیمے کا ایک کھمبا لیا اور اسے ایسی ضرب ماری کہ سر میں بُری طرح چوٹ آ گئی اور ساتھ ہی بولیں، اس کا مالک نہیں ہے اس لیے اسے کمزور سمجھ رکھا ہے؟ ابولہب رسوا ہو کر اٹھا اور چلا گیا۔ اس کے بعد خدا کی قسم صرف سات راتیں گذری تھیں کہ اللہ نے اُسے عدسہ (ایک قسم کے طاعون) میں مبتلا کر دیا اور اس کا خاتمہ کر دیا۔ عدسہ کی گلٹی کو عرب بہت منحوس سمجھتے تھے؛ چنانچہ (مرنے کے بعد) اس کے بیٹوں نے بھی اسے یوں ہی چھوڑ دیا اور وہ تین روز تک بے گور و کفن پڑا رہا۔ کوئی اس کے قریب نہ جاتا تھا اور نہ اس کی تدفین کی کوشش کرتا تھا۔ جب اس کے بیٹوں کو خطرہ محسوس ہُوا کہ اس طرح چھوڑنے پر لوگ انہیں ملامت کریں گے تو ایک گڑھا کھود کر اسی میں لکڑی سے اس کی لاش دھکیل دی اور دُور ہی سے پتھر پھینک پھینک کر چھپا دی۔

غرض اس طرح اہلِ مکہ کو میدانِ بدر کی شکستِ فاش کی خبر ملی اور ان کی طبیعت پر اس کا نہایت بُرا اثر پڑا حتٰی کہ انہوں نے مقتولین پر نوحہ کرنے کی ممانعت کر دی تاکہ مسلمانوں کو ان کے غم پر خوش ہونے کا موقع نہ ملے۔

اس سلسلے کا ایک دلچسپ واقعہ یہ ہے کہ جنگ بدر میں اسود بن عبدالمطلب کے تین بیٹے مارے گئے اس لیے وہ ان پر رونا چاہتا تھا۔ وہ اندھا آدمی تھا۔ ایک رات اس نے ایک نوحہ کرنے والی عورت کی آواز سنی۔ جھٹ اپنے غلام کو بھیجا اور کہا: "ذرا دیکھو! کیا نوحہ کرنے کی اجازت

مل گئی ہے؟ کیا قریش اپنے مقتولین پر رو رہے ہیں تاکہ میں بھی۔ اپنے بیٹے ــــ ابو حکیمہ پر روؤں، کیونکہ میرا سینہ جل رہا ہے۔" غلام نے واپس آکر بتایا کہ یہ عورت تو اپنے ایک گم شدہ اُونٹ پر رو رہی ہے۔ اسود یہ سن کر اپنے آپ پر قابو نہ پا سکا اور بے اختیار کہہ پڑا:

اتبکی ان یضل لھا بعیر ویمنعھا من النوم السھود

فلا تبکی علی بکر ولکن علی بدر تقاصرت الجدود

علی بدر سراۃ بنی ھصیص ومخزوم و رھط ابی الولید

و بکی ان بکیت علی عقیل و بکی حارثا اسد الاسود

وبکیھم ولا تسمی جمیعا و ما لابی حکیمۃ من ندید

الا قد ساد بعدھم رجال ولو لا یوم بدر لم یسودوا

"کیا وہ اس بات پر روتی ہے کہ اس کا اونٹ غائب ہو گیا؟ اور اس پر بے خوابی نے اس کی نیند حرام کر رکھی ہے؟ تو اونٹ پر نہ رو بلکہ بدر پر رو جہاں قسمتیں پھوٹ گئیں۔ ہاں ہاں! بدر پر رو جہاں بنی ہصیص، بنی مخزوم اور ابو الولید کے قبیلے کے سربرآوردہ افراد ہیں۔ اگر رونا ہی ہے تو عقیل پر رو اور حارث پر رو جو شیروں کا شیر تھا۔ تو ان لوگوں پر رو اور سب کا نام نہ لے۔ اور ابو حکیمہ کا تو کوئی ہمسر ہی نہ تھا۔ دیکھو! ان کے بعد ایسے ایسے لوگ سردار ہو گئے کہ اگر بدر کا دن نہ ہوتا تو وہ سردار نہ ہو سکتے تھے۔"

مدینے میں فتح کی خوش خبری

ادھر مسلمانوں کی فتح مکمل ہو چکی تو رسول اللہ ﷺ نے اہلِ مدینہ کو جلد از جلد خوشخبری دینے کے لیے دو قاصد روانہ فرمائے۔ ایک حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ جنہیں عوالی (بالائی مدینہ) کے باشندوں کے پاس بھیجا گیا تھا اور دوسرے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جنہیں زیریں مدینہ کے باشندوں کے پاس بھیجا گیا تھا۔

اس دوران یہود اور منافقین نے جھوٹے پروپیگنڈے کر کے مدینے میں ہلچل بپا کر رکھی تھی یہاں تک کہ یہ خبر بھی اُڑا رکھی تھی کہ نبی ﷺ قتل کر دیئے گئے ہیں؛ چنانچہ جب ایک منافق نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ کی اونٹنی قصواء پر سوار آتے دیکھا تو بول پڑا "واقعی محمد ﷺ قتل کر دیئے گئے ہیں۔ دیکھو! یہ تو انہیں کی اونٹنی ہے۔ ہم اسے

پہچانتے ہیں، اور یہ زید بن حارثہ ہے، شکست کھا کر بھاگا ہے اور اس قدر مرعوب ہے کہ اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہے"۔ بہرحال جب دونوں قاصد پہنچے تو مسلمانوں نے انہیں گھیر لیا اور ان سے تفصیلات سننے لگے حتیٰ کہ انہیں یقین آگیا کہ مسلمان فتح یاب ہوئے ہیں۔ اس کے بعد ہر طرف مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی اور مدینے کے در و بام تہلیل و تکبیر کے نعروں سے گونج اٹھے اور جو سربرآوردہ مسلمان مدینے میں رہ گئے تھے وہ رسول اللہ ﷺ کو اس فتح مبین کی مبارک باد دینے کے لیے بدر کے راستے پر نکل پڑے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہمارے پاس اس وقت خبر پہنچی جب رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کو جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں، دفن کر کے قبر پر مٹی برابر کر چکے تھے۔ ان کی تیمارداری کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ مجھے بھی رسول اللہ ﷺ نے مدینے ہی میں چھوڑ دیا تھا۔

مالِ غنیمت کا مسئلہ

رسول اللہ ﷺ نے معرکہ ختم ہونے کے بعد تین دن بدر میں قیام فرمایا، اور ابھی آپ نے میدانِ جنگ سے کوچ نہیں فرمایا تھا کہ مالِ غنیمت کے بارے میں لشکر کے اندر اختلاف پڑ گیا اور جب یہ اختلاف شدت اختیار کر گیا تو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ جس کے پاس جو کچھ ہے وہ آپؐ کے حوالے کر دے۔ صحابہ کرامؓ نے اس حکم کی تعمیل کی اور اس کے بعد اللہ نے وحی کے ذریعے اس مسئلے کا حل نازل فرمایا۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ نبی ﷺ کے ساتھ مدینے سے نکلے اور بدر میں پہنچے۔ لوگوں سے جنگ ہوئی اور اللہ نے دشمن کو شکست دی۔ پھر ایک گروہ ان کے تعاقب میں لگ گیا اور انہیں کھدیڑنے اور قتل کرنے لگا اور ایک گروہ مالِ غنیمت پر ٹوٹ پڑا اور اسے بٹورنے اور سمیٹنے لگا اور ایک گروہ نے رسول اللہ ﷺ کے گرد گھیرا ڈالے رکھا کہ مبادا دشمن دھوکے سے آپؐ کو کوئی اذیت پہنچا دے جب رات آئی اور لوگ پلٹ پلٹ کر ایک دوسرے کے پاس پہنچے تو مالِ غنیمت جمع کرنے والوں نے کہا کہ ہم نے اسے جمع کیا ہے لہٰذا اس میں کسی اور کا کوئی حصہ نہیں۔ دشمن کا تعاقب کرنے والوں نے کہا: "تم لوگ ہم سے بڑھ کر اس کے حق دار نہیں کیونکہ اس مال سے دشمن کو بھگانے اور دُور رکھنے کا کام ہم نے کیا تھا" اور جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی حفاظت فرما

رہے تھے انہوں نے کہا! ہمیں یہ خطرہ تھا کہ دشمن آپ کو غفلت میں پا کر کوئی اذیت نہ پہنچا دے اس لیے ہم آپ کی حفاظت میں مشغول رہے۔" اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِكُمْ ۪ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ (۸:۱)

"لوگ آپ سے مالِ غنیمت کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہہ دو غنیمت اللہ اور رسول کے لیے ہے۔ پس اللہ سے ڈرو، اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کر لو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر واقعی تم لوگ مومن ہو۔"

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس مالِ غنیمت کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم فرما دیا۔[۱۲]

اسلامی لشکر مدینے کی راہ میں

رسول اللہ ﷺ تین روز بدر میں قیام فرما کر مدینے کے لیے چل پڑے۔ آپ کے ہمراہ مشرک قیدی بھی تھے اور مشرکین سے حاصل کیا ہوا مالِ غنیمت بھی۔ آپ نے حضرت عبداللہ بن کعب رضی اللہ عنہ کو اس کی نگرانی سونپی تھی۔ جب آپ وادی صَفراء کے درّے سے باہر نکلے تو درّے اور نازیہ کے درمیان ایک ٹیلے پر پڑاؤ ڈالا اور وہیں خُمس (پانچواں حصہ) علیحدہ کر کے باقی مالِ غنیمت مسلمانوں پر برابر برابر تقسیم کر دیا۔

اور وادی صَفراء ہی میں آپ نے حکم صادر فرمایا کہ نضر بن حارث کو قتل کر دیا جائے۔ اس شخص نے جنگِ بدر میں مشرکین کا پرچم اُٹھا رکھا تھا اور یہ قریش کے اکابر مجرمین میں سے تھا۔ اسلام دشمنی اور رسول اللہ ﷺ کی ایذا رسانی میں حد درجہ بڑھا ہوا تھا۔ آپ کے حکم پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کی گردن مار دی۔

اس کے بعد جب آپ عرق الظبیہ پہنچے تو عُقبہ بن ابی مُعَیط کے قتل کا حکم صادر فرمایا۔ یہ شخص جس طرح رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچایا کرتا تھا اس کا کچھ ذکر پیچھے گذر چکا ہے۔ یہی شخص ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کی پیٹھ پر نماز کی حالت میں اونٹ کی اوجھ ڈالی تھی اور اسی شخص نے آپ کی گردن پہ چادر لپیٹ کر آپ کو قتل کرنا چاہا تھا اور اگر ابو بکر رضی اللہ عنہ بروقت نہ گئے ہوتے تو اس نے (اپنی دانست میں تو)

---

[۱۲] مسند احمد ۵/ ۳۲۳، ۳۲۴ حاکم ۲/ ۳۲۶۔

آپ کا گلا گھونٹ کر مار ہی ڈالا تھا۔ جب نبی ﷺ نے اس کے قتل کا حکم صادر فرمایا تو کہنے لگا: "اے محمد! بچوں کے لیے کون ہے؟" آپ نے فرمایا: "آگ"[۱۳] اس کے بعد حضرت عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے ــــــ اور کہا جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ــــــ اس کی گردن مار دی۔

جنگی نقطۂ نظر سے ان دونوں طاغوتوں کا قتل کیا جانا ضروری تھا کیونکہ یہ صرف جنگی قیدی نہ تھے بلکہ جدید اصطلاح کی رُو سے جنگی مجرم بھی تھے۔

تہنیت کے وفود

اس کے بعد جب آپ مقام رَوحاء پہنچے تو ان مسلمان سربراہوں سے ملاقات ہوئی جو دونوں قاصدوں سے فتح کی بشارت سن کر آپ کا استقبال کرنے اور آپ کو فتح کی مبارک باد پیش کرنے کے لیے مدینے سے نکل پڑے تھے۔ جب انہوں نے مبارک باد پیش کی تو حضرت سلمہ بن سلامہ رضی اللہ عنہ نے کہا: "آپ لوگ ہمیں کاہے کی مبارک باد دے رہے ہیں ہمارا ٹکراؤ تو خدا کی قسم، گنجے سر کے بوڑھوں سے ہوا تھا جو اونٹ جیسے تھے۔" اس پر رسول اللہ ﷺ نے مسکرا کر فرمایا "بھتیجے! یہی لوگ سربرآوردگانِ قوم تھے۔"

اس کے بعد حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ عرض پرداز ہوئے: "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ کی حمد ہے کہ اس نے آپ کو کامیابی سے ہمکنار کیا اور آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک بخشی۔ بخدا! میں یہ سمجھتے ہوئے بدر سے پیچھے نہ رہا تھا کہ آپ کا ٹکراؤ دشمن سے ہوگا! میں تو سمجھ رہا تھا کہ بس قافلے کا معاملہ ہے، اور اگر میں یہ سمجھتا کہ دشمن سے سابقہ پڑے گا تو میں پیچھے نہ رہتا۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، "سچ کہتے ہو۔"

اس کے بعد آپ مدینہ منورہ میں اس طرح مظفر و منصور داخل ہوئے کہ شہر اور گردوپیش کے سارے دشمنوں پر آپ کی دھاک بیٹھ چکی تھی۔ اس فتح کے اثر سے مدینے کے بہت سے لوگ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے اور اسی موقع پر عبداللہ بن اُبیّ اور اس کے ساتھیوں نے بھی دکھاوے کے لیے اسلام قبول کیا۔

آپ کی مدینہ تشریف آوری کے ایک دن بعد قیدیوں کی آمد آمد ہوئی۔ آپ نے انہیں

---

[۱۳] یہ حدیث کتب صحاح میں مروی ہے، مثلاً دیکھئے سنن ابی داؤد مع شرح عون المعبود ۳/ ۱۲

صحابہؓ کرام پر تقسیم فرما دیا اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کی وصیت فرمائی۔ اس وصیت کا نتیجہ یہ تھا کہ صحابہ کرامؓ خود کھجور کھاتے تھے لیکن قیدیوں کو روٹی پیش کرتے تھے۔ (واضح رہے کہ مدینے میں کھجور بے حیثیت چیز تھی اور روٹی خاصی گراں قیمت)

قیدیوں کا قضیہ

جب رسول اللہ ﷺ مدینہ پہنچ گئے تو آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے قیدیوں کے بارے میں مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا "یا رسول اللہ ﷺ! یہ لوگ چچیرے بھائی اور کنبے قبیلے کے لوگ ہیں۔ میری رائے ہے کہ آپؐ ان سے فدیہ لے لیں۔ اس طرح جو کچھ ہم لیں گے وہ کفار کے خلاف ہماری قوت کا ذریعہ ہوگا۔ اور یہ بھی متوقع ہے کہ اللہ انہیں ہدایت دے دے اور وہ ہمارے بازو بن جائیں۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابنِ خطاب تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا: "واللہ میری وہ رائے نہیں ہے جو ابوبکرؓ کی ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ آپؐ فلاں کو۔ (جو حضرت عمرؓ کا قریبی تھا)۔۔۔ میرے حوالے کریں اور میں اس کی گردن ماردوں۔ عقیل بن ابی طالب کو علیؓ کے حوالے کریں اور وہ اس کی گردن ماریں اور فلاں کو جو حمزہؓ کا بھائی ہے حمزہؓ کے حوالے کریں اور وہ اس کی گردن ماردیں یہاں تک کہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے دلوں میں مشرکین کے لیے نرم گوشہ نہیں ہے، اور یہ حضرات مشرکین کے صنادید وائمہ اور قائدین ہیں۔"

حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بات پسند فرمائی اور میری بات پسند نہیں فرمائی؛ چنانچہ قیدیوں سے فدیہ لینا طے کرلیا۔ اس کے بعد جب اگلا دن آیا تو میں صبح ہی صبح رسول اللہ ﷺ اور ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ دونوں رو رہے تھے۔ میں نے کہا "اے اللہ کے رسولؐ! مجھے بتائیں آپؐ اور آپ کے ساتھی کیوں رو رہے ہیں؟ اگر مجھے بھی رونے کی وجہ مل گئی تو روؤں گا اور اگر نہ مل سکی تو آپ حضرات کے رونے کی وجہ سے روؤں گا۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "فدیہ قبول کرنے کی وجہ سے تمہارے اصحاب پر جو چیز پیش کی گئی ہے۔ اسی کی وجہ سے رو رہا ہوں" اور آپؐ نے ایک قریبی درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ مجھ پر ان کا عذاب اس درخت سے بھی زیادہ قریب پیش کیا گیا[1]

---

[1] تاریخ عمر بن الخطاب ابن جوزی۔ ص ۳۶

اور اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ۭ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ڰ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (۸: ۶۷/۶۸)

"کسی نبی کے لیے درست نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں یہاں تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح خونریزی کرلے۔ تم لوگ دنیا کا سامان چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے؛ اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ اگر اللہ کی طرف سے نوشتہ سبقت نہ کرچکا ہوتا تو تم لوگوں نے جو کچھ لیا ہے اس پر تم کو سخت عذاب پکڑ لیتا۔"

اور اللہ کی طرف سے جو نوشتہ سبقت کرچکا تھا وہ یہ تھا۔ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً (۴:۴۷) یعنی مشرکین کو جنگ میں قید کرنے کے بعد یا تو احسان کرو یا فدیہ لے لو۔"

چونکہ اس نوشتے میں قیدیوں سے فدیہ لینے کی اجازت دی گئی ہے اس لیے صحابہ کرام کو قبولِ فدیہ پر سزا نہیں دی گئی بلکہ صرف سرزنش کی گئی اور یہ بھی اِس لیے کہ انہوں نے کفار کو اچھی طرح کچلنے سے پہلے قیدی بنا لیا تھا؛ اور اس لیے بھی کہ انہوں نے ایسے ایسے مجرمینِ جنگ سے فدیہ لینا قبول کرلیا تھا جو صرف جنگی قیدی نہ تھے بلکہ جنگ کے ایسے اکابر مجرمین تھے جنہیں جدید قانون بھی مقدمہ چلائے بغیر نہیں چھوڑتا، اور جن کے متعلق مقدمہ کا فیصلہ عموماً سزائے موت یا عمر قید کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔

بہرحال چونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق معاملہ طے ہوچکا تھا اس لیے مشرکین سے فدیہ لیا گیا۔ فدیہ کی مقدار چار ہزار اور تین ہزار درہم سے لے کر ایک ہزار درہم تک تھی۔ اہلِ مکہ لکھنا پڑھنا بھی جانتے تھے جبکہ اہلِ مدینہ لکھنے پڑھنے سے واقف نہ تھے، اس لیے یہ بھی طے کیا گیا کہ جس کے پاس فدیہ نہ ہو وہ مدینے کے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھادے۔ جب یہ بچے اچھی طرح سیکھ جائیں تو یہی اس کا فدیہ ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ نے کئی قیدیوں پر احسان بھی فرمایا اور انھیں فدیہ لیے بغیر رہا کردیا۔ اس فہرست میں مطلب بن حنطب، صیفی بن ابی رفاعہ اور ابوعزہ جمحی کے نام آتے ہیں۔ آخر الذکر کو آئندہ جنگ احد میں قید اور قتل کیا گیا۔ (تفصیل آگے آرہی ہے۔)

آپؐ نے اپنے داماد ابوالعاص کو بھی اس شرط پر بلا فدیہ چھوڑ دیا کہ وہ حضرت زینبؓ کی راہ نہ روکیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت زینبؓ نے ابوالعاص کے فدیے میں کچھ مال بھیجا تھا جس میں ایک ہار بھی تھا۔ یہ ہار درحقیقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تھا اور جب انہوں نے حضرت زینبؓ کو ابوالعاص کے پاس رخصت کیا تھا تو یہ ہار انہیں دے دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھا تو آپؐ پر بڑی رقت طاری ہوگئی اور آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے اجازت چاہی کہ ابوالعاص کو چھوڑ دیں۔ صحابہ نے اسے بسروچشم قبول کر لیا اور رسول اللہ ﷺ نے ابوالعاص کو اس شرط پر چھوڑ دیا کہ وہ حضرت زینبؓ کی راہ چھوڑ دیں گے۔ چنانچہ حضرت ابوالعاص نے ان کا راستہ چھوڑ دیا اور حضرت زینبؓ نے ہجرت فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زیدؓ بن حارثہ اور ایک انصاری صحابی کو بھیجدیا کہ تم دونوں بطن یاجج میں رہنا۔ جب زینبؓ تمہارے پاس سے گذریں تو ساتھ ہو لینا۔ یہ دونوں حضرات تشریف لے گئے اور حضرت زینبؓ کو ساتھ لے کر مدینہ واپس آئے۔ حضرت زینبؓ کی ہجرت کا واقعہ بڑا طویل اور المناک ہے۔

قیدیوں میں سُہیل بن عمروؔ بھی تھا جو بڑا زبان آور خطیب تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا: "اے اللہ کے رسولؐ! سہیل بن عمرو کے اگلے دو دانت تڑوا دیجئے اس کی زبان لپٹ جایا کرے گی اور وہ کسی جگہ خطیب بن کر آپ کے خلاف کبھی کھڑا نہ ہو سکے گا" لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کی یہ گذارش مسترد کر دی کیونکہ یہ مُثلے کے ضمن میں آتا ہے جس پر قیامت کے روز اللہ کی طرف سے پکڑ کا خطرہ تھا۔

حضرت سعد بن نعمان رضی اللہ عنہ عمرہ کرنے کے لیے نکلے تو انہیں ابوسفیان نے قید کر لیا۔ ابوسفیان کا بیٹا عمروؔ بھی جنگِ بدر کے قیدیوں میں تھا۔ چنانچہ عمرو کو ابوسفیان کے حوالے کر دیا گیا اور اس نے حضرت سعدؓ کو چھوڑ دیا۔

قرآن کا تبصرہ

اسی غزوے کے تعلق سے سورۂ انفال نازل ہوئی جو درحقیقت اس غزوے پر ایک خدائی تبصرہ ہے ــــ اگر یہ تعبیر صحیح ہو ــــ اور یہ تبصرہ بادشاہوں اور کمانڈروں وغیرہ کے فاتحانہ تبصروں سے بالکل ہی جداگانہ ہے۔ اس تبصرے کی چند باتیں مختصراً یہ ہیں:

اللہ تعالےٰ نے سب سے پہلے مسلمانوں کی نظر ان کوتاہیوں اور اخلاقی کمزوریوں کی طرف مبذول کرائی جو ان میں فی الجملہ باقی رہ گئی تھیں اور جن میں سے بعض بعض کا اظہار اس موقع پر ہو گیا تھا۔ اس توجہ دہانی کا مقصود یہ تھا کہ مسلمان اپنے آپ کو ان کمزوریوں سے پاک صاف کر کے کامل ترین بن جائیں۔

اس کے بعد اس فتح میں اللہ تعالیٰ کی جو تائید اور غیبی مدد شامل تھی، اس کا ذکر فرمایا۔ اس کا مقصود یہ تھا کہ مسلمان اپنی شجاعت و بسالت کے فریب میں نہ آجائیں۔ جس کے نتیجے میں مزاج و طبائع پر غرور و تکبّر کا تسلّط ہو جاتا ہے۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ پر توکل کریں اور اس کے اور پیغمبر ﷺ کے اطاعت کیش رہیں۔

پھر ان بلند اغراض و مقاصد کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کے لیے رسول اللہ ﷺ نے اس خوفناک اور خونریز معرکے میں قدم رکھا تھا اور اسی ضمن میں ان اخلاق و اوصاف کی نشاندہی کی گئی ہے جو معرکوں میں فتح کا سبب بنتے ہیں۔

پھر مشرکین و منافقین کو اور یہود اور جنگی قیدیوں کو مخاطب کر کے فصیح و بلیغ نصیحت فرمائی گئی ہے تاکہ وہ حق کے سامنے جھک جائیں اور اس کے پابند بن جائیں۔

اس کے بعد مسلمانوں کو مالِ غنیمت کے معاملے میں مخاطب کرتے ہوئے انہیں اس مسئلے کے تمام بنیادی قواعد و اصول سمجھائے اور بتائے گئے ہیں۔

پھر اس مرحلے پر اسلامی دعوت کو جنگ و صلح کے جن قوانین کی ضرورت تھی ان کی توضیح اور مشروعیت ہے تاکہ مسلمانوں کی جنگ اور اہلِ جاہلیت کی جنگ میں امتیاز قائم ہو جائے، اور اخلاق و کردار کے میدان میں مسلمانوں کو برتری حاصل رہے، اور دنیا اچھی طرح جان لے کہ اسلام محض ایک نظریہ نہیں ہے بلکہ وہ جن اصولوں اور ضابطوں کا داعی ہے ان کے مطابق اپنے ماننے والوں کی عملی تربیت بھی کرتا ہے۔

پھر اسلامی حکومت کے قوانین کی کئی دفعات بیان کی گئی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت کے دائرے میں بسنے والے مسلمانوں اور اس دائرے سے باہر رہنے والے مسلمانوں میں کیا فرق ہے۔

متفرق واقعات

سنہ ۲ھ میں رمضان کا روزہ اور صدقہ فطر فرض کیا گیا اور زکوٰۃ کے مختلف نصابوں کی تفصیلاً تعیین کی گئی۔ صدقہ فطر کی فرضیت اور زکوٰۃ کے نصاب کی تعیین سے اس بوجھ اور مشقت میں بڑی کمی آگئی جس سے فقرائے مہاجرین کی ایک بڑی تعداد دوچار تھی، کیونکہ وہ طلب رزق کے لیے زمین میں دوڑ دھوپ کے امکانات سے محروم تھے۔

پھر نہایت نفیس موقع اور خوشگوار اتفاق یہ تھا کہ مسلمانوں نے اپنی زندگی میں پہلی عید جو منائی وہ شوال سنہ ۲ھ کی عید تھی جو جنگ بدر کی فتح مبین کے بعد پیش آئی۔ کتنی خوشگوار تھی یہ عید سعید جس کی سعادت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے سر پر فتح و عزت کا تاج رکھنے کے بعد عطا فرمائی اور کتنا ایمان افروز تھا اس نماز عید کا منظر جسے مسلمانوں نے اپنے گھروں سے نکل کر تکبیر و توحید اور تحمید و تسبیح کی آوازیں بلند کرتے ہوئے میدان میں جا کر ادا کیا تھا۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ مسلمانوں کے دل اللہ کی دی ہوئی نعمتوں اور اس کی کی ہوئی تائید کے سبب اس کی رحمت و رضوان کے شوق سے لبریز اور اس کی طرف رغبت کے جذبات سے معمور تھے اور ان کی پیشانیاں اس کے شکر و سپاس کی ادائیگی کے لیے جھکی ہوئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کا ذکر اس آیت میں فرمایا ہے:

وَاذْكُرُوٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (۸: ۲۶)

"اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے، زمین میں کمزور بنا کر رکھے گئے تھے، ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں اچک لے جائیں گے پس اس نے تمہیں ٹھکانا مرحمت فرمایا اور اپنی مدد کے ذریعے تمہاری تائید کی اور تمہیں پاکیزہ چیزوں سے روزی دی تاکہ تم لوگ اس کا شکر ادا کرو۔"

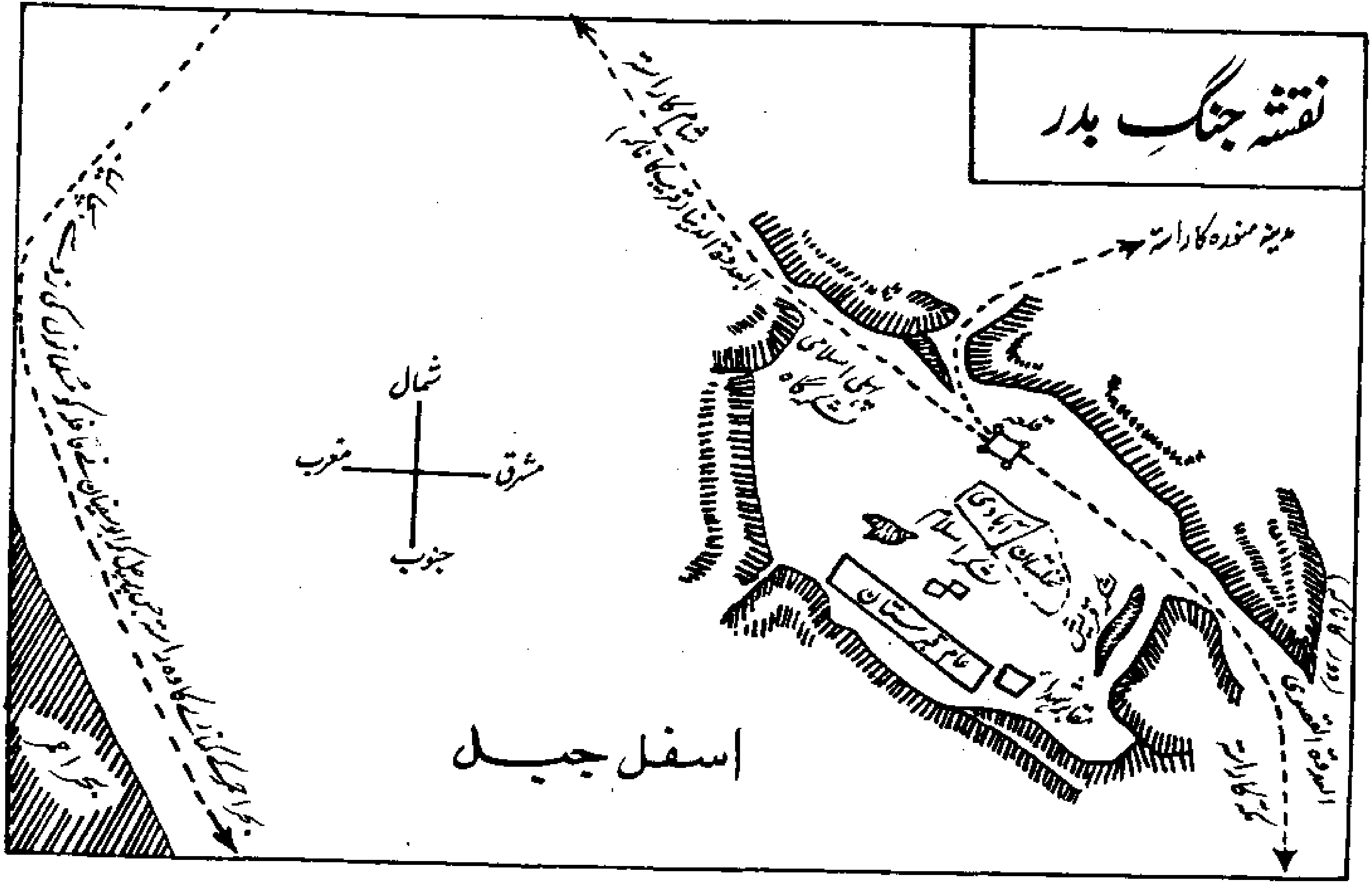
نقشہ جنگِ بدر
مدینہ منورہ کا راستہ
شام کا راستہ
العدوۃ الدنیا (قریب کا ناکہ)
پہلی اسلامی لشکرگاہ
قلعہ
آبادی
نخلستان
لشکرِ اسلام
لشکرِ قریش
عام قبرستان
مکہ کا راستہ
العدوۃ القصوی
(دور کا ناکہ)
شمال
مشرق
مغرب
جنوب
اسفل جبل
بحر احمر کے کنارے کا وہ راستہ جس پہ چل کر ابوسفیان نے قافلہ کو مسلمانوں کی زد سے بچا لیا
بحر احمر

بدر کے بعد کی جنگی سرگرمیاں

بدر کا معرکہ مسلمانوں اور مشرکین کا سب سے پہلا مسلح ٹکراؤ اور فیصلہ کن معرکہ تھا جس میں مسلمانوں کو فتحِ مبین حاصل ہوئی اور سارے عرب نے اس کا مشاہدہ کیا۔ اس معرکے کے نتائج سے سب سے زیادہ وہی لوگ دل گرفتہ تھے جنہیں براہِ راست یہ نقصانِ عظیم برداشت کرنا پڑا تھا، یعنی مشرکین؛ یا وہ لوگ جو مسلمانوں کے غلبہ و سربلندی کو اپنے مذہبی اور اقتصادی وجود کے لیے خطرہ محسوس کرتے تھے، یعنی یہود۔ چنانچہ جب سے مسلمانوں نے بدر کا معرکہ سر کیا تھا یہ دونوں گروہ مسلمانوں کے خلاف غم و غصہ اور رنج و الم سے جل بھن رہے تھے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ (۵: ۸۲)

"تم اہلِ ایمان کا سب سے زبردست دشمن یہود کو پاؤ گے اور مشرکین کو۔"

مدینے میں کچھ لوگ ان دونوں گروہوں کے ہمراز و دمساز تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ اپنا وقار برقرار رکھنے کی اب کوئی سبیل باقی نہیں رہ گئی ہے تو بظاہر اسلام میں داخل ہو گئے۔ یہ عبد اللہ بن اُبَی اور اس کے رُفقاء کا گروہ تھا۔ یہ بھی مسلمانوں کے خلاف یہود اور مشرکین سے کم غم و غصہ نہ رکھتا تھا۔

ان کے علاوہ ایک چوتھا گروہ بھی تھا، یعنی وہ بَدّو جو مدینے کے گرد و پیش بود و باش رکھتے تھے۔ انہیں کفر و اسلام سے کوئی دلچسپی نہ تھی؛ لیکن یہ لُٹیرے اور رہزن تھے، اس لیے بدر کی کامیابی سے انہیں بھی قلق و اضطراب تھا۔ انہیں خطرہ تھا کہ مدینے میں ایک طاقت ور حکومت قائم ہو گئی تو ان کی لُوٹ کھسُوٹ کا راستہ بند ہو جائے گا، اس لیے ان کے دلوں میں بھی مسلمانوں کے خلاف کینہ جاگ اٹھا اور یہ بھی مسلم دشمن ہو گئے۔

اس طرح مسلمان چاروں طرف سے خطرے میں گھر گئے، لیکن مسلمانوں کے سلسلے میں ہر فریق کا طرزِ عمل دوسرے سے مختلف تھا۔ ہر فریق نے اپنے حسبِ حال ایسا طریقہ اپنایا تھا جو اس کے خیال میں اس کی غرض و غایت کی تکمیل کا کفیل تھا، چنانچہ اہلِ مدینہ نے اسلام کا اظہار کر کے درپردہ سازشوں

دسیسہ کاریوں اور باہم لڑاتے بھڑانے کی راہ اپنائی۔ یہود کے ایک گروہ نے کھلم کھلا رنج وعداوت اور غیظ وغضب کا مظاہرہ کیا۔ اہلِ مکّہ نے کمر توڑ ضرب کی دھمکیاں دینی شروع کیں اور بدلہ اور انتقام لینے کا کھلا اعلان کیا۔ ان کی جنگی تیاریاں بھی کھلے عام ہو رہی تھیں؛ گویا وہ زبانِ حال سے مسلمانوں کو یہ پیغام دے رہے تھے ؎

ولا بد من یوم اغرّ محجل   یطول استماعی بعده للنوادب

ایک ایسا روشن اور تابناک دن ضروری ہے جس کے بعد عرصۂ دراز تک نوحہ کرنے والیوں کے نوحے سنتا رہوں۔

اور سال بھر کے بعد وہ عملاً ایک ایسی معرکہ آرائی کے لیے مدینے کی چہار دیواری تک چڑھ آئے جو تاریخ میں غزوۂ احد کے نام سے معروف ہے اور جس کا مسلمانوں کی شہرت اور ساکھ پر بُرا اثر پڑا تھا۔

ان خطرات سے نمٹنے کے لیے مسلمانوں نے بڑے اہم اقدامات کیے جن سے نبی ﷺ کی قائدانہ عبقریت کا پتا چلتا ہے اور یہ واضح ہوتا ہے کہ مدینے کی قیادت گرد وپیش کے ان خطرات کے سلسلے میں کس قدر بیدار تھی اور ان سے نمٹنے کیلئے کتنے جامع منصوبے رکھتی تھی۔ اگلی سطور میں اسی کا ایک مختصر سا خاکہ پیش کیا جارہا ہے۔

۱۔ غزوۂ بنی سُلیم بہ مقام کُدر

غزوۂ بدر کے بعد سب سے پہلی خبر جو مدینے کے شعبۂ اطلاعات نے فراہم کی وہ یہ تھی کہ قبیلہ غطفان کی شاخ بنو سُلیم کے لوگ مدینے پر چڑھائی کے لیے فوج جمع کر رہے ہیں۔ اس کے جواب میں نبی ﷺ نے دو سو سواروں کے ساتھ ان پر خود ان کے اپنے علاقے میں اچانک دھاوا بول دیا اور مقام کُدر[1] میں ان کی منازل تک جا پہنچے۔ بنو سُلیم میں اس اچانک حملے سے بھگدڑ مچ گئی اور وہ افراتفری کے عالم میں وادی کے اندر پانچ سو اونٹ چھوڑ کر بھاگ گئے جس پر لشکرِ مدینہ نے قبضہ کرلیا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کا خُمس نکال کر بقیہ مالِ غنیمت مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ ہر شخص کے حصے میں دو دو اونٹ آئے۔ اس غزوے میں یسار نامی ایک

---

[1] کُدر۔ ک پر پیش اور دال ساکن ہے۔ یہ دراصل مٹیالے رنگ کی ایک چڑیا ہوتی ہے لیکن یہاں بنو سُلیم کا ایک چشمہ مراد ہے جو نجد میں مکے سے (براستہ نجد) شام جانے والی کاروانی شاہراہ پر واقع ہے۔

غلام ہاتھ آیا جسے آپ نے آزاد کر دیا ــــ اس کے بعد آپ دیارِ بنی سُلیم میں تین روز قیام فرما کر مدینہ پلٹ آئے۔

یہ غزوہ شوال ۲ھ میں بدر سے واپسی کے صرف سات دن بعد پیش آیا۔ اس غزوے کے دوران سُباع بن عرفطہ کو اور کہا جاتا ہے کہ ابنِ اُمِ مکتوم کو مدینے کا انتظام سونپا گیا تھا۔[۲]

۲- نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے قتل کی سازش

جنگ بدر میں شکست کھا کر مشرکین غصے سے بے قابو تھے اور پورا مکہ نبی ﷺ کے خلاف ہانڈی کی طرح کھول رہا تھا۔ بالآخر مکے کے دو بہادر جوانوں نے طے کیا کہ وہ ــــ اپنی دانست میں ــــ اس اختلاف و شقاق کی بُنیاد اور اس ذلت و رُسوائی کی جڑ (نعوذ باللہ) یعنی نبی ﷺ کا خاتمہ کر دیں گے۔

چنانچہ جنگ بدر کے کچھ ہی دنوں بعد کا واقعہ ہے کہ عُمیر بن وہب جُمَحی ــــ جو قریش کے شیطانوں میں سے تھا اور مکے میں نبی ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو اذیتیں پہنچایا کرتا تھا اور اب اس کا بیٹا وہب بن عُمیر جنگ بدر میں گرفتار ہو کر مسلمانوں کی قید میں تھا۔ اس عُمیر نے ایک دن صفوان بن امیہ کے ساتھ حطیم میں بیٹھ کر گفتگو کرتے ہوئے بدر کے کنویں میں پھینکے جانے والے مقتولوں کا ذکر کیا۔ اس پر صفوان نے کہا: "خدا کی قسم ان کے بعد جینے میں کوئی لطف نہیں۔" جواب میں عُمیر نے کہا: "خدا کی قسم تم سچ کہتے ہو۔ دیکھو! خدا کی قسم اگر میرے اوپر قرض نہ ہوتا جس کی ادائیگی کے لیے میرے پاس کچھ نہیں، اور اہل و عیال نہ ہوتے، جن کے بارے میں اندیشہ ہے کہ میرے بعد ضائع ہو جائیں گے، تو میں سوار ہو کر محمدؐ کے پاس جاتا اور اُسے قتل کر ڈالتا؛ کیونکہ میرے لیے وہاں جانے کی ایک وجہ موجود ہے۔ میرا بیٹا اُن کے ہاں قید ہے۔"

صفوان نے اس صورتِ حال کو غنیمت سمجھتے ہوئے کہا: "اچھا چلو! تمہارا قرض میرے ذمے ہے میں اسے تمہاری جانب سے ادا کر دوں گا؛ اور تمہارے اہل و عیال میرے اہل و عیال ہیں۔ جب تک وہ موجود رہیں گے میں ان کی دیکھ بھال کرتا رہوں گا۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ میرے پاس کوئی چیز موجود ہو اور ان کو نہ ملے۔"

عُمیر نے کہا: "اچھا تو اب میرے اور اپنے اس معاملے کو صیغۂ راز میں رکھنا۔ صفوان نے

---

[۲] زاد المعاد ۲/۹۰، ابنِ ہشام ۲/۴۳، ۴۴۔ مختصر السیرہ للشیخ عبد اللہ ص ۲۳۶

کہا ٹھیک ہے میں ایسا ہی کروں گا۔

اس کے بعد عُمیر نے اپنی تلوار پر سان رکھائی اور زہر آلود کرائی، پھر روانہ ہُوا اور مدینہ پہنچا؛ لیکن ابھی وہ مسجد کے دروازے پر اپنی اونٹنی بٹھا ہی رہا تھا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی نگاہ اس پر پڑ گئی ۔ وہ مسلمانوں کی ایک جماعت کے درمیان جنگِ بدر میں اللہ کے عطا کردہ اعزاز و اکرام کے متعلق باتیں کر رہے تھے ۔ انھوں نے دیکھتے ہی کہا: "یہ کتا، اللہ کا دشمن عُمیر، کسی بُرے ہی ارادے سے آیا ہے۔" پھر انھوں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، اے اللہ کے نبیؐ! یہ اللہ کا دشمن عُمیر اپنی تلوار حمائل کئے آیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا، اسے میرے پاس لے آؤ۔ عمیر آیا تو حضرت عمرؓ نے اس کی تلوار کے پرتلے کو اس کے گلے کے پاس سے پکڑ لیا اور انصار کے چند افراد سے کہا کہ تم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ اور وہیں بیٹھ جاؤ اور آپؐ کے خلاف اس خبیث کے خطرے سے چوکنا رہو؛ کیونکہ یہ قابل اطمینان نہیں ہے۔ اس کے بعد وہ عُمیر کو اندر لے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ کیفیت دیکھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی گردن میں اس کی تلوار کا پرتلا لپیٹ کر پکڑے ہوئے ہیں تو فرمایا: "عمر! اسے چھوڑ دو۔ اور عُمیر! تم قریب آ جاؤ۔" اس نے قریب آکر کہا، آپ لوگوں کی صبح بخیر ہو! نبی ﷺ نے فرمایا! اللہ تعالےٰ نے ہمیں ایک ایسے تحیّہ سے مشرّف کیا ہے جو تمہارے اس تحیّہ سے بہتر ہے، یعنی سلام سے' جو اہلِ جنّت کا تحیّہ ہے۔

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا، اے عُمیر! تم کیوں آئے ہو؟ اس نے کہا یہ قیدی جو آپ لوگوں کے قبضے میں ہے اسی کے لیے آیا ہوں۔ آپ لوگ اس کے بارے میں احسان فرما دیجئے۔

آپؐ نے فرمایا، پھر یہ تمہاری گردن میں تلوار کیوں ہے؟ اُس نے کہا، اللہ ان تلواروں کا بُرا کرے۔ کہ یہ ہمارے کچھ کام نہ آسکیں!

آپؐ نے فرمایا، سچ سچ بتاؤ کیوں آئے ہو؟ اس نے کہا، بس صرف اسی قیدی کے لیے آیا ہوں۔

آپؐ نے فرمایا "نہیں بلکہ تم اور صفوان بن امیہ حطیم میں بیٹھے ۔ اور قریش کے جو مقتولین کنوئیں میں پھینکے گئے ہیں ان کا تذکرہ کیا، پھر تم نے کہا' اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا اور میرے اہل وعیال نہ ہوتے تو میں یہاں سے جاتا اور محمّد کو قتل کر دیتا۔ اس پر صفوان نے تمہارے قرض اور اہل وعیال کی ذمّے داری لی بشرطیکہ تم مجھے قتل کر دو۔ لیکن یاد رکھو کہ اللہ میرے اور تمہارے

درمیان حائل ہے۔

عمیرؓ نے کہا "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں۔ اے اللہ کے رسولؐ! آپ ہمارے پاس آسمان کی جو خبریں لاتے تھے، اور آپ پر جو وحی نازل ہوتی تھی، اسے ہم جھٹلا دیا کرتے تھے لیکن یہ تو ایسا معاملہ ہے جس میں میرے اور صفوان کے سوا کوئی موجود ہی نہ تھا۔ اس لیے واللہ مجھے یقین ہے کہ یہ بات اللہ کے سوا اور کسی نے آپؐ تک نہیں پہنچائی۔ پس اللہ کی حمد ہے جس نے مجھے اسلام کی ہدایت دی اور اس مقام تک ہانک کر پہنچایا۔"

پھر عمیرؓ نے کلمۂ حق کی شہادت دی اور رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو مخاطب کر کے فرمایا: "اپنے بھائی کو دین سمجھاؤ، قرآن پڑھاؤ اور اس کے قیدی کو آزاد کر دو۔"

ادھر صفوان لوگوں سے کہتا پھر رہا تھا کہ یہ خوشخبری سن لو کہ چند ہی دنوں میں ایک ایسا واقعہ پیش آئے گا جو بدر کے مصائب بھلوا دے گا۔ ساتھ ہی وہ آنے جانے والوں سے عمیرؓ کی بابت پوچھتا بھی رہتا تھا۔ بالآخر اسے ایک سوار نے بتایا کہ عمیرؓ مسلمان ہو چکا ہے۔ یہ سن کر صفوان نے قسم کھائی کہ اس سے کبھی بات نہ کرے گا اور نہ کبھی اسے نفع پہنچائے گا۔ ادھر عمیرؓ نے اسلام سیکھ کر مکے کی راہ لی اور وہیں مقیم رہ کر اسلام کی دعوت دینی شروع کی۔ ان کے ہاتھ پر بہت سے لوگ مسلمان ہوئے۔[3]

۳۔ غزوہ بنی قینقاع

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ تشریف لانے کے بعد یہود کے ساتھ جو معاہدہ فرمایا تھا اس کی دفعات پچھلے صفحات میں ذکر کی جا چکی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی پوری کوشش اور خواہش تھی کہ اس معاہدے میں جو کچھ طے پا گیا ہے وہ نافذ رہے؛ چنانچہ مسلمانوں کی طرف سے کوئی ایسا قدم نہیں اٹھایا گیا جو اس معاہدے کی عبارت کے کسی ایک حرف کے بھی خلاف ہو۔ لیکن یہود جن کی تاریخ غدر و خیانت اور عہد شکنی سے پُر ہے وہ بہت جلد اپنے قدیم مزاج کی طرف پلٹ گئے اور مسلمانوں کی صفوں کے اندر دسیسہ کاری، سازش، لڑانے بھڑانے اور ہنگامے اور اضطراب بپا کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ لگے ہاتھوں ایک مثال بھی سنتے چلیے۔

یہود کی عیاری کا ایک نمونہ

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ ایک بوڑھا یہودی

---

[3] ابن ہشام ۱/۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳

شاش بن قیس ـــ جو قبر میں پاؤں لٹکائے ہوئے تھا، بڑا زبردست کافر تھا، اور مسلمانوں سے سخت عداوت و حسد رکھتا تھا ـــ ایک بار صحابۂ کرام کی ایک مجلس کے پاس سے گذرا، جس میں اوس و خزرج دونوں ہی قبیلے کے لوگ بیٹھے باہم گفتگو کر رہے تھے۔ اسے یہ دیکھ کر کہ اب ان کے اندر جاہلیت کی باہمی عداوت کی جگہ اسلام کی الفت و اجتماعیت نے لے لی ہے، اور ان کی دیرینہ شکر رنجی کا خاتمہ ہو گیا ہے، سخت رنج ہوا۔ کہنے لگا: "اوہ اس دیار میں بنو قیلہ کے اشراف متحد ہو گئے ہیں! بخدا ان اشراف کے اتحاد کے بعد تو ہمارا یہاں گذر نہیں۔" چنانچہ اس نے ایک نوجوان یہودی کو جو اس کے ساتھ تھا حکم دیا کہ ان کی مجالس میں جائے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر پھر جنگِ بُعاث اور اس کے پہلے کے حالات کا ذکر کرے اور اس سلسلے میں دونوں جانب سے جو اشعار کہے گئے ہیں کچھ ان میں سے سنائے۔ اس یہودی نے ایسا ہی کیا۔ اس کے نتیجے میں اوس و خزرج میں تُو تُو مَیں مَیں شروع ہو گئی۔ لوگ جھگڑنے لگے اور ایک دوسرے پر فخر جتانے لگے حتیٰ کہ دونوں قبیلوں کے ایک ایک آدمی نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر رَدّ و قَدح شروع کر دی؛ پھر ایک نے اپنے مدّ مقابل سے کہا، اگر چاہو تو ہم اس جنگ کو پھر جوان کر کے پلٹا دیں ـــ مقصد یہ تھا کہ ہم اس باہمی جنگ کے لیے پھر تیار ہیں جو اس سے پہلے لڑی جا چکی ہے۔ اس پر دونوں فریقوں کو تاؤ آ گیا اور بولے، چلو ہم تیار ہیں۔ حَرّہ میں مقابلہ ہو گا ـــ ہتھیار ... ! ہتھیار ..... !

اور لوگ ہتھیار لے کر حَـــرّہ کی طرف نکل پڑے۔ قریب تھا کہ خونریز جنگ ہو جاتی لیکن رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر ہو گئی۔ آپؐ اپنے مہاجرین صحابہ کو ہمراہ لے کر جھٹ ان کے پاس پہنچے اور فرمایا: "اے مسلمانوں کی جماعت! اللہ۔ اللہ ـــ کیا میرے رہتے ہوئے جاہلیت کی پکار! اور وہ بھی اس کے بعد کہ اللہ تمہیں اسلام کی ہدایت سے سرفراز فرما چکا ہے اور اس کے ذریعے تم سے جاہلیت کا معاملہ کاٹ کر اور تمہیں کفر سے نجات دے کر تمہارے دلوں کو آپس میں جوڑ چکا ہے!" آپؐ کی نصیحت سن کر صحابہ کو احساس ہوا کہ ان کی حرکت شیطان کا ایک جھٹکا اور دشمن کی ایک چال تھی؛ چنانچہ وہ رونے لگے اور اوس و خزرج کے لوگ ایک دوسرے سے گلے ملے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اطاعت شعار و فرمانبردار بن کر اس حالت میں واپس آئے کہ اللہ نے ان کے دشمن

شاش بن قیس کی عیّاری کی آگ بجھادی تھی ۔[۴]

یہ ہے ایک نمونہ ان ہنگاموں اور اضطراب کا جنہیں یہود مسلمانوں کی صفوں میں بپا کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے اور یہ ہے ایک مثال اس روڑے کی جسے یہ یہود اسلامی دعوت کی راہ میں اٹکاتے رہتے تھے۔ اس کام کے لیے انہوں نے مختلف منصوبے بنا رکھے تھے۔ وہ جھوٹے پروپیگنڈے کرتے تھے۔ صبح مسلمان ہوکر شام کو پھر کافر ہوجاتے تھے تاکہ کمزور اور سادہ لوح قسم کے لوگوں کے دلوں میں شک وشبہے کے بیج بوسکیں۔ کسی کے ساتھ مالی تعلق ہوتا اور وہ مسلمان ہوجاتا تو اس پر معیشت کی راہیں تنگ کر دیتے، چنانچہ اگر اس کے ذمے کچھ بقایا ہوتا تو صبح وشام تقاضے کرتے۔ اور اگر خود اس مسلمان کا کچھ بقایا ان پر ہوتا تو اسے ادا نہ کرتے بلکہ باطل طریقے پر کھا جاتے اور کہتے کہ تمہارا قرض تو ہمارے اوپر اس وقت تھا جب تم اپنے آبائی دین پر تھے لیکن اب جبکہ تم نے اپنا دین بدل دیا ہے تو اب ہمارا اور تمہارا کوئی لین دین نہیں۔[۵]

واضح رہے کہ یہود نے یہ ساری حرکتیں بدر سے پہلے ہی شروع کر دی تھیں، اور اس معاہدے کے علی الرغم شروع کر دی تھیں جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کر رکھا تھا۔ ادھر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا یہ حال تھا کہ وہ ان یہود کی ہدایت یابی کی امید میں ان ساری باتوں پر صبر کرتے جا رہے تھے۔ اس کے علاوہ یہ بھی مطلوب تھا کہ اس علاقے میں امن وسلامتی کا ماحول برقرار رہے۔

بنو قینقاع کی عہد شکنی

جب یہود نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے میدان بدر میں مسلمانوں کی زبردست مدد فرما کر انہیں عزت وشوکت سے سرفراز فرمایا ہے اور ان کا رعب ودبدبہ دور ونزدیک ہر جگہ رہنے والوں کے دلوں پر بیٹھ گیا ہے تو ان کی عداوت وحسد کی ہانڈی پھٹ پڑی۔ انہوں نے کھلم کھلا شر وعداوت کا مظاہرہ کیا اور علی الاعلان بغاوت وایذارسانی پر اتر آئے۔

ان میں سب سے زیادہ کینہ توز اور سب سے بڑھ کر شریر کعب بن اشرف تھا جس کا ذکر

---

۴ ابن ہشام ۱/ ۵۵۵، ۵۵۶

۵ مفسرین نے سورہ آل عمران وغیرہ کی تفسیر میں ان کی اس قسم کی حرکات کے نمونے ذکر کیے ہیں۔

آگے آ رہا ہے؛ اسی طرح تینوں یہودی قبائل میں سب سے زیادہ بدمعاش بنو قینقاع کا قبیلہ تھا۔ یہ لوگ مدینے ہی کے اندر رہتے تھے اور ان کا محلہ انہی کے نام سے موسوم تھا۔ یہ لوگ پیشے کے لحاظ سے سونار، لوہار اور برتن ساز تھے۔ ان پیشوں کے سبب ان کے ہر آدمی کے پاس وافر مقدار میں سامانِ جنگ موجود تھا۔ ان کے مردانِ جنگی کی تعداد سات سو تھی اور وہ مدینے کے سب سے بہادر یہودی تھے۔ انہیں نے سب سے پہلے عہد شکنی کی۔ تفصیل یہ ہے :

جب اللہ تعالےٰ نے میدانِ بدر میں مسلمانوں کو فتح سے ہمکنار کیا تو ان کی سرکشی میں شدت آگئی۔ انہوں نے اپنی شرارتوں، خباثتوں اور لڑانے بھڑانے کی حرکتوں میں وسعت اختیار کر لی اور خلفشار پیدا کرنا شروع کر دیا؛ چنانچہ جو مسلمان ان کے بازار میں جاتا اس سے وہ مذاق و استہزاء کرتے اور اُسے اذیّت پہنچاتے حتیٰ کہ مسلمان عورتوں سے بھی چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔

اس طرح جب صورتِ حال زیادہ سنگین ہوگئی اور ان کی سرکشی خاصی بڑھ گئی تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں جمع فرما کر وعظ و نصیحت کی اور رشد و ہدایت کی دعوت دیتے ہوئے ظلم و بغاوت کے انجام سے ڈرایا۔ لیکن اس سے ان کی بدمعاشی اور غرور میں کچھ اور ہی اضافہ ہوگیا۔

چنانچہ امام ابو داؤدؒ وغیرہ نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے قریش کو بدر کے دن شکست دیدی اور آپ مدینہ تشریف لائے تو بنو قینقاع کے بازار میں یہود کو جمع کیا اور فرمایا: "اے جماعتِ یہود! اس سے پہلے اسلام قبول کر لو کہ تم پر بھی ویسی ہی مار پڑے جیسی قریش پر پڑ چکی ہے۔" انہوں نے کہا: "اے محمدؐ! تمہیں اس بنا پر خود فریبی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیئے کہ تمہاری مڈ بھیڑ قریش کے اناڑی اور نا آشنائے جنگ لوگوں سے ہوئی اور تم نے انہیں مار لیا۔ اگر تمہاری لڑائی ہم سے ہوگئی تو پتا چل جائے گا کہ ہم مرد ہیں اور ہمارے جیسے لوگوں سے تمہیں پالا نہ پڑا تھا۔" اس کے جواب میں اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی :[۱]

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ○
قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِىْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى
كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْىَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ

---

[۱] سنن ابی داؤد مع عون المعبود ۳ / ۱۱۵، ابن ہشام ۱ / ۵۵۲

فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ○ (۳: ۱۲/ ۱۳)

"ان کافروں سے کہہ دو کہ عنقریب مغلوب کیے جاؤ گے اور جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے، اور وہ بُرا ٹھکانا ہے۔ جن دو گروہوں میں ٹکر ہوئی ان میں تمہارے لیے نشانی ہے۔ ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا کافر تھا۔ یہ ان کو آنکھوں دیکھنے میں اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے؟ اور اللہ اپنی مدد کے ذریعے جس کی تائید چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس کے اندر یقیناً نظر والوں کے لیے عبرت ہے۔"

بہرحال بنو قینقاع نے جو جواب دیا تھا اس کا مطلب صاف صاف اعلانِ جنگ تھا؛ لیکن نبی ﷺ نے اپنا غصہ پی لیا اور صبر کیا مسلمانوں نے بھی صبر کیا اور آنے والے حالات کا انتظار کرنے لگے۔

ادھر اس نصیحت کے بعد یہود بنو قینقاع کی جرأت رندانہ اور بڑھ گئی؛ چنانچہ تھوڑے ہی دن گذرے تھے کہ انہوں نے مدینے میں بلوہ اور ہنگامہ بپا کر دیا جس کے نتیجے میں انہوں نے اپنے ہی ہاتھوں اپنی قبر کھود لی اور اپنے اوپر زندگی کی راہ بند کر لی۔

ابن ہشام نے ابو عون سے روایت کی ہے کہ ایک عرب عورت بنو قینقاع کے بازار میں کچھ سامان لے کر آئی اور بیچ کر (کسی ضرورت کے لیے) ایک سنار کے پاس، جو یہودی تھا، بیٹھ گئی۔ یہودیوں نے اس کا چہرہ کھلوانا چاہا مگر اس نے انکار کر دیا۔ اس پر اس سنار نے چپکے سے اس کے کپڑے کا نچلا کنارا پچھلی طرف باندھ دیا اور اسے کچھ خبر نہ ہوئی۔ جب وہ اٹھی تو اس سے بے پردہ ہو گئی تو یہودیوں نے قہقہہ لگایا۔ اس پر اس عورت نے چیخ پکار مچائی جسے سن کر ایک مسلمان نے اس سنار پر حملہ کیا اور اُسے مار ڈالا۔ جواباً یہودیوں نے اس مسلمان پر حملہ کر کے اسے مار ڈالا۔ اس کے بعد مقتول مسلمان کے گھر والوں نے شور مچایا اور یہود کے خلاف مسلمانوں سے فریاد کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان اور بنی قینقاع کے یہودیوں میں بلوہ ہو گیا۔ [۱]

محاصرہ، سپردگی اور جلا وطنی

اس واقعے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ آپؐ نے مدینے کا انتظام ابو لبابہؓ بن عبد المنذر کو سونپا اور خود، حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب کے ہاتھ میں مسلمانوں کا

---

[۱] ابن ہشام ۲/ ۴۷، ۴۸

پھریرا دے کر اللہ کے لشکر کے ہمراہ بنو قینقاع کا رُخ کیا۔ انہوں نے آپؐ کو دیکھا تو گڑھیوں میں قلعہ بند ہو گئے۔ آپؐ نے ان کا سختی سے محاصرہ کر لیا۔ یہ جمعہ کا دن تھا اور شوال ۲ھ کی ۱۵ تاریخ۔ پندرہ روز تک ــــ یعنی ہلال ذی القعدہ کے نمودار ہونے تک ــــ محاصرہ جاری رہا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا جس کی سنّت ہی یہ ہے کہ جب وہ کسی قوم کو شکست و ہزیمت سے دوچار کرنا چاہتا ہے تو ان کے دلوں میں رعب ڈال دیتا ہے؛ چنانچہ بنو قینقاع نے اس شرط پر ہتھیار ڈال دیئے کہ رسول اللہ ﷺ ان کی جان و مال، آل و اولاد اور عورتوں کے بارے میں جو فیصلہ کریں گے انہیں منظور ہو گا۔ اس کے بعد آپؐ کے حکم سے ان سب کو باندھ لیا گیا۔

لیکن یہی موقع تھا جب عبداللہ بن اُبَی نے اپنا منافقانہ کردار ادا کیا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے سخت اصرار و الحاح کیا کہ آپؐ ان کے بارے میں معافی کا حکم صادر فرمائیں۔ اُس نے کہا "اے محمدؐ! میرے معاہدین کے بارے میں احسان کیجئے" ــــ واضح رہے کہ بنو قینقاع خزرج کے حلیف تھے ــــ لیکن رسول اللہ ﷺ نے تاخیر کی۔ اس پر اس نے اپنی بات پھر دہرائی۔ مگر اب کی بار آپؐ نے اس سے اپنا رُخ پھیر لیا۔ لیکن اس شخص نے آپؐ کے گریبان میں اپنا ہاتھ ڈال دیا۔ آپؐ نے فرمایا "مجھے چھوڑ دو! اور ایسے غضبناک ہوئے کہ لوگوں نے غصّے کی پرچھائیاں آپؐ کے چہرے پر دیکھیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا "تجھ پر افسوس، مجھے چھوڑ۔ لیکن یہ منافق اپنے اصرار پر قائم رہا اور بولا "نہیں بخدا میں آپ کو نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ آپؐ میرے معاہدین کے بارے میں احسان فرما دیں۔ چار سو کھلے جسم کے جوان اور تین سو زرہ پوش جنہوں نے مجھے سرخ و سیاہ سے بچایا تھا آپ انہیں ایک ہی صبح میں کاٹ کر رکھ دیں گے؟ واللہ! میں زمانے کی گردشوں کا خطرہ محسوس کر رہا ہوں"۔

بالآخر رسول اللہ ﷺ نے اس منافق کے ساتھ (جس کے اظہارِ اسلام پر ابھی کوئی ایک ہی مہینہ گذرا تھا) رعایت کا معاملہ کیا اور اس کی خاطر ان سب کی جان بخشی کر دی البتہ انہیں حکم دیا کہ وہ مدینے سے نکل جائیں اور آپؐ کے پڑوس میں نہ رہیں؛ چنانچہ یہ سب اذرعات شام کی طرف چلے گئے اور تھوڑے ہی دنوں بعد وہاں اکثر کی موت واقع ہو گئی۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کے اموال ضبط کر لیے۔ جن میں سے تین کمانیں، دو زرہیں،

تین تلواریں اور تین نیزے اپنے لیے منتخب فرماتے اور مالِ غنیمت میں سے خُمس بھی نکالا۔ غنائم جمع کرنے کا کام محمدؐ بن مسلمہ نے انجام دیا۔ ؎

۴ ۔ غزوۂ سَوِیق

ایک طرف صفوان بن امیہ، یہود اور منافقین اپنی اپنی سازشوں میں مصروف تھے تو دوسری طرف ابوسفیان بھی کوئی ایسی کارروائی انجام دینے کی ادھیڑ بن میں تھا جس میں بار کم سے کم پڑے لیکن اثر نمایاں ہو۔ وہ ایسی کارروائی جلد از جلد انجام دے کر اپنی قوم کی آبرو کی حفاظت اور ان کی قوت کا اظہار کرنا چاہتا تھا۔ اس نے نذر مان رکھی تھی کہ جنابت کے سبب اس کے سر کو پانی نہ چھو سکے گا یہاں تک کہ محمد ﷺ سے لڑائی کرلے۔ چنانچہ وہ اپنی قسم پوری کرنے کے لیے دو سو سواروں کو لے کر روانہ ہوا۔ اور وادی قناۃ کے سرے پر واقع نیب نامی ایک پہاڑی کے دامن میں خیمہ زن ہوا مدینے سے اس کا فاصلہ کوئی بارہ میل ہے، لیکن چونکہ ابوسفیان کو مدینے پر کھلم کھلا حملے کی ہمّت نہ ہوئی اس لیے اُس نے ایک ایسی کارروائی انجام دی جسے ڈاکہ زنی سے ملتی جلتی کارروائی کہا جا سکتا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ رات کی تاریکی میں اطرافِ مدینہ کے اندر داخل ہوا اور حُیَیّ بن اخطب کے پاس جا کر اس کا دروازہ کھلوایا۔ حُیَیّ نے انجام کے خوف سے انکار کر دیا۔ ابوسفیان پلٹ کر بنُو نَضِیر کے ایک دوسرے سردار سلام بن مشکم کے پاس پہنچا جو بنُو نَضِیر کا خزانچی بھی تھا۔ ابوسفیان نے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ اس نے اجازت بھی دی اور مہمان نوازی بھی کی۔ خوراک کے علاوہ شراب بھی پلائی اور لوگوں کے پس پردہ حالات سے آگاہ بھی کیا۔ رات کے پچھلے پہر ابوسفیان وہاں سے نکل کر اپنے ساتھیوں میں پہنچا اور ان کا ایک دستہ بھیج کر مدینے کے اطراف میں عریض نامی ایک مقام پر حملہ کرا دیا۔ اس دستے نے وہاں کھجور کے کچھ درخت کاٹے اور جلائے اور ایک انصاری اور اس کے حلیف کو ان کے کھیت میں پا کر قتل کر دیا اور تیزی سے مکہ واپس بھاگ نکلا۔

رسول اللہ ﷺ نے واردات کی خبر ملتے ہی تیز رفتاری سے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کا تعاقب کیا لیکن وہ اس سے بھی زیادہ تیز رفتاری سے بھاگے؛ چنانچہ وہ لوگ تو دستیاب نہ ہوئے لیکن انہوں نے بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ستّو، توشے اور بہت سا ساز و سامان

؎ زاد المعاد ۲/ ۷۱، ۹۱، ابنِ ہشام ۲/ ۴۷، ۴۸، ۴۹

پھینک دیا تھا جو مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے کرکرۃ الکدر تک تعاقب کرکے واپسی کی راہ لی۔ مسلمان ستّو وغیرہ لاد پھاند کر واپس ہوئے اور اس مہم کا نام غزوۂ سَوِیْق رکھ دیا۔ (سَوِیْق عربی زبان میں ستو کو کہتے ہیں۔) یہ غزوہ، جنگِ بدر کے صرف دو ماہ بعد ذی الحجہ ۲ھ میں پیش آیا۔ اِس غزوے کے دوران مدینے کا انتظام ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کو سونپا گیا تھا۔[۹]

۵۔ غزوۂ ذی امر

معرکۂ بدر و احد کے درمیانی عرصے میں رسول اللہ ﷺ کے زیرِ قیادت یہ سب سے بڑی فوجی مہم تھی جو محرم ۳ھ میں پیش آئی۔

اس کا سبب یہ تھا کہ مدینے کے ذرائع اطلاعات نے رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع فراہم کی کہ بنو ثعلبہ اور محارب کی بہت بڑی جمعیت مدینے پر چھاپہ مارنے کے لیے اکٹھی ہو رہی ہے۔ یہ اطلاع ملتے ہی رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیا اور سوار و پیادہ پر مشتمل ساڑھے چار سو کی نفری لے کر روانہ ہوئے اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مدینے میں اپنا جانشین مقرر فرمایا۔

راستے میں صحابہ نے بنو ثعلبہ کے جبار نامی ایک شخص کو گرفتار کرکے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا۔ آپؐ نے اُسے اسلام کی دعوت دی۔ اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد آپؐ نے اُسے حضرت بلالؓ کی رفاقت میں دے دیا اور اس نے راہ شناس کی حیثیت سے مسلمانوں کو دشمن کی سرزمین تک راستہ بتایا۔

ادھر دشمن کو جیشِ مدینہ کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ گرد و پیش کی پہاڑیوں میں بکھر گئے لیکن نبی ﷺ نے پیش قدمی جاری رکھی اور لشکر کے ہمراہ اس مقام تک تشریف لے گئے جسے دشمن نے اپنی جمعیت کی فراہمی کے لیے منتخب کیا تھا۔ یہ درحقیقت ایک چشمہ تھا جو "ذی امر" کے نام سے معروف تھا۔ آپؐ نے وہاں بدوؤں پہ رعب و دبدبہ قائم کرنے اور انہیں مسلمانوں کی طاقت کا احساس دلانے کے لیے صفر (۳ھ) کا پورا یا تقریباً پورا مہینہ گزار دیا اور اس کے بعد مدینہ تشریف لائے۔[۱۰]

---

[۹] زاد المعاد ۲/۹۰، ۹۱، ابنِ ہشام ۲/۴۴، ۴۵

[۱۰] ابنِ ہشام ۲/۴۶، زاد المعاد ۲/۹۱ کہا جاتا ہے کہ دعثور یا غورث محاربی نے اسی غزوے میں نبی ﷺ کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ ایک دوسرے غزوے میں پیش آیا دیکھئے صحیح بخاری ۲/۵۹۳

۶- کعب بن اشرف کا قتل

یہودیوں میں یہ وہ شخص تھا جسے اسلام اور اہلِ اسلام سے نہایت سخت عداوت اور جلن تھی۔ یہ نبی ﷺ کو اذیتیں پہنچایا کرتا تھا اور آپؐ کے خلاف جنگ کی کھلم کھلا دعوت دیتا پھرتا تھا۔

اس کا تعلق قبیلہ طی کی شاخ بنو نبہان سے تھا اور اس کی ماں قبیلہ بنی نضیر سے تھی۔ یہ بڑا مالدار اور سرمایہ دار تھا۔ عرب میں اس کے حُسن و جمال کا شہرہ تھا اور یہ ایک معروف شاعر بھی تھا۔ اس کا قلعہ مدینے کے جنوب میں بنو نضیر کی آبادی کے پیچھے واقع تھا۔

اسے جنگ بدر میں مسلمانوں کی فتح اور سردارانِ قریش کے قتل کی پہلی خبر ملی تو بے ساختہ بول اٹھا "کیا واقعۃً ایسا ہُوا ہے؟ یہ عرب کے اشراف اور لوگوں کے بادشاہ تھے۔ اگر محمدؐ نے ان کو مار لیا ہے تو روئے زمین کا شکم اس کی پشت سے بہتر ہے۔"

اور جب اسے یقینی طور پر اس خبر کا علم ہو گیا تو اللہ کا یہ دشمن، رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی ہجو اور دشمنانِ اسلام کی مدح سرائی پر اتر آیا اور انہیں مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے لگا۔ اس سے بھی اس کے جذبات آسودہ نہ ہوئے تو سوار ہو کر قریش کے پاس پہنچا اور مطلب بن ابی وداعہ سہمی کا مہمان ہُوا۔ پھر مشرکین کی غیرت بھڑکانے، ان کی آتشِ انتقام تیز کرنے اور انہیں نبی ﷺ کے خلاف آمادۂ جنگ کرنے کے لیے اشعار کہہ کہہ کر ان سردارانِ قریش کا نوحہ و ماتم شروع کر دیا جنہیں میدانِ بدر میں قتل کیے جانے کے بعد کنوئیں میں پھینک دیا گیا تھا۔ مکے میں اس کی موجودگی کے دوران ابو سفیان اور مشرکین نے اس سے دریافت کیا کہ ہمارا دین تمہارے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے یا محمدؐ اور اس کے ساتھیوں کا؟ اور دونوں میں سے کون سا فریق زیادہ ہدایت یافتہ ہے؟ کعب بن اشرف نے کہا: "تم لوگ ان سے زیادہ ہدایت یافتہ اور افضل ہو۔" اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَٰؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ○ (۴:۵۱)

"تم نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا ہے کہ وہ جبت اور طاغوت پر ایمان رکھتے ہیں اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ لوگ مومنوں سے بڑھ کر ہدایت یافتہ ہیں۔"

کعب بن اشرف یہ سب کچھ کر کے مدینہ واپس آیا تو یہاں آ کر صحابہ کرامؓ کی عورتوں کے

بارے میں واہیات اشعار کہنے شروع کئے اور اپنی زبان درازی و بدگوئی کے ذریعے سخت اذیت پہنچائی۔

یہی حالات تھے جن سے تنگ آکر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کون ہے جو کعب بن اشرف سے نمٹے؟ کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسولؐ کو اذیت دی ہے۔"

اس کے جواب میں محمدؓ بن مسلمہ، عبادؓ بن بشر، ابوؓ نائلہ ——— جن کا نام سلکان بن سلامہ تھا اور جو کعب کے رضاعی بھائی تھے۔ ——— حارثؓ بن اوس اور ابو عبسؓ بن جبر نے اپنی خدمات پیش کیں۔ اس مختصر سی کمپنی کے کمانڈر محمد بن مسلمہ تھے۔

کعب بن اشرف کے قتل کے بارے میں روایات کا حاصل یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا کہ کعب بن اشرف سے کون نمٹے گا؟ کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسولؐ کو اذیت دی ہے، تو محمدؓ بن مسلمہ نے اٹھ کر عرض کیا: "یا رسولؐ اللہ میں حاضر ہوں کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں اسے قتل کر دوں؟" آپؐ نے فرمایا "ہاں"! انہوں نے عرض کیا: "تو آپ مجھے کچھ کہنے کی اجازت عطا فرمائیں۔" آپؐ نے فرمایا "کہہ سکتے ہو۔"

اس کے بعد محمدؓ بن مسلمہ، کعب بن اشرف کے پاس تشریف لے گئے اور بولے: "اس شخص نے ——— اشارہ نبی ﷺ کی طرف تھا ——— ہم سے صدقہ طلب کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس نے ہمیں مشقت میں ڈال رکھا ہے۔"

کعب نے کہا: "واللہ، ابھی تم لوگ اور بھی اکتا جاؤ گے۔"

محمدؓ بن مسلمہ نے کہا: "اب جبکہ ہم اس کے پیروکار بن ہی چکے ہیں تو مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ اس کا ساتھ چھوڑ دیں جب تک یہ نہ دیکھ لیں کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے! اچھا ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمیں ایک وسق یا دو وسق غلہ دے دیں۔"

کعب نے کہا: "میرے پاس کچھ رہن رکھو۔"

محمدؓ بن مسلمہ نے کہا: "آپ کون سی چیز پسند کریں گے؟"

کعب نے کہا: "اپنی عورتوں کو میرے پاس رہن رکھ دو۔"

محمدؓ بن مسلمہ نے کہا: "بھلا ہم اپنی عورتیں آپ کے پاس کیسے رہن رکھ دیں جبکہ آپ عرب کے سب سے خوبصورت انسان ہیں۔"

اُس نے کہا: "تو پھر اپنے بیٹوں ہی کو رہن رکھ دو۔"

محمدؓ بن مسلمہ نے کہا: "ہم اپنے بیٹوں کو کیسے رہن رکھ دیں؟ اگر ایسا ہو گیا تو انہیں گالی دی جائے گی کہ یہ ایک وسق یا دو وسق کے بدلے رہن رکھا گیا تھا۔ یہ ہمارے لیے عار کی بات ہے۔ البتہ ہم آپ کے پاس ہتھیار رہن رکھ سکتے ہیں۔"

اس کے بعد دونوں میں طے ہو گیا کہ محمدؓ بن مسلمہ (ہتھیار لے کر) اس کے پاس آئیں گے۔

ادھر ابو نائلہ نے بھی اسی طرح کا اقدام کیا، یعنی کعب بن اشرف کے پاس آئے۔ کچھ دیر اِدھر اُدھر کے اشعار سنتے سناتے رہے پھر بولے: "بھئی ابن اشرف! میں ایک ضرورت سے آیا ہوں، اسے ذکر کرنا چاہتا ہوں؛ لیکن اسے آپ ذرا صیغہ راز ہی میں رکھیں گے۔"

کعب نے کہا: "ٹھیک ہے میں ایسا ہی کروں گا۔"

ابو نائلہ نے کہا: "بھئی اس شخص —— اشارہ نبی ﷺ کی طرف تھا —— کی آمد تو ہمارے لیے آزمائش بن گئی ہے۔ سارا عرب ہمارا دشمن ہو گیا ہے۔ سب نے ہمارے خلاف اتحاد کر لیا ہے؛ ہماری راہیں بند ہو گئی ہیں۔ اہل و عیال برباد ہو رہے ہیں، جانوں پر بن آئی ہے۔ ہم اور ہمارے بال بچے مشقتوں سے چُور چُور ہیں۔" اس کے بعد انہوں نے بھی کچھ اسی ڈھنگ کی گفتگو کی جیسی محمدؓ بن مسلمہ نے کی تھی۔ دورانِ گفتگو ابو نائلہؓ نے یہ بھی کہا کہ میرے کچھ رفقاء ہیں جن کے خیالات بھی بالکل میرے ہی جیسے ہیں۔ میں انہیں بھی آپ کے پاس لانا چاہتا ہوں۔ آپ ان کے ہاتھ بھی کچھ بیچیں۔ اور ان پر احسان کریں۔

محمدؓ بن مسلمہ اور ابو نائلہؓ اپنی اپنی گفتگو کے ذریعے اپنے مقصد میں کامیاب رہے کیونکہ اس گفتگو کے بعد ہتھیار اور رفقاء سمیت ان دونوں کی آمد پر کعب بن اشرف چونک نہیں سکتا تھا۔

اس ابتدائی مرحلے کو مکمل کر لینے کے بعد ۱۴ ربیع الاول ۳ھ ہجری کی چاندنی رات کو یہ مختصر سا دستہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہوا۔ آپؐ نے بقیع غرقد تک ان کی مشایعت فرمائی۔ پھر فرمایا: اللہ کا نام لے کر جاؤ۔ اللہ تمہاری مدد فرمائے۔ پھر آپؐ اپنے گھر پلٹ آئے اور نماز و مناجات میں مشغول ہو گئے۔

ادھر یہ دستہ کعب بن اشرف کے قلعے کے دامن میں پہنچا تو اُسے ابو نائلہؓ نے قدرے زور سے آواز دی۔ آواز سن کر وہ ان کے پاس آنے کے لیے اٹھا تو اُس کی بیوی نے ——

جو ابھی نئی نویلی دُلہن تھی ___ کہا: "اس وقت کہاں جا رہے ہیں؟ میں ایسی آواز سن رہی ہوں جس سے گویا خون ٹپک رہا ہے۔"

کعب نے کہا: "یہ تو میرا بھائی محمدؓ بن مسلمہ اور میرا دودھ کا ساتھی ابو نائلہ ہے۔ کریم آدمی کو اگر نیزے کی مار کی طرف بلایا جائے تو اس پکار پر بھی وہ جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ باہر آ گیا۔ خوشبو میں بسا ہوا تھا اور سر سے خوشبو کی لہریں پھوٹ رہی تھیں۔

ابو نائلہؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہہ رکھا تھا کہ جب وہ آجائے گا تو میں اس کے بال پکڑ کر سونگھوں گا۔ جب تم دیکھنا کہ میں نے اس کا سر پکڑ کر اُسے قابو میں کر لیا ہے تو اس پر پل پڑنا ... اور اُسے مار ڈالنا۔ چنانچہ جب کعب آیا تو کچھ دیر باتیں ہوتی رہیں۔ پھر ابو نائلہؓ نے کہا: "ابن اشرف! کیوں نہ شعب عجوز تک چلیں۔ ذرا آج رات باتیں کی جائیں۔" اس نے کہا "اگر تم چاہتے ہو تو چلتے ہیں؟ اس پر سب لوگ چل پڑے۔ اثنارِ راہ میں ابو نائلہؓ نے کہا' آج جیسی عمدہ خوشبو تو میں نے کبھی دیکھی ہی نہیں۔ یہ سن کر کعب کا سینہ فخر سے تن گیا۔ کہنے لگا' میرے پاس عرب کی سب سے زیادہ خوشبو والی عورت ہے۔ ابو نائلہ نے کہا' اجازت ہو تو ذرا آپ کا سر سونگھ لوں؟ وہ بولا ہاں ہاں۔ ابو نائلہ نے اس کے سر میں اپنا ہاتھ ڈالا۔ پھر خود بھی سونگھا اور ساتھیوں کو بھی سونگھایا۔

کچھ اور چلے تو ابو نائلہؓ نے کہا' بھئی ایک بار اور۔ کعب نے کہا' ہاں ہاں۔ ابو نائلہ نے پھر وہی حرکت کی یہاں تک کہ وہ مطمئن ہو گیا۔

اس کے بعد کچھ اور چلے تو ابو نائلہ نے پھر کہا' کہ بھئی ایک بار اور۔ اس نے کہا' ٹھیک ہے۔ اب کی بار ابو نائلہؓ نے اس کے سر میں ہاتھ ڈال کر ذرا اچھی طرح پکڑ لیا تو بولے: "لے لو اللہ کے اس دشمن کو۔" اتنے میں اس پر کئی تلواریں پڑیں؛ لیکن کچھ کام نہ دے سکیں۔ یہ دیکھ کر محمدؓ بن مسلمہ نے جھٹ اپنی کدال لی اور اس کے پیڑو پر لگا کر چڑھ بیٹھے۔ کدال آر پار ہو گئی اور اللہ کا یہ دشمن وہیں ڈھیر ہو گیا۔ حملے کے دوران اس نے اتنی زبردست چیخ لگائی تھی کہ گردو پیش میں ہلچل مچ گئی تھی اور کوئی ایسا قلعہ باقی نہ بچا تھا جس پر آگ روشن نہ کی گئی ہو لیکن ہوا کچھ بھی نہیں۔)

کارروائی کے دوران حضرت حارثؓ بن اوس کو بعض ساتھیوں کی تلوار کی نوک لگ گئی تھی۔ جس سے وہ زخمی ہو گئے تھے اور ان کے جسم سے خون بہ رہا تھا؛ چنانچہ واپسی میں جب یہ دستہ حرۂ عریض پہنچا تو دیکھا کہ حارثؓ ساتھ نہیں ہیں اس لیے سب لوگ وہیں رُک گئے۔ تھوڑی دیر

بعد حارث بھی ان کے نشانات قدم دیکھتے ہوئے آن پہنچے۔ وہاں سے لوگوں نے انہیں اٹھا لیا۔ اور بقیع غرقد پہنچ کر اس زور کا نعرہ لگایا کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی سنائی پڑا۔ آپ سمجھ گئے کہ ان لوگوں نے اُسے مار لیا ہے؛ چنانچہ آپ نے بھی اللہ اکبر کہا۔ پھر جب یہ لوگ آپ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے فرمایا "افلحت الوجوہ۔ یہ چہرے کامیاب رہیں۔ ان لوگوں نے کہا ووجهك یارسول اللہ۔ آپ کا چہرہ بھی اے اللہ کے رسولؐ! اور اس کے ساتھ ہی اس طاغوت کا سر آپ کے سامنے رکھ دیا۔ آپ نے اس کے قتل پر اللہ کی حمد و ثنا کی اور حارث کے زخم پر لعابِ دہن لگا دیا جس سے وہ شفایاب ہو گئے اور آئندہ کبھی تکلیف نہ ہوئی۔[۱۱]

ادھر یہود کو جب اپنے طاغوت کعب بن اشرف کے قتل کا علم ہوا تو ان کے ہٹ دھرم اور ضدی دلوں میں رعب کی لہر دوڑ گئی۔ ان کی سمجھ میں آگیا کہ رسول اللہ ﷺ جب یہ محسوس کرلیں گے کہ امن و امان کے ساتھ کھیلنے والوں، ہنگامے اور اضطرابات بپا کرنے والوں اور عہد و پیمان کا احترام نہ کرنے والوں پر نصیحت کارگر نہیں ہو رہی ہے تو آپ طاقت کے استعمال سے بھی گریز نہ کریں گے، اس لیے انہوں نے اپنے اس طاغوت کے قتل پر چوں نہ کیا بلکہ ایک دم، دم سادھے پڑے رہے۔ ایفائے عہد کا مظاہرہ کیا اور ہمت ہار بیٹھے؛ یعنی سانپ تیزی کے ساتھ اپنی بلوں میں جا گھسے۔

اس طرح ایک مدت تک کے لیے رسول اللہ ﷺ بیرون مدینہ سے پیش آنے والے متوقع خطرات کا سامنا کرنے کے لیے فارغ ہو گئے اور مسلمان ان بہت سی اندرونی مشکلات کے بارِ گراں سے سبکدوش ہو گئے جن کا اندیشہ انہیں محسوس ہو رہا تھا اور جن کی بُو وقتاً فوقتاً وہ سُونگھتے رہتے تھے۔

۷۔ غزوہ بحران

یہ ایک بڑی فوجی طلایہ گردی تھی جس کی تعداد تین سو تھی۔ اس فوج کو لے کر رسول اللہ ﷺ ماہ ربیع الآخر ۳ھ میں بحران نامی ایک علاقے کی طرف تشریف لے گئے تھے —— یہ حجاز کے اندر فرع کے اطراف میں ایک معدنیاتی مقام ہے —— اور ربیع الآخر اور جمادی الاولیٰ کے دو مہینے وہیں قیام فرما رہے۔

---

[۱۱] اس واقعے کی تفصیل ابن ہشام ۲/۵۱-۵۷۔ صحیح بخاری ۱/۳۴۱-۴۲۵، ۲/۵۷۷۔ سنن ابی داؤد مع عون المعبود ۲/۴۲، ۴۳۔ اور زاد المعاد ۲/۹۱ سے ماخوذ ہے۔

اس کے بعد مدینہ واپس تشریف لائے۔ کسی قسم کی لڑائی سے سابقہ پیش نہ آیا۔[۱۲]

۸ - سریۂ زید بن حارثہ

جنگ احد سے پہلے مسلمانوں کی یہ آخری اور کامیاب ترین مہم تھی جو جمادی الآخرۃ ۳ھ میں پیش آئی۔

واقعے کی تفصیل یہ ہے کہ قریش جنگ بدر کے بعد سے قلق و اضطراب میں مبتلا تو تھے ہی مگر جب گرمی کا موسم آگیا اور ملکِ شام کے تجارتی سفر کا وقت آن پہنچا تو انہیں ایک اور فکر دامن گیر ہوئی۔ اس کی وضاحت اس سے ہوتی ہے کہ صفوان بن امیہ نے ـــــ جسے قریش کی طرف سے اس سال ملکِ شام جانے والے تجارتی قافلے کا میر کارواں منتخب کیا گیا تھا ـــــ قریش سے کہا:

"محمدؐ اور اس کے ساتھیوں نے ہماری تجارتی شاہراہ ہمارے لیے پُرصعوبت بنادی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم اس کے ساتھیوں سے کیسے نمٹیں۔ وہ ساحل چھوڑ کر ہٹتے ہی نہیں اور باشندگانِ ساحل نے ان سے مصالحت کرلی ہے۔ عام لوگ بھی انہیں کے ساتھ ہوگئے ہیں۔ اب سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم کون سا راستہ اختیار کریں؟ اگر ہم گھروں ہی میں بیٹھ رہیں تو اپنا اصل مال بھی کھا جائیں گے اور کچھ باقی نہ بچے گا؛ کیونکہ مکّے میں ہماری زندگی کا دار و مدار اس پر ہے کہ گرمی میں شام اور جاڑے میں حبشہ سے تجارت کریں۔"

صفوان کے اس سوال کے بعد اس موضوع پر غور و خوض شروع ہوگیا۔ آخر اسود بن عبدالمطلب نے صفوان سے کہا: "تم ساحل کا راستہ چھوڑ کر عراق کے راستے سفر کرو۔" واضح رہے کہ یہ راستہ بہت لمبا ہے۔ نجد سے ہوکر شام جاتا ہے اور مدینہ کے مشرق میں خاصے فاصلے سے گذرتا ہے۔ قریش اس راستے سے بالکل ناواقف تھے اس لیے اسود بن عبدالمطلب نے صفوان کو مشورہ دیا کہ وہ فرات بن حیان کو ـــــ جو قبیلہ بکر بن وائل سے تعلق رکھتا تھا ـــــ راستہ بتانے کے لیے راہنما رکھ لے۔ وہ اس سفر میں اس کی رہنمائی کردے گا۔

اس انتظام کے بعد قریش کا کارواں صفوان بن امیہ کی قیادت میں نئے راستے سے روانہ

---

[۱۲] ابنِ ہشام ۲/ ۵۰، ۵۱ - زاد المعاد ۲/ ۹۱ - اس غزوے کے اسباب کی تعیین میں مآخذ مختلف ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ مدینہ میں یہ خبر پہنچی کہ بنو سلیم مدینہ اور اطراف مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے بہت بڑے پیمانے پر جنگی تیاریاں کررہے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ آپ قریش کے کسی قافلے کی تلاش میں نکلے تھے۔ ابنِ ہشام نے یہی سبب ذکر کیا ہے اور ابنِ قیم نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے چنانچہ پہلا سبب سرے سے ذکر نہیں کیا ہے۔ یہی بات درست بھی معلوم ہوتی ہے کیونکہ بنو سلیم فرع کے اطراف میں آباد نہیں تھے بلکہ نجد میں آباد تھے جو فرع سے بہت زیادہ دور ہے۔

ہُوا مگر اس کارواں اور اس کے سفر کے پورے منصوبے کی خبر مدینہ پہنچ گئی۔ ہُوا یہ کہ سلیطؓ بن نعمان جو مسلمان ہو چکے تھے نعیم بن مسعود کے ساتھ جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، بادہ نوشی کی ایک مجلس میں جمع ہوئے ــــ یہ شراب کی حرمت سے پہلے کا واقعہ ہے ــــ جب نعیم پر نشے کا غلبہ ہُوا تو انھوں نے قافلے اور اس کے سفر کے پورے منصوبے کی تفصیل بیان کر ڈالی سلیطؓ پوری برق رفتاری کے ساتھ خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور ساری تفصیل کہہ سنائی۔

رسول اللہ ﷺ نے فوراً حملے کی تیاری کی۔ اور سو سواروں کا ایک رسالہ حضرت زید بن حارثہ کلبی رضی اللہ عنہ کی کمان میں دے کر روانہ کر دیا۔ حضرت زیدؓ نے نہایت تیزی سے راستہ طے کیا اور ابھی قریش کا قافلہ بالکل بے خبری کے عالم میں قردہ نامی ایک چشمہ پر پڑاؤ ڈالنے کے لیے اُتر رہا تھا کہ اسے جا لیا اور اچانک یلغار کر کے پورے قافلے پر قبضہ کر لیا۔ صفوان بن امیہ اور دیگر محافظینِ کارواں کو بھاگنے کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔

مسلمانوں نے قافلے کے راہنما فرات بن حیان کو اور کہا جاتا ہے کہ مزید دو آدمیوں کو گرفتار کر لیا۔ ظروف اور چاندی کی بہت بڑی مقدار، جو قافلے کے پاس تھی، اور جس کا اندازہ ایک لاکھ درہم تھا، بطور غنیمت ہاتھ آئی۔ رسول اللہ ﷺ نے خُمس نکال کر مالِ غنیمت رسالے کے افراد پر تقسیم کر دیا اور فرات بن حیان نے نبی ﷺ کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کر لیا۔[۳۱]

بدر کے بعد قریش کے لیے یہ سب سے الم انگیز واقعہ تھا جس سے ان کے قلق و اضطراب اور غم و الم میں مزید اضافہ ہو گیا۔ اب ان کے سامنے دو ہی راستے تھے یا تو اپنا کبر و غرور چھوڑ کر مسلمانوں سے صلح کر لیں یا بھرپور جنگ کر کے اپنی عزتِ رفتہ اور مجدِ گذشتہ کو واپس لائیں اور مسلمانوں کی قوت کو اس طرح توڑ دیں کہ وہ دوبارہ سر نہ اٹھا سکیں۔ قریش مکہ نے اسی دوسرے راستے کا انتخاب کیا؛ چنانچہ اس واقعہ کے بعد قریش کا جوشِ انتقام کچھ اور بڑھ گیا اور اس نے مسلمانوں سے ٹکر لینے اور ان کے دیار میں گھس کر ان پر حملہ کرنے کے لیے بھرپور تیاری شروع کر دی۔ اس طرح پچھلے واقعات کے علاوہ یہ واقعہ بھی معرکۂ احد کا خاص عامل ہے۔

---

[۳۱] ابنِ ہشام ۲/ ۵۰، ۵۱ - رحمۃ للعالمین ۲/ ۲۱۹